# کافر کون ؟

مؤلف

علامہ سید عرفان حیدر عابدی

ہمیں نے شیخ کا پندار خودسری توڑا
وگرنہ اُس کی نظر میں نہیں تھا کافر کون ؟

قَدْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا

کہو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل کی تقدیر ہی میں مٹ جانا ہے

(القرآن)

# کافر کون

تالیف


خطیب شامِ غریباں امینِ روحِ انقلاب نقیبِ عظمتِ ایمانِ ابوطالب علیہ السلام

علامہ سید عرفان حیدر عابدی



ناشر

عباس بک ایجنسی

درگاہ حضرت عباس، رستم نگر، لکھنؤ

# فہرست


| | | |
|---|---|---|
| پہلا باب | منظور ہے گزارش احوال واقعی | ۱۹ |
| دوسرا باب | شیعیت کی خرافات کا علمی تجزیہ | ۳۹ |
| تیسرا باب | ہم اور عقیدہ قرآن | ۵۵ |
| چوتھا باب | قرآن اور عظمت قرآن مجید | ۶۳ |
| پانچواں باب | قرآن اور شیعوں پر کیا گزری | ۶۹ |
| چھٹا باب | مسئلہ تحریف قرآن | ۸۸ |
| ساتواں باب | جنگ جمل اور جنگ صفین کا علمی اور منصفانہ تجزیہ | ۱۰۷ |
| آٹھواں باب | بصیرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام | ۱۳۰ |
| نواں باب | غلاۃ اختیاری کی مضحکہ خیز اصطلاح | ۱۳۹ |
| دسواں باب | اے ایس ایس کا آئی سی سی | ۱۵۰ |
| گیارہواں باب | تحریک پاکستان میں ASS کے اکابرین کا کردار | ۱۹۷ |
| بارہواں باب | صحابہ کرام کے بارے میں ہمارا نکتہ نگاہ | ۲۲۷ |
| تیرہواں باب | شیعہ اور عزاداری شہدائے کربلا | ۲۷۸ |
| چودھواں باب | ہمارے چہاردہ معصومین علیہم السلام | ۲۹۵ |
| | اختتامیہ | ۳۵۸ |

# انتساب

میں اپنی پہلی قلمی کاوش کو نگہبان کعبہ نکاح خوان محمد مصطفےٰ و خدیجۃ الکبریٰ یعنی ابلد مومن کامل سرکار ابوطالب حضرت عمران کی نذر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن کی نظر کرم نے مجھ ذرہ ناچیز بے علم کندہ ناتراشیدہ کو آب دے کر اتنا نوازا کہ مجھے شکوہ کوتاہی داماں ہو گیا۔

زمانہ مجھ کو کہے ذاکر ابوطالب
بڑا شرف ہے یہ عرفان عابدی کے لئے

# عرض ناشر

علامہ سید عرفان حیدر عابدی کا آفتاب خطابت ابھی مطلع منبر پر طلوع نہیں ہوا تھا کہ میں ان کے نام سے واقف تھا۔ وہ یوں کہ ۱۹۶۳ء میں جب ٹھیری (خیرپور) سندھ میں یوم عاشور دشمنان آل محمد نے سینکڑوں شیعوں کے بے گناہ خون سے ہولی کھیلی تھی تو میں قومیات کے ایک کارکن کی حیثیت سے اپنے بزرگ مجاہد ملت سید مظفر علی شمسی کے ہمراہ خیرپور گیا۔ ان دنوں خیرپور میں افراتفری کا عالم تھا ریلوے اسٹیشن پر جس قوی شخصیت سے ملاقات ہوئی وہ بھائی سید امیر عباس کی ذات گرامی تھی۔ سید امیر عباس انتہائی وجیہ خدوخال کے صبیح رنگ چاق و چوبند دلکش گفتگو کرنے والے معزز و محترم سید زادے تھے اسی جلوس میں میں نے دیکھا کہ ایک طالب علم بہت زیادہ جوش کے ساتھ نعرے لگا رہا ہے ہم نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ سید امیر عباس صاحب کے صاحبزادے عرفان حیدر ہیں۔ یہی طالب علم بعد میں علامہ سید عرفان حیدر عابدی بن کر ہمارے سامنے آیا تو اس وقت محسوس ہوا جیسے ہماری دعا کو تاثیر مل گئی ہو۔

میں نے چونکہ شیعہ قوم کی خدمت گذاری کو اپنا نصب العین بنا کر زندگی بسر کر دی اور خطیب عالم اسلام علامہ رشید ترابی اور سرکار سعید الملت سے لے کر علامہ حافظ کفایت حسین اعلی اللہ مقامہ اور خطیب آل محمد مولانا سید اظہر حسن زیدی مبلغ اعظم مولانا محمد اسماعیل فاضل دیوبند قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین کی تقاریر سنتے



اور ان کی محفل میں بیٹھتے بیٹھتے اس موڑ پر آ پہنچا ہوں۔ اس لئے ہر قسم کے خطیب سے متاثر ہونا آیا ہی نہیں۔ بزرگوں کی صحبت نے سماعت کو ایک معیار عطا کیا ہے۔ اور اس معیار پر ہر خطیب کا پورا اترنا بہت مشکل ہے علامہ سید عرفان حیدر عابدی کی خطابت کے بارے میں خطیب آل محمد مولانا سید اظہر حسن زیدی اعلی اللہ مقامہ نے ایک انٹرویو میں کہا کہ "نوجوان خطیبوں میں علامہ سید عرفان حیدر عابدی سب سے زیادہ ذہین اور فصیح خطیب ہیں"۔ اس وقت میں نے زیادہ توجہ کے ساتھ علامہ سید عرفان حیدر عابدی کو سننا شروع کیا۔ اور پھر جب بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت وضعداری کے ساتھ اور عزت و احترام کے ساتھ پیش آئے یوں ہمارے تعلقات کا سلسلہ بڑھتا گیا علامہ صاحب تقریر کے دھنی تو تھے ہی مگر تحریر کی طرف ان کی رغبت کم تھی۔ ایک تو عدیم الفرصتی کی وجہ سے کوئی خاص موضوع سامنے نہیں آ رہا تھا میرے ذہن میں کچھ دنوں سے ایک خلش اٹھ رہی تھی اور وہ یہ کہ ایک شرپسند ٹولے نے شیعان حسین ابن علی کے خلاف سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دیواروں سے لے کر منبروں تک اور منبروں سے پوسٹروں تک کفر و شرک کے فتوے شروع کر دیئے تو علامہ سید عرفان حیدر عابدی کے سینے میں وہ جذبہ جاگ اٹھا جو انہیں ورثہ میں ملا تھا۔

وہ ایک عرصے سے ابو آلائمہ سرکار ابوطالب کی وکالت کر رہے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ منبر کے خطیبوں میں علامہ سید عرفان حیدر عابدی سرکار ابو طالب علیہ السلام کے موضوع پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں میں نے اس موضوع پر ان کی بیسیوں تقاریر سنی ہیں ملک کے اندر اور سمندر پار خصوصاً تنزانیہ کینیا قطر اور بھارت ان کے ساتھ شریک سفر رہا ہوں۔ چنانچہ میں نے ان کے اندر کے ادیب کو جگایا اور پھر انہوں نے کافر کون؟ کے عنوان سے یہ کتاب تحریر کی۔ اس کتاب میں وہ سب کچھ

ہے جس کی ایک عرصہ سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ استدلال فلسفہ منطق خطابت ثبوت اور پھر انداز زبان کی چاشنی مجھے یقین ہے کہ قارئین کرام اس کتاب کو پڑھتے ہوئے محسوس کریں گے کہ علامہ سید عرفان حیدر عابدی جتنے بڑے خطیب ہیں اتنے بڑے ادیب بھی ہیں ان کا انداز بیان شگفتہ مگر با اثر ہے۔ اگر قارئین نے چاہا تو عنقریب بہت سی اور کتابیں "ندائے شیعہ" شائع کرتا رہے گا۔ اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہم حجۃ الاسلام علامہ سید محمد محسن النقوی مجتہد کراچی حجۃ الاسلام مولانا سید تقی مجتہد سہارنپوری اور علامہ علی ناصر سعید عبقاتی آغا روحی لکھنؤ (بھارت) کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہمیں علامہ صاحب موصوف کے بارے میں اپنے گرانقدر خیالات سے نوازا۔ جو بہرحال علامہ سید عرفان حیدر عابدی کے بارے میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہم اپنے استاد بزرگ جناب سید وحید الحسن ہاشمی کے بھی شکرگزار ہیں کہ انہوں نے کتاب کے مسودے کی پروف ریڈنگ کر کے ہم پر احسان کیا۔

آخر میں ہم علامہ عرفان حیدر عابدی کے بھائی۔ اپنے شریک سفر شاعر خطیب حماد اہل بیت سید محسن نقوی کے خصوصی طور پر شکرگذار ہیں جنہوں نے علامہ عابدی صاحب کی شخصیت علمی تبحر خطابت اور فکری زاویوں کے بارے میں ایک مبسوط علمی و ادبی مقالہ "کافر کون؟" کے لئے تحریر کر کے ادارہ ندائے شیعہ کو ہمیشہ کی طرح ممنون فرمایا۔ حماد اہل بیت سید محسن نقوی کا یہ پر مغز مقالہ اپنی انفرادیت اور اسلوب کے اعتبار سے ادبی شہ پارہ کی حیثیت رکھتا ہے جو ہمیشہ رہنے والی تحریر کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالے بہ تصدق محمد و آل محمد ہماری اس کاوش کو شرف قبول بخشے اور ہمیں حسینیت کے دشمنوں سے ٹکرانے کی طاقت حقیر عطا فرمائے آمین!



ہم آپ سے گذارش کرتے ہیں کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اپنی گرانقدر رائے ادارہ ندائے شیعہ کو ضرور نوازیں تاکہ آئندہ ایڈیشن کو مزید دلکش اور خوبصورت بنایا جا سکے۔

خادم قوم

جعفر علی میر

## تقریظ

حجتہ الاسلام و المسلمین حضرت مولینا سید محمد محسن النقوی صاحب قبلہ
مجتہد العصر

رئیس و موئس مرکز حقوق شریعہ و آل پاکستان شیعہ یتیم خانہ پاکستان

بہ اسم سبحانہ و تعالی الصلوہ و السلام علی رسولہ الکریم و الہ الطاہرین المعصومین اما بعد☆

عرفان قرآن کا ہم قافیہ ہے۔ اور جسے قرآن کی آیہ مودت کا عرفان ہو وہ خطیب الایمان ہو جاتا ہے ہمیں خوشی و فخر ہے کہ ہم نے اب سے چند برس پہلے ملت جعفریہ کے جس نامور سپوت اور نقیب ابو طالب علیہ السلام عزیزم عرفان حیدر عابدی سلمہ کو خطیب الایمان کہا تھا و طفیل محمد و آل محمد انہوں نے سچ کر دکھایا وہ بلاشبہ اس وقت ایشیا کے بلند پایا خطیب اور تاریخ ساز ذاکر حسین ہیں۔ موصوف نے اپنے لقب "خطیب الایمان" کی بلاشبہ لاج رکھی ہے۔ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ سارا ایشیا ان کی گرجدار آواز اور منطقی استدلال اور اچھوتی فکر سے چھلک رہا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ یہ بے پناہ مصروف خطیب اپنی تقریر کا لوہا منوانے کے بعد اب شہسوار قلم و قرطاس بن کر سامنے آ رہا ہے۔ اور ایک منفرد اچھوتی حقائق سے لبریز کتاب "کافر کون" لکھ کر یزیدان عصر حاضر کی شہ رگ پر قلم کا خنجر چلا کر اجر رسالت کی ادائیگی کا مقدس و خوشگوار فریضہ انجام دے رہا ہے۔ اللہ کرے زور بیاں زور قلم اور زیادہ۔

دعاگو

محمد محسن النقوی



## تقریظ

تاج العلماء عالم باعمل مولانا محمد نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی

عزیز القدر جناب سید عرفان حیدر عابدی سلمہ اللہ تعالی سے طفیل آل محمد قوم کا ہر فرد واقف ہے اس لئے ان کے لئے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے ان کے لئے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت ہی کم ہے۔ چونکہ کسی کے جوہر قابل کی داد کی حقیقی روح یہ ہے کہ اس کے لئے بڑی سے بڑی تحریر کو کم سے کم لفظوں میں بیان کیا جائے یہی بہترین حسن تعریف ہے۔

# تقریظ

## حجتہ الاسلام سرکار علامہ علی ناصر سعید عبقاتی
## آغا روحی لکھنؤ (ہندوستان)

علامہ عرفان حیدر عابدی آواز اور الفاظ کے رشتوں کو مفہوم کے گھرانے سے انتساب کی علامت ہیں انہیں فکر و ذکر کے اس حوالے سے پہچانا جاتا ہے جو اپنی تلخیص میں نقطۂ بائے بسم اللہ اور تفصیل میں شاخ ثناں سے تلاوت کلام اللہ ہے علامہ عرفان ظلم کی ہزیمت اور صبر کی بے پناہ قوت کے نقیب ہیں بحیثیت خطیب وہ اپنے اسلوب کے خالق ہیں ان کے لفظیات کا ذخیرہ ان کا اپنا ہے مجھے اپنے اس احساس کے اظہار میں ذرہ برابر تامل نہیں ہے کہ علامہ عرفان کی خطابت تقلیدی نہیں تائیدی ہے اور یہ تائید حضرت ابو طالب علیہ السلام کی مدحت کے صلہ میں انکی بہو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے ملی ہے ورنہ دوسروں کے بال و پر بھی کھلے ہیں اور آسمان کشادہ ہے فکست و ریخت کے اس عہد میں بنام وسیع القلبی حق چہاردہ معصومین و شہدائے کربلا علیہم السلام کے دفاع کو مناظرہ اور تبراء کہہ کے یہ سمجھانے کی کوشش ہوئی ہے کہ اختلافی موضوعات پر تقریریں نہ کی جائیں ان بظاہر خوبصورت اور بباطن صداقت دشمن نعرے سے خوفزدہ ہو کر کئی اہل منبر نے اپنا انداز خطابت تبدیل کر دیا مگر علامہ عرفان حیدر عابدی نے وہی عناوین برقرار رکھے جو ایک صحیح النسب اور صحیح العقیدہ نمکوار خانوادہ رسالت کی سب سے بڑی شناخت ہیں۔

میں ان کے حق پرست مزاج کو اپنی روح کی پوری قوت سے سلام کرتا ہوں۔ علامہ



عرفان حیدر کی ملی اور سماجی خدمتوں سے قدرے واقفیت برادر عزیز جعفر علی میر کے فرستادہ ندائے شیعہ کے ذریعے ہوتی رہتی ہے ہمارے کئی دکھ مشترک ہیں جیسے شیعہ وہابیوں سے مسلسل نبرد آزمائی۔ عوام کی بے لوث خدمت اور تہمتوں کے تحفے مجھے خود اپنا ایک شعر یاد آگیا۔

جزاء احسان کی تہمت طرازی
یہ جذبہ اب صفر ہو جائے گا کیا؟

علامہ عرفان میرے لئے نئے نہیں ہیں ان کے تایا میرے دادا (سرکار ناصر الملت) کے بہت قریبی احباب میں تھے اور لکھنؤ میں ان کا قیام یہیں اسی کتب خانہ ناصریہ میں ہوا کرتا تھا تعلقات کے اعتبار سے علامہ عرفان حیدر عابدی میرے بھی زمرے میں ہیں اور بحیثیت خطیب انکے کروڑوں مداحوں میں ایک میں بھی ہوں مگر قدرے دوسروں سے الگ کیونکہ میں خود بھی ایک خطیب ہوں تکلف برطرف میں اخلاقاً تو بہت سے لوگوں کی تعریف کرتا رہتا ہوں لیکن اپنے "عرفان میاں" کو شعور سے لاشعور تک چھایا ہوا محسوس کرتا ہوں۔

دعاگو
علی سعید

## تقریظ

# دبیر فلک خطابت

جو آنکھیں سورج کو دیکھ لیتی ہیں انھیں چاند ستارے مدھم مدھم نظر آتے ہیں دنیائے خطابت اور ملک فصاحت و بلاغت کے اس درخشندہ و تابندہ سورج کو جب میں نے دیکھا اور پہلی بار سنا تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کہہ رہا ہو

جو دکھائی دے میں وہ آواز ہوں
جو سنائی دے میں وہ تصویر ہوں

وہ سراپا آواز بھی ہے اور مجسم تصویر خطابت بھی وہ بارش نہیں کہ برسے اور کیچڑ بن جائے وہ سمندر ہے گہرا عمیق بے انت و بے کنار سمندر

فرمان امیرالمومنین کی روشنی میں (من عرف نفسہ و فقد عرف اللہ)

اس نے عرفان ذات حاصل کیا اسکے بعد عرفان محمد و آل محمد کے حصول کی دھن میں لگا رہا اور اسوقت تک چین سے نہیں بیٹھا جبتک طفیل محمد و آل محمد عرفان کائنات حاصل نہ کرلیا۔

علم و عرفان کی منازل سے
جب وہ گذرا تو ایک بحر بنا

اور اب وہ بلا شبہ سلطنت خطابت کا وہ تاجدار ہے جو خطابت و شہرت و ناموری کے ساتوں آسمان مسخر کر چکا ہے اس کے لہجے کی گھن گھرج اور اسکے اسلوب بیان کی صداقت ہے کہ زمانے کے زمانے اس کی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ اپنی وجاہت شرافت خطابت سے دلوں کو مسخر کیا اور دنیا کی سب سے بڑی نعمت "محبت کا حقدار



ہوا۔ میرے نزدیک خدا محبت ہے۔ رسول محبت ہے۔ علی محبت ہے۔ حسین محبت ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں

شہید محبت نہ کافر نہ غازی
محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی

اللہ رسول سے محبت کرنے والے شیعان خدا و رسول علی کے محب۔ شیعان علی حسین سے محبت کرنے والے شیعان حسین اگر محبت کرنا کفر ہے تو پھر کائنات میں کون ایسا ہے جو کافر نہیں

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم۔

علامہ عرفان عابدی کا حسن ذات حسن بیان اور حسن خطابت تو ذہن کے راستے دلوں تک اتر جاتا ہے آیئے اب حسن تحریر دیکھیں اور دعا کریں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اوصاف علی ہوں گے رقم اور زیادہ
اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

دختر آغا نعمت اللہ جان درانی

# تعارف

## علامہ عرفان حیدر عابدی

## خطیب شام غریباں۔ نقیب صبح قلم

اپنا ما فی الضمیر بیان کرنے کی صلاحیت انسان میں قدرت کی طرف سے ایک ایسی "ارجمند ودیعت" اور اس پر ایک ایسا گرانقدر انعام ہے جس پر رب نطق و لب نے سورہ الرحمن میں ناز کیا ہے۔ اور اسے اپنی ان نعمتوں میں سے قرار دیا ہے جن کا جھٹلانا انسان کے بس کی بات نہیں۔ علم بیان خالصتاً ایک ایسا علم ہے جو تمام علوم کے تعارف کا حیلہ اور ان علوم کی تہہ تک پہنچنے کا وسیلہ بنتا ہے۔ یہی وہ سلسبیل ہے جس کی موجیں انسان کو ادراک و آگہی کی گہرائیوں کا سراغ دیتی ہیں ادراک و آگہی کی گہرائیاں جن میں واجب الوجود کی معرفت کے خیام نصب ہیں اور حقیقت اشیاء کے اسرار و رموز لوء لوء و مرجان کی صورت میں بکھرے پڑے ہیں۔ علم بیان نہ صرف ذات سے کائنات اور کائنات سے ذات تک کے فاصلوں اور رابطوں کو سمجھنے اور استوار کرنے کی اساس بنتا ہے بلکہ ماوراء کی خبر بھی شعور و لاشعور کے تہہ خانوں میں محفوظ کر دیتا ہے۔ اس علم کے خدوخال حروف و الفاظ کے زیر و بم سے ترتیب پاتے ہیں اور صوتی مدو جزر سے نکھرتے اور سنورتے ہیں۔ بیان علم ہے اور علم۔ بیان کے بغیر کنز مخفی۔ جسے اپنے تعارف کے لمحے تخلیق کرنے کے لئے کہ آواز و حجاب الفاظ میں اترنا پڑتا ہے۔ اور علم جب قبائے حرف و صوت زیب تن کر لے تو ابلاغ کی سلطنت پر متمکن ہو کر اذہان پر حکومت کرنے کے جملہ حقوق حاصل کر کے غرور جمل

کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ علم۔ بیان کی سرحد پر قدم رکھنے سے پہلے محض خیال اور بیان الفاظ کی گرفت کے بغیر صرف ہوا کا شور ہے۔ لفظ علم اور بیان کے درمیان کائنات کا قیمتی ترین اور نازک ترین رشتہ اور رابطہ ہیں۔ لفظ علم کی پوشاک شعور کا سرمایہ اور ادراک کا خزانہ ہیں۔ لفظ جذبوں کو نام دیتے ہیں۔ احساسات کو توانائی اور خیالات کو ساعت کی رعنائی عطا کرتے ہیں۔ زمین پر سانس لینے والے پہلے انسان کو اولین معجزہ لفظ تھا۔ انسان کی تمام شخصیت لفظوں کے غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ لفظوں کا اپنا اپنا قبیلہ اپنا اپنا شجرہ نسب اپنی اپنی عمر اور اپنا اپنا کردار ہے۔ لفظوں کی بستیاں۔ شہر۔ جنگل۔ جزیرے۔ سمندر اور مد و جزر ہیں۔ لفظ قاتل کی گرفت میں ہوں تو درندگی کی علامت ہیں۔ مقتول کی زبان پر ہوں تو استغاثۂ نصرت۔ ظالم کے حلق میں جنم لیں تو تاریخ کی دیوار میں دراڑ ڈال دیتے ہیں۔ مظلوم کے ہونٹوں سے ادا ہوں تو عرش کے کنگرے لرزنے لگیں۔ لفظ مجرم کی تحویل میں ہوں تو جواز جرم کی تاویل عدالت کے کٹہرے میں ہوں تو وکیل کی دلیل اور عادل کے قلم کی روشنائی پہن لیں تو موت و حیات کے درمیان فیصلے کا لمحہ۔

ہمارے ہر طرف لفظ ہی لفظ بکھرے پڑے ہیں۔ کہیں علماء و حکماء کی بصیرت میں ڈھلے ڈھلے لفظ۔ تو کہیں مفسرین۔ محدثین۔ مورخین اور مبصرین کی میزان فکر میں تلے تلے لفظ دانشوروں اور فلاسفروں کی سوچ میں نہائے نکھرے نکھرے لفظ شاعروں اور انشاء پردازوں کے وجدان کی چاندنی میں ریشم ریشم ملائم لفظ انقلابی مفکروں کے کھردرے اور گونجتے گرجتے لفظ امن کی قوس قزح بنتے اور جنگاہ کے ترانے ترتیب دیتے ہوئے لفظ ذوق جمال کی چارہ گری کرتے اور احساس کے آبگینوں میں ڈھلتے ہوئے چمکتے دمکتے لفظ۔

لفظ ارسطو اور سقراط کے پاس ہوں تو سچائیاں چھڑکتے ہیں۔ شیکسپیئر اور برنارڈشاء کا



لہجہ اپنائیں تو سانس لینے اور بولنے لگتے ہیں۔ ورڈزورتھ۔ کیٹس اور شیلے کی زبان چھولیں تو خوشبو سے اٹ جاتے ہیں۔ برٹینڈرسل کے قلم سے پھوٹیں تو لو دینے لگتے ہیں۔ امراء القیس۔ متنبی اور حماسا کے ہونٹوں سے ٹپکیں تو کفر و الحاد کی بازگشت بن جاتے ہیں۔ قرۃ العین طاہرہ کی ذہنیت میں پرورش پائیں تو بغاوت کے نوکیلے ناخن بن جاتے ہیں اور یہی لفظ فاران کی چوٹی پر یا کوہ ابو قبیس پر طلوع ہوتے ہوئے انسان کے الہامی لب و لہجے کا غلاف اوڑھ لیں۔ تو ابدی حقیقتوں کے ترجمان قرآن کی آیات کا تقدس اوڑھ لیتے ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو ہر انسان اپنی وراثت میں لفظ ہی چھوڑ جاتا ہے۔ وہ اس کے افکار کی صورت میں ہوں یا لوح مزار کی شکل میں۔ لفظ کسی عابد شب زندہ دار کے کاسۂ چشم و لب میں رواں ہوں تو گریہ نیم شبی اور دعائے اثر آشنا کہلاتے ہیں۔ قرطاس فکر پر بکھریں تو کتبہ تقدیر ہوتے ہیں اور اپنے اوزان کے پیمانے میں ڈھل کر ہجوم ساعت پر محیط ہونے کے عمل سے گذریں تو خطابت کو جنم دیتے ہیں۔

کسی مغربی مفکر نے کہا تھا کہ دنیا سے جنگ کرنے سے شاعری پیدا ہوتی ہے اور اپنے آپ سے جنگ کرنے کے نتیجہ میں خطابت وجود میں آتی ہے۔ علم بیان اپنی محسوسات کے بلیغ اظہار کا علم ہے۔ یعنی جذبہ و خیال کی مشترکہ وادیوں میں مہکتے دہکتے افکار و عقائد اور محسوسات و نظریات کو فصاحت و بلاغت کی آنچ دے کر حرف و صوت کے معیاری پیمانوں میں پگھلا کر ساعتوں میں انڈیلنے کا نام علم بیان ہے۔ علم بیان بندھے ٹکے طریقے سے دوسرے تک پہنچایا جائے تو "درس" ہے۔ زیر و بم کے بغیر اس کی ترسیل محض پیغام رسانی ہے اور ہر لفظ کو اس کی مقررہ وزن کے ساتھ صحیح وقت پر صحیح اندازے سے برتنے کا نام خطابت ہے۔

علم الکلام اور علم البیان کے ماہرین یقیناً اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ہر لفظ اپنی

حقیقی تاثیر سے اسی وقت ہمکنار ہو سکتا ہے۔ جب بولنے والا اس کے حقیقی و مجازی مفاہیم سے آشنا ہو۔ اس کے قد و قامت منصب و مرتبے اور محل استعمال کے مناسب ترین لہجے سے آگاہ ہو۔ ورنہ یوں ہے کہ اکثر الفاظ محض محل استعمال کے غلط اندازہ سے اپنی تاثیر کھو بیٹھتے ہیں۔ اور بولنے والے کو متوقع نتائج حاصل نہیں ہوتے۔

خطابت علم بھی ہے فن بھی۔ مطلب یہ کہ جاننے والوں کے سامنے کسی موضوع پر گفتگو کرتے وقت اس کا مزاج علمی ہوتا ہے۔ اور نہ جاننے والوں کو کسی موضوع کی طرف متوجہ کر کے اپنے دلائل کے ابلاغ سے قائل کرتے وقت خطابت علم کے علاوہ فن کا روپ دھار لیتی ہے یہاں فن سے مراد پیشہ نہیں نہ ہی اسلوب و انداز کی شعبدہ بازی ہے۔ بلکہ اس سے مراد علم کی صداقت پر ایمان کی حد تک یقین کر کے اسے خلوص اور دیانتداری سے اپنے مخاطب تک منتقل کرتا ہے۔

خطابت کے عناصر اربعہ میں بے پناہ مطالعہ موضوع پر مکمل دسترس مناسب ترین لفظوں کا ذخیرہ اور ربط کا سلیقہ اور اپنے بیان پر بے خوف و حزن اعتماد شامل ہیں۔ یعنی ایک خطیب جب کسی موضوع پر بولنے کا ارادہ کرے تو اس موضوع کے حق میں اور خلاف بھی جدلیاتی عمل سے گذر چکا ہو۔ عجز انکسار میں مبتلا خطیب ذہنی ناپختگی اور اپنی ادھورے مطالعہ سے اپنی ذات سے بد اعتمادی کا شکار ہو کر موضوع سے ہٹ کر بولنے لگتے ہیں۔ ایسے میں سوچ الجھ کر رہ جاتی ہے اور خطیب اپنے مقابلے میں خود ہی پسپائی کی راہ ڈھونڈنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بہت کم خطیب ایسے ہوتے ہیں جو موضوع کی کڑی سے دوسرے موضوع کی کڑی ملاتے وقت سامعین کو یہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں دیتے کہ گریز بر محل تھا یا بے محل؟ ایسے خطیب بے پناہ صلاحیتوں اور خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ لیکن خطابت کے ماہرین اور علم البیان کے اساتذہ کے نزدیک ایک خطیب اسی وقت کامیاب خطیب سمجھا جا سکتا ہے۔ جب



وہ ایک ہی موضوع پر بے تکان بولتا چلا جائے بیان میں ندرت اور تنوع ایسا ہو کہ تقریر ختم ہونے پر بھی سامعین کا اشتیاق ختم نہ ہونے پائے۔ علم الکلام یا علم البیان کے شہسواروں کے کئی قبیلے ہمارے سامنے گذر چکے ہیں۔ جنہیں ہم نے نہیں دیکھا۔ ان کے اسلوب خطابت کی تعریفیں سنی ہیں۔ تاریخ خطابت یوں تو ایسے قد آور خطیبوں کے اسمائے گرامی سے بھری پڑی ہے جن کے ہونٹوں کی جنبش سے ہوائیں سانس روک لیا کرتی تھیں پرندے پرواز بھول جاتے تھے چلتے ہوئے دریا ٹھہر جاتے تھے آپس میں ٹکراتی ہوئی تلواریں زمیں بوس ہو کر نیاموں میں منہ چھپا لیتی تھیں۔ پسپا ہوتے ہوئے لشکروں کے حوصلے بڑھ جاتے تھے۔ اور لوگ ان کے کنج لب میں پناہ ڈھونڈتے ہوئے لفظوں کی زکواۃ وصول کرنے کے لئے عاجز سوالیوں کا روپ دھار لیا کرتے تھے مگر بولنے والوں کے اس انبوہ میں کچھ قیامت قامت شخصیتیں ایسی بھی تھیں جن کے نطق و لب کا تسلط نسلوں کے اذہان پر مسلط رہا۔ اور کئی نسلوں کے صاحبان کلام و قلم نے ان کی پیروی اور تقلید کو باعث اعزاز سمجھا ان کے ہاں اسلوب کا تنوع موضوع کی گہرائی اور لب و لہجے کی کھنک دلوں کو مسخر کرتی چلی جاتی تھی۔

جس طرح انواع و اقسام کے شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی سوچ اور نقطۂ نظر اپنے شعبے کے بارے میں مختلف ہوتا ہے اسی طرح خطابت کے سلسلے میں بھی ہر خطیب آواز اور اسلوب کے اعتبار سے مختلف مزاج اور رائے کا حامل ہوتا ہے۔ کچھ لوگ خطابت کو محض وسیلہ رزق سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ کچھ کی رگ و پے میں خطابت کی موج رواں دواں رہتی ہے کچھ اپنی آواز کے زور پر خطابت شعار کرتے اور کچھ خطابت کو کائنات میں فرد کے تعارف کا وسیلہ شمار کرتے ہیں۔ مگر ہر خطیب میں اپنی خطابت کو دوسرے خطیبوں کے مقابلے میں منفرد اسلوب کے معیار پر

جانچنے اور پرکھنے کی دھن میں مگن رہتا ہے۔

جہاں تک برصغیر میں خطابت کی تاریخ کا تعلق ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ لکھنا اور کہنا پڑ رہا ہے کہ بسیار کوشش کے باوجود آج تک اس موضوع پر ہمیں تفصیلی معلومات فراہم نہیں ہو سکیں نہ ہی کسی دھن کے پکے اہل قلم نے اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کی زحمت گوارا کی ہے۔ جس کسی سے پوچھا جائے وہ انگلیوں کی پوروں پر چند نام گنوا کر چپ ہو جاتا ہے۔ تسبیح کے دانوں کی ترتیب کسی کے پاس موجود نہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ایسا کیوں ہے۔۔۔۔؟ جہاں تک ہم سوچ سکتے ہیں۔وہ یوں ہے کہ عرب میں فصاحت و بلاغت اور زبان و اظہار پر زور دیا جاتا تھا اس لئے قبل اسلام اور بعثت کے بعد وہاں جذبے کو اونچی زبان سے بات کرنا سکھایا گیا۔ اس کی ایک وجہ وہاں کی قبائلی جنگیں اور ایک دوسرے پر برتری اور سبقت لی جانے کا شوق اور دوسرے عربوں کو اپنی زبان کی وسعت پر ناز اور جذبوں کے اظہار پر قدرت حاصل تھی اس لئے عربی ادب میں ہمیں خطابت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ عرب اپنے مقابلے میں باقی دنیا کو عجم (بے نطق و لب) سمجھتے تھے اور عربوں کی قریبی ترین حریف تہذیب ایران کی تہذیب تھی اہل ایران نے عربوں کے مقابلے میں اپنی زبان اور تہذیب کو شیریں۔ نرم۔ ملائم اور دلکش بنایا۔ اور فارسی شعراء نے خیال آفرینی اور موضوع کی گہرائی و گیرائی پر خصوصی توجہ دی۔ چنانچہ عربی زبان و ادب کا بیشتر حصہ ہمیں رزمیہ لفظوں رجزیہ شاعری اور خاندانی رفعت و بلندی کی مدحت و منقبت پر مشتمل نظر آتا ہے۔ اس ادب میں ہم حکیم عرب علی ابن ابی طالب کی خطابت اور ادب کو شامل نہیں کرنا چاہتے اور نہ ہی کلام الہٰی کی معنی آفرینی ہمہ گیریت کا عالمگیر تاثر اور صاحب وحی الہٰی اور محور حرف و صوت سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبات۔ فرامین۔ ادعیہ اور لب و لہجہ کا مقابلہ کر



رہے ہیں۔ یہ خاندان اور اس کے افراد اپنی علمی وجاہت فکری قد و قامت اور نطق و لب کے عرش مرتبت آسمان ہیں۔ دنیا بھر کے خطیب مل کر بھی علی ابن ابی طالب کے ایک ادنیٰ سے سفیر اور قاصد طرماح بن عدی کے اس ایک خطبے کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو طرماح نے معاویہ بن ابوسفیان کے دربار میں دیا تھا۔ بات عرب و عجم میں خطابت ادب اور تہذیب کے ٹکراو کی ہو رہی ہے۔ چنانچہ عرب میں جب رزمیہ شاعری اور خطابت عروج پر تھی اس وقت ایران میں فصاحت کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ عرب میں جب رجزیہ اشعار کی بھرمار تھی۔ ایران میں غنائی شاعری دامن کوہ میں بہتی بھٹکتی بل کھائی ہوئی ندی کے صاف شفاف اور ٹھنڈے میٹھے پانی کی طرح ذہنوں کی طراوت اور مزاجوں کو تازگی عطا کر رہی تھی۔

اچانک سورج سوا نیزے پر اتر آیا تاریخ کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی ملوکیت نے اپنی آغوش میں پال پوس کر یزید کو جوان کر کے اسلامی اقدار کا مذاق اڑانے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ آمریت کی دیوی نے اپنے جہیز میں آئی ہوئی طاغوتی سازشوں کی تمام تر تاریکیاں بگڑے ہوئے اموی ولی عہد کے خدوخال پر انڈیل کر شخصی اقتدار کا تاج اس کے گستاخ سر پر سجا دیا۔ یزید ملوکیت کا دودھ پی کر جوان ہوا تھا آوارہ قہقہوں میں پرورش پائی تھی ترکش بدوش "حمالۃ الحطب" کا شکاری پوتا مزاجاً امراؤ القیس کا مقلد اور طبعاً شیطنت کے آنگن میں تھوہر کا پودا ثابت ہوا۔ بھٹکے ہوئے شباب کو شراب نے اور بدمست کیا۔ فرزند بنت شب کے ضدی بیٹے نے اسلام کے تقدس کو صحرا میں چوکڑیاں بھرتے رم خوردہ غزالان فلک سیر سمجھ کر اپنی کمان میں کھنچے ہوئے کفر و الحاد کے زہریلے تیروں سے چھلنی کر ڈالا۔ ظلم یزید کی رگ و پے میں خون کی طرح گردش کر رہا تھا کہ اسلام کے ہم سن اور آغوش رسالت کی پروردہ حسین ابن علی کے ماتھے میں پیدا ہونے والی پہلی شکن نے ملوکیت کی ہتھیلی پر قسمت کی لکیر بجھا کر رکھ دی

حسین نے یزیدی جبر و غرور سے ٹکرانے کا عزم کیا۔ اور پھر کربلا۔ تاریخ کی اکلوتی فیصلہ کن تحریر بن گئی۔ کربلا میں چند گھنٹوں میں غرور یزید اپنے لاؤ لشکر سمیت ریت کے ٹیلوں میں دب کر دفن ہو گیا۔ حسین نوک نیزہ پر معراج کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ قلم نے ناموس شریعت کے برہنہ سر پر نیزے کے سائے صبر کے حوصلے جوان رہے انسانیت نے اپنی مظلومیت کا مرثیہ خود کہا حسین ابن علی کائنات کا وہ پہلا مافوق البشر انسان ہے جس نے کربلا میں اکثر مرثیے کہے۔ اور آخری خطبے میں خطابت کی درس گاہ کا پہلا باب وا کیا۔ اور پھر کوفہ و شام کی گلیوں۔ چوراہوں۔ بازاروں اور درباروں میں ایک بریدہ سر شہید نوک نیزہ کے منبر پر مسلسل خطابت کرکے گونگی اور بہری سماعتوں کو توحید و نبوت و امامت کی آگہی سے نوازتا گیا۔ حسین ابن علی کی خطابت میں نہ تو شاعری تھی نہ مبالغہ بلکہ آیات الہی کی تفہیم اور الہام کی تجسیم ہو رہی تھی کچھ جاننے والے اذہان قلم سے متعارف ہو رہے تھے منبر سے آشنا ہو رہے تھے حسین ابن علی خطابت کا ساتواں آسمان بن کر ذہنوں پر محیط ہو گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے علی کی بیٹی نے اپنا منصب سنبھالا۔ اور اپنے خطبوں سے قصر استبداد کی بنیادوں میں زلزلے بھر دیئے۔ ساتھ ہی پرسہ دار شہدائے کربلا علی ابن الحسین پا بہ زنجیر اور طوق در گلو ہونے کے باوجود دربار یزید میں لب کشا ہوا تو منبر و محراب کے فاصلے سمٹ کر رہ گئے۔

یوں کربلا خطابت کی پہلی درس گاہ بن کر سامنے آئی اور پھر عرب و عجم میں اس درس گاہ سے نطق و لب کا رزق لینے والوں کے قافلے میدان میں اتر آئے فطرت انسانی نے اپنا کرشمہ دکھایا اور عجم کے شعرا اور دانشور کربلا کے واقعہ کو اپنے اپنے اسلوب سے منبر و محراب میں اور جلوت و خلوت میں بیان کرنے لگے ایران سے خطابت کی شعاعیں برصغیر میں پھیلنا شروع ہوئیں ادھر کربلا اور نجف سے فارغ التحصیل ہونے والے صاحبان علم و دانش نے برصغیر میں علم و دانش کی شمعیں روشن کیں تو منبر پر



بھی نطق و لب کے چراغ جل اٹھے۔ مرثیہ گوئی نے اردو شاعری میں باقاعدہ صنف کی صورت اختیار کی منقبت سلام اور قصیدہ گوئی میں نئے نئے استعارے اور اشارے وجود میں آئے مجالس عزا میں خطابت کی لہریں کروٹ بدلنے لگیں برصغیر میں خطابت کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو انیسویں صدی عیسوی کے اوائل سے شاعری اور خطابت نے باقاعدہ اپنے خدوخال اس انداز سے سنوارے کہ ہند کی سرزمین میں مختلف علاقوں کے سربراہان سلطنت اس سے متاثر ہوئے حیدر آباد دکن۔ یوپی۔ خصوصاً لکھنؤ۔ دلی۔ الہ آباد۔ سہارنپور اور دیگر بہت سے علاقوں میں منبر کی تاریخ مرتب ہونے لگی سربراہان سلطنت نے امام بارگاہیں تعمیر کرائیں اہل منابر نے تقریروں سے اور اہل قلم نے تحریروں سے خطابت و شاعری کی معراج حاصل کی یوں چراغ سے چراغ جلتا گیا۔ محراب و چشم و گوش میں بصیرت کی روشنی بڑھتی گئی۔ کربلا سے جو شعاعیں پھوٹی تھیں۔ وہ آسمان خطابت پر ساتوں رنگ بکھیرنے لگیں۔ اور برصغیر حسینیت کی تفہیم و تبلیغ کا سب سے بڑا مرکز بن گیا اور منبر کے مقدر کا ستارا اوج فلک پر تازہ تراشے ہوئے جوہر کی طرح دمکنے لگا۔

یہ حقیقت ہے کہ برصغیر میں خطابت کے جتنے بڑے نام تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کئے ہیں ان سب کا تعلق ملت جعفریہ سے ہے۔ اور یہ بات صرف خطابت تک محدود نہیں بلکہ عالم اسلام میں جن شخصیتوں نے علم و ادب خطابت اور دانشوری میں نئے نئے دریچے وا کئے ہیں ان میں سے اکثریت باب مدینۃ العلم کی خیرات سے فیض یاب نظر آتی ہے علم فقہ۔ علم تفسیر۔ علم الرجال۔ علم الانساب۔ منطق۔ فلسفہ۔ تاریخ۔ تحقیق۔ عروض۔ ہیئت۔ طب جفر۔ علم الاعداد۔ کیمیا۔ علم الانفاس۔ مقادیر۔ اوزان۔ تقویم۔ علم الکلام۔ علم البیان۔ جغرافیہ۔ ادب۔ مدنیت۔ شاعری۔ نثر۔ مثنوی السنہ۔ سیرہ۔ قصیدہ۔ حمد۔ نعت۔ منقبت۔ لغت۔ علم الافلاک۔ اقتصادیات غرض جس علم کو

بھی کھنگال کر دیکھیں اس کی ترویج۔ اشاعت اور ترسیل کی ابتدا کسی نہ کسی دریوزہ گر دروازہ کربلا و نجف کی مرہون و مقروض نظر آئے گی۔ اسی طرح خطابت بھی خطیب منبر سلونی کے فیض سے علمائے اثناء عشریہ کے حصہ میں آئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خطابت میں موضوع کے ساتھ جذباتی وابستگی درود افکار و خیالات اور نزول الفاظ و الہام کا باعث بنتی ہے۔ جذباتی وابستگی کے بغیر خطیب نہ تو صحیح معنوں میں اپنے موضوع میں ذہنی انتشار سے ملوث ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی اسے روحانی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں خطابت کے لئے منبر پر جن اصحاب معلی مزاج کے فضائل و مصائب ہم بیان کرتے ہیں ان سے ہمیں ایمان کی حد تک وابستگی جنون کی حد تک مودت اور محبت کے علاوہ عقیدت ہوتی ہے۔ دوسرے منبر ہمارے لئے وسیلہ رزق علم ہے۔ اس کی علاوہ ہمارے سامعین بھی دل کھول کر حوصلہ افزائی اور جی بھر کر داد و تحسین کی کرم فرمائی کرتے ہیں اس لئے صاحبان منبر کی خواہش ہوتی ہے کہ ہر مجلس اور مجمع میں کوئی نیا نکتہ کوئی نئی بات سامعین تک پہنچائیں جبکہ دوسرے کسی مسلک کے علمائے منبر اور خطیبوں کی وہ قدر و منزلت نہیں جو شیعہ مسلک کے ارباب منبر کو حاصل ہے۔ اس لئے ہر بڑے خطیب کا مسلک مذہب محمد و آل محمد ہے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ملت جعفریہ کے افراد نہایت ذہین اور خطباء کے معیار خطابت پر ہر لحاظ سے پورے اترتے ہیں۔ اس لئے خطیب کو یقین ہوتا ہے کہ اس کا کوئی لفظ بھی رائیگاں نہیں جائے گا۔

ہاں تو ہم بات کر رہے تھے برصغیر میں خطیبوں کے کارواں کی جس کے نقوش قدم جذبوں کا اظہار کرنے والے صاحبان بصیرت کے لئے منزل کے چراغ ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تبلیغ علوم محمد و آل محمد کے لئے جتنی موثر آواز خطیب کی ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے اتنی موثر تقریر کسی گوشہ نشین اخبار بین کی نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ



شیعان حسین ابن علی کے نزدیک مجالس عزا تہذیب و شرافت انسانی کی سب سے بڑی درسگاہیں علم کے حصول کا موثر ترین ذریعہ تکریم تقدیس آدمیت کے سرچشمے اور عمل کی تحریک کے لئے سازگار ماحول کے استعارے ہیں اور ہمیں اپنی تاریخ کو سننے۔ لکھنے۔ سیکھنے۔ جانچنے۔ پرکھنے اور اسے دہرانے کے سب سے زیادہ مواقع اور سلیقے انہیں مجالس عزا سے ملتے ہیں۔ ان مجالس میں تشنگان علم کو علم کی خیرات ملتی ہے کور چشموں کو بصیرت کا نور ملتا ہے معرفت کا رزق یہیں بٹتا ہے۔ عمل کی تبلیغ ہوتی ہے ظلم انسانی کے چہرے سے نقابیں یہیں سرکائی جاتی ہیں۔ مظلوم سے محبت اور مودت کا سبق یہیں دیا جاتا ہے۔ ان سطور سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جن مجالس سے اتنا کچھ حاصل ہوتا ہو۔ وہاں منبر کا مقام کیا ہو گا۔ اور جہاں منبر اتنا بلند مقام رکھتا ہو۔ وہاں صاحبان منبر کا منصب ان کی عزت۔ تکریم۔ تعظیم۔ رتبہ اور رفعت کیا ہو گی؟

کوئی خطیب اگر یہ تمام باتیں سمجھتا ہو اور عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عامل بھی ہو تو وہ دلوں کے ساتھ ساتھ کائنات کو تسخیر کرنے کا ہنر جان لیتا ہے۔ پھر وہ یقین کی اس منزل پر فائز ہو جاتا ہے جہاں اشیاء کا وجود سائیوں اور دھندلکوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور حقیقت اشیاء کے تمام پردے اس کی آنکھوں کے سامنے خود بخود اٹھتے دکھائی دیتے ہیں وہ جب چاہے اور جہاں چاہے اپنے سامعین کے دماغوں کو لبھانے کا مکمل علم مکمل حق اور مکمل اختیارات کا حامل ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی آواز محض فضا میں تحلیل نہیں ہوتی بلکہ ایک ایک لفظ اپنے سینے میں پوشیدہ اسرار و رموز کے تمام دفینے خود بخود اگل دیتا ہے۔

ایک خطیب بیک وقت خطیب بھی ہوتا ہے دانشور ادیب اور حکیم بھی۔ مصلح اور رہنما بھی معاشرتی اقدار کا مرتب بھی اور اپنے سامعین کے کارواں کا سالار بھی ہوتا

ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم مختصر ترین مضمون میں خطابت کے پشتیبانوں اور آئینہ برداروں کی تفصیلی فہرست شائع نہیں کر سکتے۔ ورنہ اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے ابھی بہت سے صفحات کی ضرورت پڑتی جب ہماری ساعت میں پہلے پہر کی دھوپ کھلی اس وقت برصغیر میں خطابت کا آفتاب نصف النہار پر تھا نطق و لب کے تمام ذائقے اور تمام رنگ منبر پر یکجا ہو گئے تھے ہندوستان میں سرکار ناصر الملت اور علامہ سبط حسن صاحب کے سینچے ہوئے پودے اب چھتنار بن چکے تھے ہندوستان اور پاکستان میں ایک سے بڑھ کر ایک خطیب اپنی زبان کے جوہر دکھا رہا تھا خالی زبان ہی نہیں علم بھی تھا فلسفہ و منطق بھی۔ استدلال بھی۔ مطالعہ۔ مجاہدہ اور مناظرہ بھی۔ ایک دوسرے کی عزت بھی۔ احترام بھی۔ تکریم و تعظیم بھی۔ معاصرانہ چشمک بھی۔ محتسنہ تنقید بھی معیاری تحقیق۔ مختصر نظر غرض منبر کی تاریخ سولہ سنگار کئے آئینہ ایام کی حیرتیں بڑھا رہی تھی ہندوستان میں خاندان اجتہاد۔ خانوادہ غفراں مآب اور لکھنؤ۔ دلی۔ جوجپور۔ اودھ۔ سہارنپور وغیرہ سے خوشبوئے فصاحت و بلاغت دور دور تک پھیل رہی تھی کچھ ارباب ہنر ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے کراچی میں علامہ رشا حسین رشید ترابی اور خطیب اعظم علامہ سید محمد دہلوی سکہ رائج الوقت کی حیثیت رکھتے تھے پشاور میں مولانا نجم الحسن کراروی تصنیف و تقریر کی زلفیں سنوار رہے تھے ملتان میں آفتاب پاکستان حافظ ذوالفقار علی شاہ کی علمی تجلیاں خیمہ زن۔ راولپنڈی میں ثقہ الاسلام علامہ محمد بشیر انصاری (ٹیکسلا) کے استدلال کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ فیصل آباد میں مبلغ اعظم مولانا محمد اسماعیل صاحب دیوبندی مذہب آل محمد کی وکالت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ لاہور کی تو خیر بات ہی کچھ اور تھی خطیب آل محمد اظہر حسن زیدی کی چہکتی مہکتی میٹھی مستانی گفتگو پل کے پل میں من موہ لیتی۔ رئیس الحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین صاحب فلسفہ و منطق کے گیسو سلجھا رہے تھے۔ علامہ



مفتی حسین صاحب۔ مسند اجتہاد پر فائز عربی ادب پر مکمل دسترس رکھنے کی وجہ سے نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ جیسی قیمتی تصانیف کا ترجمہ اور تاریخ کے بحر زخار کے شناور بنے ہوئے تھے۔ علامہ مرزا یوسف حسین لکھنؤ کی تہذیب اور ثقافت کے آئینے میں فضائل اور مصائب کے خدوخال نکھارنے میں محو۔ مولانا آغا ضمیر الحسن نجفی خطبات امیر المومنین حفظ کر کے ڈھنگ انداز سے محافل کو مسحور کرنے کے فن کی پرورش میں مگن کہیں ابن حسن جارچوی زمزمہ خواں تو کہیں ابن حسن نونہروی کی بازگشت سحر طراز۔ مختصر یہ کہ صاحبان علم و حکمت کی ایک کہکشاں تھی جو زمین پر اتر آئی تھی۔ ہر خطیب گوہر یک دانہ۔ ہر مبلغ اپنی ذات میں ایک زمانہ۔ ہر عالم فکر کا رمز آشنا۔ شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ کو بکو حسینیت کے شارحین کا انبوہ کثیر تار نگہ میں موتی پرو رہا تھا۔ پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس کارواں کو نظر لگ گئی علامہ سید محمد دہلوی بچھڑ گئے رشید ترابی شام غریباں کا رزق ہوئے حافظ کفایت حسین کو فالج نے نگل لیا۔ مولانا محمد اسماعیل حادثے کی نذر ہوئے۔ ثقہ الاسلام کو فنا کی آندھی نے بجھایا۔ خطیب آل محمد جنت کو سدھارے مفتی جعفر حسین کی موت نے ہمیں لرزایا۔ ایک ایک کر کے تمام فرزوا بچھڑتے گئے منبر سونا ہوتا گیا۔ محفلوں پر سکوت طاری ہوا لے دے کے ایک علامہ نصیر الاجتہادی رہ گئے تھے جو ان بزرگوں کی یاد دلاتے تھے۔ وہ بھی اجل کی زد میں آئے لیکن ہد ہد کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ خاکستر ہوتا ہے تو اس کی جگہ ایک نیا اور تازہ دم ققنس لے لیتا ہے ہمارے ساتھ یہی ہوا۔ کہ کراچی جب علامہ رشید ترابی کی موت سے ویران ہوا۔ تو ان کے فرزند جمیل سرکار علامہ عقیل ترابی آ گئے۔ جانے والی نسل کے بعد کی نسل میں کراچی سے علامہ عقیل ترابی علامہ طالب جوہری۔ علامہ عباس کمیلی۔ پروفیسر علی رضا شاہ صاحب پنجاب سے مولانا نسیم عباس رضوی اور دوسرے بہت سے نامور خطیب آگے آئے بعض نے منبر کی رفعت میں

اضافہ کیا۔ اور بعض منبر کی وجہ سے سرنگوں دکھائی دینے لگے۔ لیکن علامہ رشید ترابی کی وفات کے بعد ۱۹۷۳ سے ۱۹۷۵ کے دوران کراچی کے ایک محلہ ابی سینیا کے ایک درمیانے سے مکان میں رہنے والا ایک دبلا پتلا مگر دلکش خدوخال رکھنے والا ایک نوجوان اپنی گلیوں سے نکلا اور منبر کی بلندی کو اپنا آبائی حق سمجھتے ہوئے اس پر آ بیٹھا۔ ابھی منبر اس کے علمی قدوقامت سے بڑا تھا۔ مگر اس دبلے پتلے دلکش نوجوان کی آواز میں علمی وجاہت چہرے پر خاندانی نسب کی صباحت آنکھوں میں مستقبل کی تمیں چھپنے والی چمک کچھ اور کہہ رہی تھی وہ نوجوان منبر پر جم کر بیٹھا۔ مگر تقریر کرتے ہوئے اس کے جسم کی سیمابیت اس کے قلبی اضطراب کا سراغ دے رہی تھی ایسا لگتا تھا جیسے وہ سامعین سے کہہ رہا ہو "کیا ہوا؟ منبر کے خلاء سے اتنے پریشان کیوں ہو؟ آو ہمارے ساتھ آو۔ ہم تمہیں وہاں تک لے جائیں گے جہاں خطابت کے جزیروں کی ہریالی ذہنوں کو تازگی اور عقائد کو شادابی عطا کرتی ہے ہم خطابت کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں یہ دیکھو ہمارے دائیں ہاتھ میں ہمارے محفوظ ترین اور روشن ترین مستقبل کا اشاریہ ہے اور ہم اپنے علمی مقام کی اساس رکھنے کو خود ہی ادھر چلے آئے ہیں"۔ یہ اکہرے بدن۔ روشن آنکھوں۔ سیمابی طبیعت اور عقابی مزاج رکھنے والا نوجوان آج کا آفتاب سہ پہر خطابت مصور جذبات و محسوسات ملت جعفریہ۔ امین روح انقلاب۔ نقیب عظمت ابوطالب علامہ عرفان حیدر عابدی تھا۔

علامہ عرفان حیدر عابدی کون؟ یہ تھا وہ عنوان جس پر لکھنے کی لئے ہمیں مظفر مزاج جناب جعفر علی میر نے حکم دیا۔ ہم اگر چاہتے تو اپنا مضمون سیدھے سادے طریقے سے یہاں سے شروع کر سکتے تھے جہاں اب شروع کر رہے ہیں۔ مگر کہاں صاحب؟ اگر ایسا کرتے تو بھائی صاحب (علامہ عرفان حیدر عابدی) ناراض ہو جاتے کہ یہ کیا تک ہے۔ انسانوں کی طرح مضمون لکھو۔ ورنہ صاف جواب دے دو۔ علامہ صاحب کی



ایک عادت ہے کہ جب بھی ہم سے کوئی کام لینا ہو کوئی نظم کوئی نعت کوئی منقبت کوئی سلام یا قصیدہ لکھوانا ہو ہمیں چیلنج کرنے کے موڈ میں آ کساتے ہیں۔ اور جب بھی کسی مشاعرے کو درہم برہم کرنے کا خیال ان کے جی میں آئے یا کسی مجلس میں زوردار رنگ سے مجلس کا اختتام چاہتے ہوں تو بس ہمیں چھیڑ دیں گے اور اتنی سنجیدگی سے کہ ہم اندر سے ابلے ہوئے دودھ کی طرح اپنے حدود کا تعین کئے بغیر چڑھ جائیں گے اور اس موضوع پر زندگی کا آخری معرکہ سمجھ کر اسے سر کرنے کی قسم کھا لیں گے اور جب تک محفل لوٹ نہیں لیں گے علامہ صاحب ہمیں چھیڑتے رہیں گے پھر جب نتائج ان کے مزاج اور توقع کے مطابق برآمد ہوں گے تو پھر ان کے چہرے پر وہ حقیقی اور فاتحانہ مسرت کی لہر دوڑتی نظر آئے گی جو خون کے رشتوں سے کہیں زیادہ قیمتی اور فتح مند لشکروں سے کہیں زیادہ روشن ہوتی ہے۔ یہی خیال یہ مضمون لکھتے وقت بھی ہمارے ذہن پر کمان کی طرح ٹوٹ پڑا۔ اور ہم نے فیصلہ کیا کہ علامہ عرفان حیدر عابدی پر مضمون لکھنا کسی اور سے زیادہ ہمارے فرائض میں سرفہرست ہے۔ اس لئے ہم نے ابتدائیہ تفصیل سے عرض کیا۔ تاکہ علامہ عرفان حیدر عابدی کو سمجھتے ہوئے آپ کو مزید تحقیق نہ کرنا پڑے علامہ صاحب کی شخصیت اور ان کی صلاحیتوں پر مضمون لکھتے وقت ہمیں عجیب مراحل سے گذرنا پڑا۔ پہلا خیال یہ تھا کہ ہم خاکہ لکھیں گے اور انہیں اپنا قریبی اور بے تکلف دوست سمجھتے ہوئے انتہائی بے تکلف گفتگو کریں گے مگر ہم چاہتے ہوئے بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایک مرتبہ کراچی میں ان کے اعزاز میں ایک شام میں ہمیں ایسا انٹ شنٹ مضمون لکھنے پر ان کے پرستاروں اور اپنے ہی خواہوں سے ڈانٹ پڑ چکی ہے کہ بے تکلفی نجی محفل میں تو چل جاتی ہے مگر تحریر کی جڑیں بوہڑ کے درخت کی طرح دور تک پھیلتی ہیں۔ اور پھر ادبی خاکہ ضروری نہیں کہ کسی شخصیت کا ابھرے دکھائی دے خاکہ ایک خوبصورت

اور وجیہہ یا دلکش تصویر کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے سچ بولنے اور سچ لکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کے منصب اور مرتبے کا لحاظ کئے بغیر مہذب قسم کی زبان درازی اپنے قلم کی نوک پر چڑھا دی جائے اور پھر سننے یا پڑھنے والوں سے داد و تحسین کی توقع بھی کی جائے لہٰذا خاکہ اڑانا ترک اور بیک قلم ترک۔

پھر خیال آیا کہ علامہ عرفان حیدر عابدی چونکہ ہمیں اپنے سگے بھائیوں سے زیادہ عزیز ہیں اور خلوتیان راز سے زیادہ ہمارے قریب ہیں اس لئے ان کے بارے میں مبالغہ آمیز اور غلو سے بھرپور مضمون لکھا جائے او انہیں گزشتہ اور آئندہ صدیوں کا سب سے بڑا دانشور۔ نقیب۔ عالم۔ مفتی۔ علامہ۔ شاعر۔ حکیم۔ فلسفی اور برگزیدہ انسان ثابت کر کے حق دوستی ادا کر دیا جائے۔ مگر قلم کے تقاضوں اور ادب کی عدالت نے بے جا مبالغہ کی اجازت نہیں دی اور اندر سے ایک دھیمی سے آواز آئی کہ "جو کچھ لکھنا ہے سچ سچ لکھ دو۔ اگر شخصیت ہو ہی اجلی تو مبالغہ کی نوبت نہیں آئے گی"۔

سو ہم بسم اللہ کر رہے ہیں اور ساتھ ہی قارئین کرام کو یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم علامہ عرفان حیدر صاحب عابدی کی شخصیت۔ فن۔ گفتگو۔ انداز خطابت اور سیرت و کردار پر مکمل ذمہ داری سے ایک ایک لفظ کی سچائی کے تمام زاویے گن کر بات کریں گے اور مبالغہ یا غلو کی بجائے جو کہیں گے جو لکھیں گے وہ سب سچ ہو گا۔۔۔۔!

علامہ عرفان حیدر عابدی سے ہماری پہلی ملاقات "الحسین" مظفر آباد (ملتان) کی ایک مجلس میں ہوئی وہ غالباً پہلی بار ملتان آئے تھے ولادت مرتضوی کے سلسلے میں جلسہ اور مجالس تھیں ہمیں ایک دوسرے کے بعد مجلس سے خطاب کرنا تھا۔ غالباً اٹھارہ سال پہلے کی بات ہے منبر پر نقیب مجلس نے تعارف کرایا کہ اب علامہ عرفان حیدر عابدی جو کراچی سے تشریف لائے ہیں فضائل و مصائب محمد و آل محمد بیان فرمائیں گے" ہم نے



پہلی بار یہ نام سنا تھا چونک کر اشتیاق سے دیکھا ہمارے سامنے کرسی پر ایک نوجوان تشریف فرما تھا سر پر دگنی اسٹائل کی سیاہ ٹوپی جو تصویروں میں ہم نے نواب بہادر یار جنگ کے سر پر دیکھی تھی اور منبر پر علامہ رشید ترابی کو جچتی تھی۔ چوڑی پیشانی جس پر مقدر کی صبح صادق طلوع ہو رہی تھی سیدھے ابرو جن کا خم ہلال عید کی طرح کم کم نمایاں۔ مناسب آنکھیں جن کے اٹھنے سے نہ تو بجلیاں پناہ مانگیں اور نہ جھکنے سے کسی کا خانہ خراب ہو ستواں اور سیدھی ناک خلوص کی رہگذار پر منزل کی طرف جاتی ہوئی لکیر کی طرح۔ قوس دار اور نوکیلے ہونٹ جن پر پان کی سرخی نے شفق کا رنگ چھڑک دیا تھا۔ گول چہرہ جسکے گرد جھجکتی ہوئی شیروانی کے نیچے چینٹ کٹ پاجامہ۔ یہ تھے حضرت علامہ عرفان حیدر عابدی۔ ہم اٹھارہ سال پہلے کی بات کر رہے ہیں۔ اس نوجوان علامہ نے جب تقریر آغاز کی تو مجمع کو لوٹتا چلا گیا۔ وہ بے پناہ جوشیلی تقریر کر رہا تھا موضوع حضرت ابو طالب تھا۔ سامعین موضوع کی ندرت انداز بیان کی جدت اور ادا کی تنوع میں کھو گئے تھے ایک گھنٹہ تک مجمع زلزلے کی زد میں رہا۔ مجلس سے فارغ ہوئے ہمیں اپنے شہر ڈیرہ غازی خان جانا تھا ہم نے علامہ صاحب کو اپنے ہاں چلنے کی دعوت دے ڈالی علامہ صاحب نے قبول کر لی ہم شام گئے ڈی جی خان روانہ ہوئے راستے میں ایک دوسرے سے مزید تعارف ہوا۔ تو ہم پہ کھلا کہ علامہ صاحب کو انیس۔ جوش۔ استاد قمر جلالوی۔ نسیم امروہوی اور بہت سے شعراء کا کلام نہ صرف یہ کہ یاد ہے بلکہ انہیں شعر پڑھنے کا بھی سلیقہ ایسا آتا ہے کہ سننے والے دنگ رہ جائیں۔ ملتان سے ڈی جی خان کا سفر علامہ صاحب کی معیت میں ایسا خوبصورت سفر تھا کہ آج تک اس سفر کا سارا مزاج حافظے میں محفوظ ہے۔ بس وہ دن اور آج کا دن علامہ عرفان حیدر عابدی اور ہم ایک دوسرے کے ہو کر رہ گئے سفر۔ حضر۔ دکھ۔ سکھ۔ شام۔ سویرے۔ مشکل۔ آسانی۔ راحت۔ اور مصیبت ایک ساتھ جھیل رہے ہیں

دونوں کا حلقہ احباب مشترک۔ جلوس اعداء ایک۔ منزل ایک۔ سفر ایک۔ دونوں ایک ہی طرح سے سوچتے ہیں۔ ایک جیسا لباس پہنتے ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کا لباس بھی اکثر پہن لیتے ہیں۔ ہم کراچی جائیں تو علامہ کے ہاں گلشن اقبال میں قیام کرتے ہیں۔ وہ لاہور آئیں تو ہمارے ہاں علامہ اقبال ٹاؤن میں رہتے ہیں۔ اور ہم لاہور سے باہر ہوں تو پھر اپنے مشترکہ سرپرست جعفر علی میر کا گھر۔ بس تیسرا ٹھکانہ کوئی نہیں۔

یہ اٹھارہ سال پہلے کی بات ہے۔ ہماری دوستی سونا تھی مگر اس پر سہاگے کا کام اس احتجاجی تحریک نے کیا جو صدر ضیاء الحق کے دور میں زکواۃ کے سلسلے میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے زیر اہتمام قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی حسین مرحوم نے چلائی تھی۔ کہنے کو تو یہ تحریک دو دن کی تحریک تھی۔ مگر نظم و ضبط اتحاد و اتفاق اور جذبہ ملی کا جو روح پرور نظارہ ان دو دنوں میں دیکھا پھر آج تک نصیب نہیں ہوا۔ شیعان حیدر کرار نے ضیاء الحق کے حکم پر بینکوں میں جمع شدہ سرمائے میں زکواۃ کی کٹوتی کے خلاف احتجاج کیا۔ اور مفتی صاحب مرحوم نے اس احتجاج کی قیادت کی اسلام آباد میں احتجاجی جلسہ ہوا۔ ادھر علمائے کرام دوسرے دن صبح کو جلوس لے کر وزارت مذہبی امور کے مرکزی سیکریٹریٹ گئے۔ شام تک علماء کا قافلہ واپس آیا۔ اور پھر یہ جلوس ہمارے اور علامہ عرفان حیدر عابدی کے کہنے پر سیکریٹریٹ روانہ ہوا۔ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ نے قیادت کی۔ ہم دونوں باقی جلوس کو لے کر چلے۔ راستے میں آنسو گیس کی شیلنگ سے سینے میں دھواں بھر گیا۔ ان دو راتوں میں جو ہم نے سیکریٹریٹ (اسلام آباد) پر قبضہ کر کے سامنے کی سڑک پر گذار دیں۔ قوم کے جذبہ میں قومی کارکن بن کر ملی جذبہ اور قومی حمیت کا مظاہرہ کیا ہم دونوں بھائی دو راتیں اور دو دن مسلسل جاگتے رہے۔ قوم کو متفق اور متحد رکھنے کے لئے بار بار تقریر۔ نعرہ بازی۔ زندہ باد۔ مردہ باد۔ جاگنا جگانا۔ علما کی قیادت سے ہدایات لینا قوم کو ان ہدایات کے



مطابق سرگرم رکھنا ادھر جذبہ کی نبض ذرا سی دھیمی پڑی ادھر علامہ صاحب اور ہم میدان میں کود پڑے۔ پھر قوم کو تازہ دم کر کے دم لیا۔ اسلام آباد میں تحریک کے دوران کام کرنے سے علامہ صاحب کو سوچنے سمجھنے جانچنے اور پرکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ تب ہم پر کھلا کہ علامہ صاحب نرے علامہ نہیں ہیں۔ کہ استخارہ کے بغیر ڈاک تک وصول کرنے سے احتراز کریں بلکہ ان کا مزاج انقلابی طبیعت سیمابی۔ کیفیت اضطرابی اور انداز بوترابی ہے۔ اسلام آباد سے واپسی پر کراچی میں انکا شایان شان استقبال ہوا اور کچھ دنوں بعد جب ہم کراچی گئے علامہ عرفان عابدی پوری قوم کے ہیرو بن چکے تھے نوجوان ان کی قیادت میں رواں دواں بزرگ اپنی دعاؤں سمیت ان پر سایہ کناں ہم سن ان کے ساتھ ساتھ کامیاب و کامراں اور کم سن ان کی سیرت و کردار کے قصیدہ خواں تھے۔

جب سے اب تک علامہ عرفان حیدر عابدی روشن ترین مستقبل کا جادہ سر کرتے جا رہے ہیں انہیں قومی مسائل میں کئی مرتبہ مسائل و مصائب اور امتحان و ابتلاء کے شدید ترین مراحل اور جان لیوا بحران سے گذرنا پڑا مگر وہ ہر بار آزمائش کی آنچ میں تپ کر کندن بن کے نکلے ان کے احباب کی بات نہیں خود ان کے حریف اور حاسد ان کی ذہنی صلاحیتوں فکری کامرانیوں اور طبیعت کی جولانیوں کے معترف ہیں۔ وہ آج جس مقام پر ہیں۔ یہ مقام اللہ تعالے کی مہربانی محمد و آل محمد کے کرم سے انہوں نے بے پناہ محنت بے انت مشقت اور بے پایاں ذہانت سے خود بنایا ہے وہ بیساکھیوں کے سہارے قدم بڑھانے کے عادی نہیں بلکہ مستقل عزم فولادی ارادے اور خود اعتمادی کے ساتھ زینہ زینہ زندگی کو سر کرنے کے عادی ہیں کسی سے حسد کرنا انہیں نہیں آتا کسی سے دشمنی کا وہ سوچ نہیں سکتے بلکہ دشمنوں سے بھی پیار کرتے ہیں۔ وہ چھینٹے اڑانے کے قائل نہیں بلکہ ان کا مزاج ہوائے برشگال جیسا ہے جس کے شانوں پر

بادلوں کی ٹکڑیاں نہیں گھٹاؤں کی قطاریں ہوتی ہیں۔ وہ گلستان میں موجِ صبا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے محبت کرنے والوں کی تعداد ان سے حسد کرنے اور بغض رکھنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ ان کی عمر کے مقابلے میں ان کی کامرانیوں کا حساب کیا جائے تو وہ فاتح کا دل عالم کا دماغ حکیم کی سوچ شاعر کا سینہ ادیب کی زبان اور دانشور کا جہان رکھتے ہیں ان میں سے کچھ وہبی ہیں کچھ کسبی۔ کچھ خود ساختہ کچھ بے ساختہ کچھ خدا ساختہ یعنی کچھ انہیں وراثت میں ملا ہے۔ باقی انہوں نے زبردست محنت اور بے پناہ ریاضت سے حاصل کیا اور کچھ ان کے چٹان صفت علمی حوصلوں کی زد میں آنا باقی ہے جو باب علم سے ہر صاحب عرفان کو عطا ہوتا ہے۔

علامہ عرفان حیدر عابدی کا تعلق یو۔پی (انڈیا) میرٹھ ڈویژن کے ضلع سہارنپور سے ہے۔ میرٹھ ڈویژن ہندوستان کے سب سے بڑے دو دریاؤں گنگا اور جمنا کی دوآب میں واقع ہے چنانچہ زرخیزی اور موسم خیزی کے لحاظ سے یہ خطہ برصغیر میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ آب و ہوا زرعی پیداوار باغات اور پھلوں کی بہتات ہی نہیں بلکہ اہل علم جانتے ہیں کہ سیاسی مذہبی علمی اور ثقافتی انقلابات کا سہرا بھی اسی ڈویژن کا طرہ امتیاز رہا اور ہے۔ ضلع سہارنپور کے تین قصبوں گنگوہ نانوتہ اور تھانہ بھون سے علامہ کا تعلق یوں بنتا ہے گنگوہ علامہ کی ددھیال نانوتہ علامہ اور ان کے پدر بزرگوار کی ننھیال تھانہ بھون علامہ کے دادا کی ننھیال۔ یوں تو شہر سہارنپور خود علمی و ادبی مرکز ہے مگر ان تین قصبات کی خصوصیات بہت امتیازی شان کی حامل ہیں تھانہ بھون سے مولانا اشرف علی تھانوی کی علمی کاوشیں اور اسکا پھیلاؤ مذہبی دنیا میں ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ نانوتہ سے مولانا قاسم نانوتوی کا قائم کردہ مدرسہ دیوبند آج بھی ایشیا میں اہلسنت کی سب سے بڑی درسگاہ ہے۔ جہاں تک گنگوہ کا تعلق ہے اُسے قطب عالم حضرت عبدالقدوس علیہ الرحمہ اور دیگر کثیر تعداد میں صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی درسگاہ



اور آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی بھی گنگوہ میں رہ کر شمع علم روشن کرتے رہے اور وہیں مدفون ہیں۔ اس قصبہ میں مختلف الفکر علماء مشائخ اور ان کے مریدوں میں کبھی مذہبی تنازعہ نہیں رہا۔ مجالس محرم میں اکثر سوز خوانی تحت اللفظ اور نوحے سنی حضرات پڑھتے رہے اور پڑھتے ہیں صوفی گھرانوں کے سربراہ اور سنی عمائدین کثرت سے شریک عزائے حسین ہوتے ہیں۔ علامہ کے جد اعلیٰ سید سیف اللہ مرحوم نانوتیہ کے دادا امیراں جی کے پوتے گنگوہ آکر آباد ہوئے ان کی شادی قطب الاقطاب عبدالقدوس علیہ الرحمہ کی پوتی سے ہوئی تھی اور یوں یہ خاندان گنگوہ آباد ہو کر "سادات کلاں" کے نام سے مشہور ہوا۔ سرکاری کاغذات میں یہ محلّہ "سادات کلاں" کہلاتا ہے اس خاندان کی مردانہ نشست گاہ سے ملحقہ امام باڑہ اور خوبصورت مسجد ہے اور یہ بنگلہ سادات کلاں کہلاتا ہے۔ علامہ کے بزرگوں میں سید ذوالفقار علی مرحوم حیدر آباد دکن میں پانچ ہزاری فوج کے کمانڈر و منصبدار تھے ان کی اولاد میں بستی کے معاملات اور مقدمات کا فیصلہ کرنیکی ذمہ داری تقسیم سے پہلے تک باقی رہی۔ علامہ کے پردادا سید نذر حسین مرحوم مشرقی علوم کے علاوہ گریجویٹ کی سند حاصل کر کے وکٹوریہ کالج لکھنؤ میں لیکچرار رہے۔ علامہ کے والد کے چچا مولانا سید زوار حسین صاحب صدر الافاضل گورنمنٹ انٹر کالج میں فارسی اور عربی کے استاد رہے اور تمام عمر تشہیر علوم اہلسنت میں گذار دی۔ تقریباً تین سو مقالوں اور پانچ کتابوں کی مصنف تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد قصبہ نانوتہ میں بہت بڑی عمارت "قصر زہرا" کے نام سے تعمیر کی جو آج بھی درسگاہ علوم آل محمد ہے۔ مولانا نے گنگوہ میں اپنے مکان کی درودیوار اور پشت پر خط جلی سے آیات قرآنی اور احادیث نبوی لکھ کر فضائل محمد و آل محمد کی تبلیغ و اشاعت میں بے پناہ خدمات انجام دیں۔ علامہ کے دادا سید مقبول حسین مرحوم نے عزاداری امام میں اضافہ کیا وہ خود بھی سوز خوان اور

زبردست ماتی تھے۔ شب دہم محرم کو مسجد و امام باڑے میں زبردست چراغاں ہوتا۔ نقوش شدہ قندیلیں نصب کی جاتیں اور علامہ کے دادا سقائی اور علمبرداری فرماتے۔ جھلیں لگائی جاتیں غرضیکہ فروغ عزاء کیلئے یہی خانوادہ قصبہ میں پیش پیش رہا۔ علامہ کا شجرہ نسب مشہور کتاب "انوار السادات" میں مولوی سید ظفریاب حسین مرحوم نے گنگوہ کی سادات کا علیحدہ باب قائم کر کے لکھا ہے۔

علامہ کے نانا سید مظاہر حسین صاحب نانوتہ کے شرفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ نہایت سخی اور انسان دوست تھے۔ انکے حسن اخلاق مہمان نوازی خدا ترسی اور مذہبی شفقت کیوجہ سے تمام قصبہ عزت کرتا تھا۔ حکومت میں بھی بہت ذی اثر اور بارسوخ رکھتے تھے۔ غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرنے میں کافی دلچسپی لیتے تھے۔ مظاہر حسین صاحب کے والد ڈاکٹر سید مہربان علی مرحوم قصبہ نانوتہ میں مطب فرماتے تھے۔ تقریباً سو سال کی عمر میں انتقال ہوا لیکن اپنی طبابت اور مسیحائی کی خدمات مرتے دم تک جاری رکھیں۔ غریبوں کو مفت علاج کی سہولت تھی۔ ان کے فرزند ڈاکٹر محمد حسنین صاحب نانوتہ میں یہ مشن جاری رکھے ہوئے ہیں۔

لطف کی بات یہ کہ سید مظاہر حسین کی حویلی نانوتہ میں بانی مدرسہ دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کے گھر کے برابر تھی مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دیوبند تھے ان کے عقائد و نظریات میں بے آب و گیاہ پہاڑوں کی سنگینی تھی۔ اور سید مظاہر حسین بے لوث شیعہ اور حسی نسبی سید ان کے عقائد بھی اصول فطرت کی طرح اٹل۔ دونوں میں خوب ٹھنی رہتی۔ نوک جھونک آنکھ مچولی مگر نہایت ادب و احترام کے ساتھ جاری رہتی۔ اس نوک جھونک کا اندازہ اس ایک بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دن مولانا محمد قاسم نانوتوی اپنے گھر سے نکلے تو سامنے اپنی حویلی کے بڑے دروازے سے متصل سید مظاہر حسین چارپائی پر بیٹھے قلندرانہ شان سے "حکمل" مار رہے تھے مولانا



محمد قاسم نانوتوی نے چٹکی لی کہ
"میر صاحب کیوں اپنی قوم کا خون کر رہے ہیں؟" (ہندوستان میں سید کے لئے میر کا لفظ مخصوص تھا)

اس پر سید مظاہر حسین نے نہایت برجستگی اور کمال بے نیازی سے مسکرا کر کہا۔
"کم بخت دیوبندی ہو گیا ہے۔ اس لئے مار رہا ہوں"

سید مظاہر حسین علامہ عرفان حیدر عابدی کے نانا تھے۔ اور سید مقبول حسین زیدی علامہ صاحب کے دادا تھے اس طرح سے علامہ عرفان حیدر عابدی نسبی اعتبار سے نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کے والد گرامی سید امیر عباس (مرحوم) نہایت شریف الطبع صاحب کردار پیکر مہر و محبت ذہین اور سنجیدہ انسان تھے خانوادہ تطہیر کی محبت و مودت ان کی رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ گردش کرتی تھی۔ تاجدار کربلا کے ماتی اور عزادار پابند صوم و صلواۃ اور اپنی قوم قبیلہ کے سردار تھے اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اور ستمبر ۱۹۴۷ء یعنی اگلے ماہ وہ سہارنپور سے ہجرت کر کے پاکستان میں آ گئے اور خیرپور میرس (سندھ) کے محلہ لقمان میں مستقل آباد ہو گئے خیرپور کے محلہ لقمان میں سید امیر عباس کا باقی خاندان یعنی زیدی سادات اب تک قیام پذیر ہیں سید امیر عباس کے لقمان میں آتے ہی یہ بستی علم و ادب اور شعر و سخن کی محفلوں کا مرکز بن گئی طرحی مشاعرے مسالمے بیت بازی محافل شعر و سخن مجالس عزا جلوس عزاداری مباحثے مذاکرے مناظرے اور مکالمے غرض لقمان میں حکمت کا خزانہ کھل گیا محفلوں کا رنگ اور جذبوں کی ترنگ سب کچھ سمٹ کر خیرپور میں اور خیرپور سے کشید ہو کر لقمان میں رواں ہوا ہجرت بذات خود ایک ایسا سانحہ ہے کہ آدمی کا دل بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔ کہاں سہارنپور اور نانوتہ کی محفلیں جائیداد جاگیر نوکر چاکر دوست احباب بچپن جوانی یادیں تہذیب ثقافت زبان ادب اور کہاں سندھ کی ایک

چھوٹی سی بستی جسکی زبان ثقافت ادب تہذیب تمدن لباس رسمیں رواج روایات کچھ بھی تو چھوڑے ہوئے وطن سے نہیں ملتا تھا پھر سے اپنا ماحول بنانا۔ اور وہ بھی ایک محدود فضا میں جی کڑا کرنے والی بات تھی۔ پاکستان آنے کی وجہ صرف اور صرف مذہب کی سلامتی دینی تحفظ اور اسلامی اقدار کی پاسبانی کا خواب تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ادھر چلے آئے دراصل ہجرت ہمیشہ سیدوں ہی کو راس آئی ہے کہ ویرانوں میں خیمے نصب کر کے خوش رہتے ہیں۔ امیر عباس نے بھی لقمان میں آتے ہی اپنی ذہانت محبت خلوص حلم اور علم کی وجہ سے مختصر عرصے میں خیرپور میں اپنا نام اور مقام بنا لیا۔ ان کا نام سن کر کراچی سے صاحبان علم ارباب سخن خطیب شاعر ادیب دانشور لقمان آنے لگے اور سب کا قیام اس دریا دل سردار کے ہاں ہوتا۔ نسیم امروہوی استاد قمر جلالوی۔ علامہ رشید ترابی اور دیگر یادگار زمانہ لوگ ادھر آ کر ذہنی اور روحانی تسکین حاصل کرتے سید امیر عباس چونکہ اپنی ذات میں ایک انجمن ایک ادارہ ایک محفل ایک بستی اور ایک شہر تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے اپنی ذات میں یوپی بسا لی ہے اپنے دل میں سہارنپور آباد کر لیا ہے اور اپنے ذہن میں نانوتہ تعمیر کر لیا ہے خیرپور میں رہ کر انہوں نے اپنے ساتھ آنے والی برادری اور قبیلے کے کسی فرد کو بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ ترک وطن کر کے ادھر آئے ہیں بلکہ ہر ایک کے دکھ درد کو اپنی ذات میں ضم کر کے اسے مسرتیں بخش دیں۔ یہی وجہ تھی کہ لقمان کی تمام آبادی اور خصوصاً ان کی قوم کا ہر فرد انہیں متفقہ طور پر اپنا سردار تسلیم کرتا اور ان کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ لقمان آ کر انہوں نے ایک مکان اپنے نام الاٹ کرایا۔ اور پھر محنت کر کے کچھ اور زمین بھی اپنے لئے بنا لی۔ امیر عباس زیدی ہمیشہ محنت اور مشقت کے عادی تھے اس لئے بحمد للہ زندگی بھر کسی کے محتاج نہ ہوئے اپنا ہنستا بستا گھر اپنے لوگ بس ایک ذات کی روشنی تھی کہ جس کی شعاعوں سے کبھی اذہان مستنیر ہو رہے



تھے۔

علامہ عرفان حیدر عابدی نے محلہ لقمان ہی میں پاکستان بننے کے دو سال بعد جنم لیا۔ علامہ صاحب کے علاوہ امیر عباس زیدی کی اولاد میں سب سے بڑے فرزند کا اسم گرامی سید ذیشان حیدر ہے جو علامہ عرفان حیدر سے بڑے ہیں ماشا اللہ ذیشان بھائی (ہم سب انہیں بھائی صاحب کہتے ہیں) طبیعت میں اپنے والد مرحوم کے جانشین اور مزاج میں انہی کے عکس جمیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کھلا چہرہ اجلی پیشانی نفیس مزاج کاغذی اکاؤ نہ گرمی سہ سکے نہ زیادہ سردی قناعت پسند حلیم الطبع سلیم العقل شعر و سخن کے دلدادہ متشرع فطرت خلوص کے پیکر حساس ترین دل رکھتے ہیں دوستوں کو شدت سے چاہتے ہیں اور ان کی تسکین طبع کے لئے ہمہ وقت کوشاں علامہ صاحب دورے پر ہوں تو گھر میں ذیشان بھائی سب کام سنبھالتے ہیں مسافداری ڈائری ٹیلیفون مجالس کی تاریخیں دینا یہ سب انہی کے ذمہ ہے خود بنک میں ملازمت کرتے ہیں اس لئے داد و دہش کے کھرے آدمی ہیں۔ ہمیں بڑے بھائیوں کی طرح پیار کرتے ہیں اور ہمیشہ چھوٹا بھائی سمجھ کر علامہ صاحب سے بھی کہیں زیادہ محبتیں عطا کرتے ہیں۔ صاحب بیاض بھی ہیں اور کراچی میں مشہور و معروف ماتمی انجمن مومنین حیدری کے سرپرست بھی ہیں سال میں ایک شب بیداری کرتے ہیں لیکن اپنی مثال آپ پورے کراچی میں ایسی شب بیداری دیکھنے میں نہیں آئی بھائی ذیشان حیدر عابدی کے علاوہ علامہ صاحب کے دو اور چھوٹے بھائی ہیں ماشا اللہ برادر عزیز مولانا فرقان حیدر عابدی اور عزیزی ریحان حیدر عابدی ان میں فرقان حیدر عابدی سلمہ خیر سے مجالس بھی پڑھتے ہیں اور خوب پڑھتے ہیں۔ رہتے کراچی میں ہیں مگر علامہ عرفان سے الگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ فرقان حیدر عابدی ہمیں بہت عزیز ہیں اور ان کے تیور بتاتے ہیں کہ آگے چل کر منبر کی آبرو بڑھائیں گے رہے عزیزی ریحان حیدر عابدی تو وہ ابھی

تعلیمی مراحل طے کر رہے ہیں۔ ہم سب ان سے پیار کرتے ہیں۔ ابھی ان کے جوہر
کھل کر سامنے نہیں آئے۔ دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک اس کے
علاوہ علامہ صاحب کی ماشا اللہ تین بیٹیاں ہیں جو اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں۔
علامہ صاحب کو سیادت ذہانت اور سرداری ورثے میں ملی ہے اور پاکستان سے محبت
اسلام سے عقیدت اور محمد و آل محمد سے مودت بھی ان کے والدین کی تربیت سے کچھ
اور نکھر گئی ہے۔ علامہ صاحب کے والد سید امیر عباس صاحب کو دوبارہ ہجرت کرنا
پڑی ایک مرتبہ پاکستان سے محبت کی قیمت کے طور پر اور دوسری بار ۱۹۶۳ء میں آل
محمد کی مودت اور اپنی قوم کی سرپرستی اور وکالت کے جرم میں انھیں خیرپور سے کراچی
آنا پڑا۔

وہ ۳ جون ۱۹۶۳ء کی تپتی ہوئی دوپہر تھی عاشور کا دن خیرپور سے تین چار میل کے
فاصلے پر ٹھیری میں شرپسندوں نے ایک ماتمی جلوس پر حملہ کر کے تقریباً دو سو ماتمی
نوجوانوں کو بے رحمی سے قتل کر دیا۔ ماتمی جلوس میں شامل دو سو نہتے عزاداروں کا
قتل قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا۔ خون کی ہولی کھیلی گئی "یا حسین" کی آواز لہو میں
ڈوب گئی۔ ٹھیری میں دوپہر کو شام غریباں کا سناٹا چھا گیا۔ سندھ کی تاریخ کا دامن
معصوم لہو کے چھینٹوں سے داغدار ہو گیا انتظامیہ خود سہمی ہوئی تھی کہ پردے کے پیچھے
آہنی ہاتھ تھا۔ ایسے میں صرف سید امیر عباس نے حسینیت کے استغاثہ نصرت
پر لبیک کہتے ہوئے نعرہ احتجاج بلند کیا۔ اور پھر عدالت کی زنجیر سے ظلم کی بنیاد تک ہلا
ڈالی۔ لاہور سے شیعہ رہنما سید مظفر علی شمسی اور جعفر علی میر خیرپور گئے۔ سید امیر
عباس نے شیعان حیدر کرار کی قیادت کی اور مقدمے پر جائیداد جاگیر اور جمع
شدہ پونجی سب کچھ نثار کر دیا۔ اور پھر جو خود کو تنہا محسوس کیا تو ہجرت کر کے کراچی
"ابی سینیا" میں آ کر ایک مکان میں رہنے لگے امیر عباس زیدی جیسی شخصیات اب



کہاں۔

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر

شاید یہ اندر کی تنہائی تھی کہ امیر عباس بہت جلد ہم سے بچھڑ گئے ان کے بعد علامہ
عرفان حیدر عابدی اپنے تایا سید قیصر عباس کی سرپرستی میں ابی سینیا سے گلشن کے ایک
بنگلے میں منتقل ہو گئے۔ سید قیصر عباس نہ صرف علامہ صاحب کے تایا ابا اور سید امیر
عباس کے بھائی بلکہ علامہ عرفان حیدر عابدی کے سسر بھی ہیں۔ جناب قیصر عباس
بھی اپنی قابلیت ذہانت نظم و ضبط علم و فضل اور بصیرت و وجاہت کے اعتبار سے یگانہ
روزگار شخصیات میں سے ہیں۔ وہ علمی لیاقت میں ممتاز الافاضل ہیں اردو اور
اسلامیات میں ایم اے ہیں فوج کی ملازمت میں انہوں نے فارسی فاضل کا امتحان دیا
تو پنجاب بھر میں اول رہے۔ اردو زبان ان کی جیب کی گھڑی اور لکھنوی تہذیب ان
کے ہاتھ کی چھڑی ہے انگریزی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اس کبرسنی میں بھی مردانہ
وجاہت سے دمکتا ہوا چہرہ کوثر میں دھلی ہوئی زبان نپے تلے فقرے شاعری میں بالغ نظر
بلکہ شہید کے شہسوار صنائع بدائع کی باریکیوں سے آگاہ۔ پابند صوم و صلوٰۃ تاریخ
منطق ہیئت خطابت اور علم بیان کے ماہر منبر کی زینت مجلس کی رونق محفل میں صدر
نشیں حلقہ یاراں میں بریشم کی طرح نرم گفتگو میں انیس کے مصرعوں کی بندش جستجو
میں جوش کی شاعری کا بہاؤ بولتے ہیں تو سماعت میں شہد گھلتا چلا جاتا ہے ہمیں تایا ابا
(سید قیصر عباس کو ہم بھی تایا ابا ہی سمجھتے اور کہتے ہیں) سے خصوصی عقیدت ہے ان
سے سیکھنے کو بہت کچھ ملتا ہے انہیں شعر سنا کر یوں لگتا ہے جیسے درہائے شہوار کسی
حقیقی جوہری کی میزان نقد و نظر میں چھنک رہے ہیں جس شعر پر وہ داد دے دیں ہمیں
اپنی جان سے عزیز ہوتا ہے جس فقرے پر تایا ابا کی زبان سے واہ چھوٹ پڑے ہمارا جی

جھوم جاتا ہے سید قیصر عباس ایک عرصہ تک مجالس بھی پڑھتے رہے مگر جب علامہ عرفان حیدر عابدی کی خطابت کا سورج دوپہر کی حدوں پر پہنچا۔ قیصر صاحب نے بھرا میلہ چھوڑا۔ اور علامہ عرفان کی سرپرستی اور مستقبل سازی عزیز نوازی اور حوصلہ افزائی میں مگن ہو گئے یہ حقیقت ہے کہ علامہ صاحب کے دامن فکر میں جتنی دولت ادراک ہے اس میں کچھ حصہ سید قیصر عباس کا بھی ہے ان کے سمجھانے اور سکھانے کا انداز بہت سلجھا ہوا اور نفیس ہوتا ہے۔ ہم جو کچھ ہیں انہی بزرگوں کے طفیل ہیں۔ خدا ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔

علامہ عرفان عابدی کی تعلیم ایم اے (پولیٹیکل سائنس) ہے عربی اور فارسی اپنے بزرگوں سے پڑھی تاریخ اسلام پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ایم اے کرنے کے بعد ایکسائز میں ملازمت کر لی اور چند برس کسٹم ہاؤس میں ملازمت کی۔ مگر طبیعت منبر کی طرف راغب تھی بلکہ خطابت کے جوہر ان کی رگ و پے میں بچپن سے ہی اپنا جادو جگا رہے تھے زبان یوں بھی گھر میں رائج تھی آنکھ کھولی تو شعر و سخن کے چرچے دیکھے۔ بچپن ہی سے خود بھی شعر کہنے لگے تھے اور پھر بڑے شاعروں میں استاد قمر جلالوی جیسے بزرگوں کی صحبت کا فیض حاصل تھا ادھر سکول سے چھٹی ہوتی اور ادھر علامہ عرفان عابدی سائیکل پر استاد قمر جلالوی کے ہاں پہنچے انہیں سائیکل پر ہی بٹھایا اور لقمان میں اپنے گھر کی بیٹھک میں لے آئے احباب کو بلایا۔ اور گھنٹوں استاد کو سنتے رہے۔ رات کو مجلس عزا میں چلے گئے محفل مسالمہ میں سلام پڑھ ڈالا۔ جب ایسی محفلیں راس آئیں تو ملازمتیں کہاں راس آتی ہیں۔ یہ بھی منبر کے ہو رہے۔ کہاں سرکار کی نوکری اور کہاں سید الشہداء کی ملازمت آیت الکرسی نے اپنا اثر دکھایا بزرگوں کی دعائیں کام آئیں۔ جنرل ضیا الحق کی حکومت کے اولین دنوں میں کراچی میں شہادت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے سلسلے میں ۲۱ رمضان کو برآمد ہونے والے ایک ماتمی جلوس کی



بے حرمتی ہوئی۔ تو علامہ عرفان چپ نہ رہ سکے مرکزی جلوس سے خطاب کیا اور ضیا الحق کی آمریت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں سرکاری ملازم تھے دوسرے دن محکمہ کی طرف سے "شوکاز نوٹس" جاری ہوا۔ مگر عرفان صاحب کی تو جیسے مراد بر آئی۔ انہوں نے نوٹس وصول کیا مگر جواب دیا نہ پھر دفتر گئے وہ دن اور آج کا دن۔ نوکری کو لات ماری اور منبر پر ظلم کے خلاف بولنا شعار بنایا۔ سامعین نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ علامہ کا خطاب جیسے ان کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی خطابت نے بام ثریا پر کمندیں پھینکنا شروع کر دیں کل جو لوگ انہیں شوکاز نوٹس جاری کرتے تھے آج آٹوگراف بک پر ان کے دستخط کے چھینٹوں کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ کل وہ دفتر میں جنہیں سلام کرتے تھے آج ان کی سلامی کے منتظر رہتے ہیں۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالے کا کرم اور خانوادہ تطہیر کا خصوصی فیض ہے۔

علامہ عرفان حیدر عابدی کو منبر پر طلوع ہوئے ابھی بہت کم عرصہ ہوا ہے جتنا عرصہ طالبان علم گردانیں حفظ کرنے میں صرف کرتے ہیں وہ تحصیل علم کی سند لے چکے تھے جتنے عرصہ میں مجنوں دیوار دبستان پر "لام الف" لکھتا ہے اتنے عرصہ میں وہ تدبر کے سبزہ زار میں سجادہ نشیں بن گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فطرت لالے کی حنا بندی کرنے پر مجبور ہے اور یوں بھی صحراؤں میں استادہ شجر باغبانوں کے محتاج نہیں ہوا کرتے علامہ عرفان حیدر عابدی اگرچہ عمر کے اس موڑ پر ہیں جہاں داد و تحسین کا شور انسان سے خود شناسی کی معرفت چھین کر اسے خود ثنائی کے غاروں میں دھکیل دیتا ہے مگر کم عمری کی شہرت کو برقرار رکھنے کا ہنر صاحبان صلاحیت کے علاوہ اور کسی میں نہیں ہوتا۔ اور خوش قسمتی یہ کہ خطابت کے تمام تقاضے علامہ عرفان حیدر میں موجود ہیں۔ منبر کے آداب سے آگاہی موضوع پر مکمل گرفت سامعین کی مزاج شناسی جذبہ و خیال سے الفاظ کا ہم آہنگ ہونا۔ آواز کی دلکشی لہجے کا اجلا پن۔ الفاظ کے زیر

وبم کے ساتھ روحانی ذہنی اور جسمانی تحرک کا ہم آہنگ ہونا اور وضع قطع میں اسلامی تمدن اور تہذیب کا پرتو۔ یہ سب کچھ علامہ عرفان حیدر عابدی کو منبر کا قد آور خطیب بنانے کے لئے کافی ہے۔ وہ خطابت کے لئے باقاعدہ طور پر کسی خطیب کے حلقہ تلمذ میں دوزانو ہو کر نہیں بیٹھے۔ نہ ہی انہوں نے کسی خطیب کی نقل کو اپنا شعار بنایا۔ بلکہ یوں ہے کہ ہر بڑے خطیب سے انہوں نے شعور و ادراک کی منزل کا سراغ حاصل کیا ہے۔ وہ ہر اچھی بات کو اپنے انداز سے کہنے کا ہنر فطری طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ وہ بخیل نہیں کہ بغض و حسد کے مرض میں مبتلا ہو جائیں بلکہ اچھی بات علمی فقرہ ادبی چٹکلہ ان کے جانی دشمن کے منہ سے بھی نکل جائے تو علامہ صاحب پھڑک اٹھتے ہیں۔ ہم نے کئی مرتبہ ان کے منہ سے اپنے سینئر خطیبوں کی صلاحیتوں کا اعتراف سنا ہے۔ البتہ ذاتی طور پر وہ علامہ رشید ترابی کو اپنا آئیڈیل سمجھتے ہیں۔ علامہ عرفان عابدی کے نزدیک علامہ رشید ترابی خطیب ہی نہ تھے بلکہ خطابت کی یونیورسٹی تھے۔ رشید ترابی اس صدی کے سب سے بڑے خطیب تھے اس لئے ان کی خطیبانہ عظمت اور علمی وجاہت کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہے رشید ترابی کی رحلت کے بعد اب تک کراچی کے بہت زیادہ خطیبوں نے رشید ترابی دکھائی دینے کی "دھن" میں اپنا آپ گنوا ڈالا۔ گفتگو۔ لباس۔ وضع قطع۔ رہن سہن۔ ملنے والوں سے سلوک سب کچھ رشید ترابی کے انداز میں اپنایا۔ مگر

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب

ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

البتہ دو ایک خطیب ایسے تھے جن کا انداز مزاج گفتگو ترابی صاحب سے قطعاً مختلف رہی ان میں ایک تو علامہ عقیل ترابی کی شخصیت ہے جو رشید ترابی کے حقیقی جانشین اور وارث ہونے کے باوجود مزاجاً طبعاً منبر پر یا منبر سے الگ رشید ترابی سے مختلف



ثابت ہوئے دوسرے علامہ نصیر اجتہادی مرحوم جو منبر پر اس وقت پہنچے جب علامہ رشید ترابی آسمان کی طرح کراچی کے صاحبان علم پر محیط ہو چکے تھے ایسے میں علامہ نصیر الاجتہادی صاحب قبلہ لاہور سے منتقل ہو کر مستقلاً کراچی میں بس گئے اور خطابت کے چراغوں کے ہجوم میں اپنے نطق و لب کا وہ چراغ روشن کیا۔ جس کی شگفتگی کے سارے رنگ منفرد بھی تھے اور متاثر کن بھی۔ علامہ طالب جوہری بھی موجہ روش سے ہٹ کر اور ہجوم سے کٹ کر چلے۔ ان میں صرف علامہ عرفان حیدر عابدی ایسے خطیب ہیں جن کے انداز خطابت نے علامہ رشید ترابی سے لے کر کسی بھی بڑے سے بڑے یا چھوٹے سے خطیب سے نہ تو لفظوں کی دھنک مستعار لی نہ اشارے کنائے چرائے نہ لباس کی نقل اتاری اور نہ ہی خطابت میں ان کا تتبع کیا بلکہ اپنی خطابت کا راستہ خود تراشا اپنی تقریر کے لئے موضوعات کا انتخاب خود کیا۔ اور ہر موضوع پر بے تکان بولنے کا ہنر بھی ان کی ذاتی محنت و مشقت اور بے پناہ ریاضت کا ثمر ہے وہ رشید ترابی کو اپنا آئیڈیل سمجھتے ہیں اور علامہ عقیل ترابی کی سیرت و کردار کے معترف ہونے کی وجہ سے ان کا بے حد احترام کرتے ہیں اسی طرح وہ کراچی کے یوں تو تمام علمائے کرام کا احترام کرتے ہیں مگر کسی سے متاثر ہونا شاید ان کے علمی معیار کو زیب نہیں دیتا۔ علامہ عرفان حیدر عابدی کی خطابت کا مزاج منفرد ہے۔ پہلے دن سے آج تک ان کی خطابت رنگا رنگ تجربوں سے مزین ہے۔ وہ نہ تو منبر پر کسی بڑے سے بڑے خطیب سے مرعوب ہوئے ہیں اور نہ ہی سامعین کا ہجوم ان کی خطابت پر یا لب و لہجہ پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ بلکہ سامعین کی تعداد جس انداز سے بڑھتی جاتی ہے علامہ عرفان حیدر عابدی کا اعتماد اسی انداز سے بڑھتا جاتا ہے۔ ہمیں ان کے ساتھ ایک ہی منبر پر خطابت کرتے ہوئے تقریباً سترہ اٹھارہ برس ہونے کو آئے تقریباً ہر بڑے جلسہ میں ہم دونوں بھائی اکٹھے شریک اور مدعو ہوتے ہیں اور آپس میں

منبر پر ہم دونوں کی آنکھ مچولی چشمک اور فقرہ بازی سے سامعین خوب محظوظ ہوتے ہیں۔ ہم نے ہمیشہ محسوس کیا ہے کہ ایک ہی موضوع پر ایک ہی بات کو سو سو طریقوں سے کہنے کا جو ہنر علامہ عرفان عابدی کے پاس ہے وہ اور کسی خطیب کے پاس اس وقت نہیں ہے۔ سنجیدہ موضوع ہو یا سیاسی و ادبی قسم کا عنوان وہ ہر موضوع پر بے تکان بولتے ہیں۔ اس کے علاوہ تقریر کا دورانیہ بڑھانے میں وہ ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں انہوں نے ساڑھے چار گھنٹے کی تقریر کر کے ایک ریکارڈ قائم کیا ہے یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں تو وہ اپنی مثال آپ ہیں ہی۔ مگر اب ان کی مقبولیت عرب امارات ہندوستان افریقہ یورپ امریکہ اور دیگر ممالک میں سب سے زیادہ ہے۔ان کی خطابت کے جوہر شناس جانتے ہیں کہ علامہ عرفان عابدی کراچی میں ہوں تو ان کی تقریر علمی نکات قرآنی آیات فکر آمیز کلمات اور تحقیق و استدلال سے بھرپور ہوتی ہے پنجاب میں آئیں تو لفظوں کے ساتھ ان کا انداز خطابت جذباتی ہو جاتا ہے پنجاب کے دیہاتوں میں جائیں تو ان کی تقریر کے الفاظ موسم بہار کے رنگا رنگ پھولوں کی طرح مہکنے لگتی ہے۔ پشاور میں جائیں تو سندھ اور پنجاب سے بڑھ کر انہیں محبت اور عقیدت نصیب ہوتی ہے اور کوئٹہ میں تقریر کریں تو دور دور سے لوگ انہیں سننے آتے ہیں۔

دوسرا امتیاز پاکستان ٹیلی وژن سے مجلس شام غریباں پڑھنے کی سعادت ہے کیونکہ قومی پروگرام پر نشریاتی ٹیلی کاسٹ ہونے والی مجلس شام غریباں سے خطاب کرنا ہر خطیب کے بس کی بات نہیں۔ علامہ عرفان حیدر عابدی نے نوجوانی کے عالم میں گذشتہ سال یعنی ۱۹۹۰ء کے عشرہ محرم کی شام غریباں ٹیلی وژن پر پڑھ کر بڑے بڑے خطیبوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ پاکستان ٹیلی وژن کے قومی نشریاتی رابطے پر مجلس شام غریباں سے خطاب کر کے علامہ عرفان حیدر عابدی ان تاریخی خطیبوں میں شامل ہو گئے جن کے



اسمائے گرامی قومی خطیبوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ مجلس شام غریباں سے خطاب کر کے علامہ عرفان حیدر عابدی نے ثابت کر دیا کہ وہ حقیقی طور پر بلا اختلاف رائے اس وقت ایشیا کے بڑے خطیب ہیں۔ اس کے علاوہ اس بات کو خطابت کی خوش قسمتی کہئے یا علامہ عرفان حیدر عابدی کی ذاتی محنت و مشقت اور علمی رفعت و منزلت کہ علامہ عرفان حیدر عابدی نے مختصر سی مدت میں خطابت کے وہ تمام مراحل طے کر لئے ہیں۔ جو بڑے بڑے خطیبوں کو عمر بھر کی محنت اور ریاضت کے بعد کہیں جا کے نصیب ہوتے ہیں۔ علامہ عرفان حیدر عابدی اس وقت اسلامی قانون سازی کے سب سے بڑے ادارے اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن ہیں ذاکر شام غریباں ہیں نشتر پارک کراچی کے خطیب ہیں۔ اور ملک میں ملت جعفریہ کے حقوق کی پاسدار اتحاد بین المسلمین کی داعی فعال اور متحرک تنظیم امامیہ کونسل پاکستان کے کنوینر ہیں۔ امامیہ کونسل پاکستان کے کنوینر کی حیثیت میں انہوں نے ہمیشہ ذمہ داری مستعدی اور دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دیئے ہیں۔ امامیہ کونسل پاکستان کے بانی مجاہد ملت ایڈیٹر ہفت روزہ ندائے شیعہ اور شیعہ قومیات کے نشیب و فراز کے عینی شاہد جناب جعفر علی میر ہیں۔ جناب جعفر علی میر جو بذات خود شیعہ قومیات کی تاریخ ہیں عقائد کی جنگ میں صحیح العقیدہ قبیلے کے سالار اور واحد دلیر اور جری شیعہ جریدے ندائے شیعہ کے ایڈیٹر ہیں جعفر میر کی شخصیت اور قومی و ملی کارناموں پر ایک تفصیلی مضمون ہم علیحدہ سے لکھ رہے ہیں۔ جو عنقریب بہت سے چونکا دینے والے حقائق کے ساتھ آپ کی بصارت بوسی کا شرف حاصل کرے گا فی الحال جعفر علی میر کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ علامہ عرفان حیدر عابدی اور محسن نقوی کے ساتھ جعفر علی میر کا تلازمہ نہ ہو تو یہ مثلث ادھوری رہ جاتی ہے۔ امامیہ کونسل کے مصور بھی جعفر علی میر ہیں۔ انہی کی تحریک پر آج سے تقریباً آٹھ

سال پہلے ۱۹۸۳ میں کراچی میں علامہ عرفان حیدر عابدی کے مکان پر (جو اس وقت ابی سینیا کے علاقے میں تھا صفیر جعفری میر توکل حسین عابدی اور دیگر احباب کے ساتھ امامیہ کونسل کا نقشہ تیار کیا گیا پھر علامہ عقیل ترابی نے اس کونسل کی تمام ذمہ داری قبول کی تھی اور کافی عرصہ علامہ عقیل ترابی اس کونسل کے کنوینر بھی رہے بعد میں اپنی علالت کی وجہ سے علامہ عقیل ترابی چونکہ عملی قومیات سے علیحدہ ہو گئے اس لئے کونسل کے ایک اجلاس میں علامہ عرفان حیدر عابدی جو اس وقت امامیہ کونسل سندھ کے کنوینر تھے امامیہ کونسل پاکستان کے مرکزی کنوینر منتخب ہوئے کونسل کے مرکزی عہدے صرف تین ہیں کنوینر علامہ عرفان حیدر عابدی مرکزی جنرل سیکریٹری محسن نقوی اور مرکزی سیکریٹری اطلاعات جناب جعفر علی میر ہیں۔ اس کی علاوہ ہر صوبے سے ایک ایک کنوینر اور پھر سپریم کونسل اور بعد میں ڈویژن اور ضلع کی سطح پر امامیہ کونسل پاکستان کی باڈی تشکیل پائی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ساری امامیہ کونسل کی حقیقی روح رواں جناب جعفر علی میر ہیں۔ جو نہ صرف ہمارے مشیر اور سرپرست ہیں بلکہ علامہ صاحب اور ہمارے اتالیق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جعفر علی میر سر سے پاؤں تک دماغ ہی دماغ ہیں۔ سال بھر میں جب چاہیں اعلی ترین اور معیاری مقامات پر امامیہ کونسل پاکستان کے جلسے منعقد کراتے ہیں ہماری حیثیت عہدیداروں سے ہٹ کر میر صاحب کے دیئے ہوئے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے والے مستعد کارکنوں کی ہے۔ میر صاحب میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ خلوت میں ہمارے خیر خواہ بزرگ ہوتے ہیں۔ مگر گھر سے باہر پروٹوکول کی مکمل پابندی کرتے ہیں اور وہ بھی نہایت سنجیدگی کے ساتھ پھر دوستوں کے دوست اور یاروں کے ہیں جس کے دوست ہیں عدم موجودگی میں بھی اس کے دوست رہتے ہیں اور جس کے دشمن ہیں اس کے منہ پر بھی اس کی تعظیم کرنا ان کے خلوص کے خلاف ہے۔



یہی وجہ ہے کہ امامیہ کونسل بھی رواں دواں ہے ہماری دوستی بھی ماشاءاللہ پہلے دن کی طرح تابندہ رخشندہ اور توانائی کے ساتھ قائم و دائم ہے علامہ عرفان حیدر عابدی سے جعفر علی میر کو بے پناہ محبت اور عقیدت ہے علامہ صاحب کے پنجاب کے دورے کا تمام تر پروگرام جناب جعفر علی میر ترتیب دیتے ہیں۔ اور نہ صرف پروگرام ترتیب دیتے ہیں بلکہ جتنے دن علامہ صاحب پنجاب میں ہوتے ہیں جناب میر صاحب علامہ صاحب کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک سے باہر بھی جناب جعفر علی میر اکثر علامہ عرفان حیدر عابدی کے شریک سفر رہتے ہیں جعفر علی میر ہماری دوستی کے اتحاد اور بھرم کا دوسرا نام ہے وہ کہیں بھی ہوں کسی محفل میں بھی ہوں۔ کسی حلقے میں بھی ہوں ہم سے نہ تو علیحدہ ہوتے ہیں اور نہ ہی جدائی برداشت کر سکتے ہیں۔ علامہ عرفان حیدر عابدی بھی چونکہ دوستی کے معاملے میں انتہا پسند ہیں جس کو چاہتے ہیں ٹوٹ کر چاہتے ہیں۔ اور جعفر علی میر بھی رفاقتوں کے مسئلے میں اعتدال کے قائل نہیں۔ وہ بھی آخری حدوں تک پہنچتے ہیں اس لئے دونوں میں خوب نبھ رہی ہے البتہ میرا معاملہ یہ ہے کہ تقسیم شدہ انسان ہونے کے ناطے کبھی کبھی دونوں کی محبت کا جواب بھرپور انداز میں نہیں دے سکتا۔ مگر علامہ صاحب اور جعفر علی میر کوتاہیوں کو اکثر بھلا کر درگذر سے کام لیتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو اتنی شدید محبت کا ثبوت دیتے ہیں کہ میری نادانیوں اور سہوا سرزد ہونے والی لغزشوں کو (جو دوستی کے سلسلے میں ہوتی ہیں) شرم سی آنے لگتی ہے۔ کیونکہ دونوں مجھ سے نہ صرف پیار کرتے ہیں بلکہ محبت اور خلوص کی انتہا پر پہنچے ہوئے ہیں۔ خدا کرے یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے۔ اور اب تو یہ مثلث وارثتا منتقل ہو کر ہمارے ولی عہد شہزادوں تک آ پہنچی ہے جتنا پیار اور خلوص کا رشتہ ہم تینوں میں استوار ہے اتنا ہی شدید پیار ہمارے بچے ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ یعنی علامہ عرفان حیدر عابدی کے شہزادہ ولی نعمت عزیزی محمد علی سلمہ

بھائی جعفر علی میر کے صاحبزادے حسن جعفر سلمہ اور ہمارے بیٹے اسد عباس سلمہ میں بھی وہی خلوص کا رشتہ قائم ہے جو ہم میں ہے۔ تینوں بچے ماشا اللہ ایک خوبصورت تکون کی صورت میں آپس میں دوستی نبھاتے چلے جا رہے ہیں چوتھا ہمارا بیٹا عقیل عباس سلمہ ہے وہ بھی ان سے اتنا ہی بے تکلف اور مانوس ہے مگر ہم عمر ہونے کے ناطے علی حسن اور اسد عقیل سے شفقت سے پیش آتے ہیں۔ خیر یہ باتیں پھر بھی لکھیں گے فی الحال ہم علامہ عرفان حیدر عابدی کی طرف آتے ہیں علامہ صاحب ماشا اللہ خطابت کی سلطنت کے تاجدار تو ہیں ہی بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ تحریر کے بھی تاجور ہیں۔ یعنی تقریر و تحریر میں اپنی مثال آپ ہیں سنا ہے یہ دونوں خوبیاں کسی ایک شخصیت میں مشکل سے یکجا ہوتی ہیں زبان اور قلم کا ایک ہی رفتار سے چلنا بہت دشوار ہے مگر علامہ صاحب کے ہاں دونوں خوبیاں پوری توانائی سے ہم وزن ہو کر یکجا ہو گئی ہیں وہ جتنے بڑے خطیب ہیں اتنے بڑے ادیب بھی ہیں۔ ہم نے بارہا چاہا کہ وہ اپنے افکار یکجا کرنے کے لئے صریر خامہ کو نوائے سروش کا روپ دیں اور کتابی صورت میں اپنے خیالات اپنے چاہنے والوں تک پہنچائیں مگر وہ طرح دے جاتے تھے لیکن اب کی بار خود انہوں نے محسوس کیا اور ایک مذہبی اسکالر ہونے کے ناطے اتحاد بین المسلمین کا شیرازہ بکھیرنے والے کچھ شرپسند عناصر کی منہ زور سازشوں کو بے نقاب کرنے اور سادہ لوح مسلمانوں کی غلط فہمی دور کر کے کجلائے ہوئے خاکوں میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے قلم کا علم بلند کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک مبسوط مقالہ "کافر کون؟" کے عنوان سے لکھ ڈالا "کافر کون؟" اپنے عنوان کی طرح تیکھا تند اور تیز موضوع ہے۔ اس پر لکھنا صراط مستقیم پر ننگے پاؤں سفر کرنے سے کم نہیں کہ وہ بال سے باریک تلوار سے تیز اور آگ سے زیادہ گرم ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ علامہ صاحب کی تحریر پر خطابت حاوی رہے گی اور وہ استدلال کی



بجائے گرما گرم جملے بازی سے کام لیں گے مگر علامہ صاحب مناظر نہیں خطیب ہیں اور عطائی نہیں ادیب ہیں۔ انہوں نے استدلال سے بھرپور مقالہ لکھا ہے اسے ہم بار بار مقالہ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ اس کا انداز تحریر مسلسل اور متواتر ہے کہیں ایک لمحے کو بھی قاری اور تحریر میں ربط و رشتہ ٹوٹتا نہیں۔ بھرپور دلائل کو بھی شگفتہ انداز میں اس طرح لکھا ہے کہ عام قاری بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ ہمیں ان کی کتاب "کافر کون؟" پر تنقیدی مضمون نہیں لکھنا کیونکہ یہ کام کرنے کو ابھی کافی دیر لگے گی اور وقت بھی کافی پڑا ہے ہمیں تو علامہ عرفان حیدر عابدی کی تقریر سننے والے سامعین کی رائے کا انتظار ہے کہ وہ ان کی تحریر پڑھ کر بھی ان سے متاثر ہوتے ہیں یا نہیں؟ہمارا اپنا خیال ہے کہ اگر وہ تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر کا سلسلہ جاری رکھیں تو آئندہ نسلیں ان کی ممنون رہیں گی کیونکہ ہمیں علامہ رشید ترابی علامہ حافظ کفایت حسین بلکہ ان سے بھی پہلے علامہ سبط حسن سرکار ناصر الملت اور علامہ رشید ترابی کے بعد علامہ طالب جوہری تک، سے یہی شکایت رہی کہ کاش یہ نابغہ روزگار شخصیتیں جو کچھ سوچتی تھیں اور سوچتی ہیں اسے لکھ کر کتابی صورت میں طالبان علم اور تشنگان ادب پر احسان کر سکتیں۔ آج منبر کے ساتھ ساتھ درس گاہوں میں بھی انہی کے نام کا سکہ چلتا۔ ہم علامہ عرفان حیدر عابدی کو مبارک باد دیتے ہیں کہ انہوں نے تقریر کے ساتھ تحریر کی وادی میں بھی سفر کا آغاز کیا ہے۔ جو باتیں وہ منبر پر نہیں کہہ سکتے۔ وہ کتابوں کے سینے میں انڈیل کر محفوظ کر رہے ہیں اور جو باتیں قلم کی دسترس سے بچ جائیں گی وہ منبر پر اپنے مفاہیم کے ساتھ روشنیاں بکھیریں گی۔ کافر کون؟ لمحے بھر کی ضرورت تھی جو صدیوں کے رزق کے طور پر اذہان اور قلوب کو منور کرتی رہے گی۔ ہماری دعا ہے کہ نطق و لب کا خالق علامہ عرفان حیدر عابدی کی تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ کرے اور خطیب منبر سلونی کا یہ دریوزہ گر اسی طرح لفظ و معنی

کے آبگینوں میں صہبائے مودت لنڈاتا رہے۔

ہمارے بعد میں سفیر صبا ہے آخر کون؟
تلاش حسن جاناں میں ہے مسافر کون؟
رہین خلوت شب چاندنی سے پوچھ کبھی
کہ شہر شہر بھٹکتا ہے تیری خاطر کون؟
ہمیں عزیز تھی مقتل کی آبرو ورنہ!
بھرے جہاں میں ہے اپنے لہو کا تاجر کون؟
ہمیں نے شیخ کا پندار خود سری توڑا
وگرنہ اس کی نظر میں نہیں تھا کافر کون؟
سخنوری ہمیں وجہ شرف نہیں محسن
مگر ہمارے سوا رہ گیا ہے شاعر کون؟

مداح اہل بیت سید محسن نقوی



# بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام حمد۔ تعریف۔ ثنا۔ عبادت۔ سجدہ اطاعت سزاوار و شایان شان ہے اس خدائے لم یزل ولا یزال کے لئے جسکا تخت اقتدار و عظمت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ بے اندازہ لامحدود اور لاتعداد درود و سلام اس ذات مصطفیٰ پر جسکے فرق اقدس پر ختم نبوت کا تاج اور تکمیل دین شریعت کی دستار زیب دیتی ہے۔ اور ایسے ہی کروڑوں درود و سلام محمد مصطفیٰ کی آل اطہار پر جن پر درود بھیجے بغیر کسی نمازی کی نماز نہیں ہوتی اور قرآن کی آیہ درود کی تکمیل نہیں ہوتی۔ ہم یوں بھی خوش نصیب ہیں کہ ہمیں وصیت ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمسک بالقرآن و اہل بیت علیہم السلام کی شرعی تعمیل کا شرف حاصل ہوا جس کے سبب ہم وعدہ صادق و امین رسول اعظم کے مطابق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گمراہی و بے دینی سے محفوظ ہو گئے۔

پہلا باب

# منظور ہے گذارش احوال واقعی

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے!

اللہ کے آخری دین اسلام کو آئے ہوئے ہزار ہا برس ہو گئے۔ جس دین کا آغاز آدم علیہ السلام کی زمین پر تشریف آوری سے ہوا تھا اس دین کی تکمیل وجہ تکوین کائنات۔ علت خلائق ممکنات۔ فخر موجودات حضرت محمد مصطفی خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست ۱۸ ذی الحج بروز جمعہ ۱۰ حج حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے تاریخی مقام پر اعلان ولایت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بعد ہوئی اور پروردگار عالم کی طرف سے پیغمبر خاتم النبین نے عامتہ المسلمین کو یہ روحانی و نورانی مژدہ جانفزا سنایا کہ

**الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا☆**

یعنی آج کے دن ہم نے دین اسلام کو مکمل کر دیا اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور آج ہم تمہارے دین (یعنی اسلام) سے راضی ہوئے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقعے پر جزیرہ نمائے عرب کے گوشے گوشے سے مسلمان جو ظاہر ہے سب کے سب صحابہ ہوں گے کھنچ کر ہادی عالم اور سرور دو عالم کے جلو میں اللہ کے گھر کا طواف کر کے حج جیسی عظیم عبادت سے فارغ ہو کر آ رہے تھے یعنی اس وقت جتنے کافر مسلمان ہو چکے تھے تقریباً سب ہی میدان غدیر خم میں امیر المومنین کی تاجپوشی اور اسلام کی



تکمیل کا روح پرور نظارہ بچشم خود ملاحظہ کر رہے تھے اور اعلان ولایت کے فوراً بعد حضرت عمر جیسے مجتہد قسم کے انسان علی ابن ابی طالب کو مبارکباد کی صورت میں آنے والی مسلمان نسلوں کو پیمانہ ایمان و کفر اس طرح دے رہے تھے کہ مبارک ہو مبارک ہو اے ابوطالب کے بیٹے آج آپ میرے اور کل مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے گویا نگاہ پر جلال فاروقی میں اب قیامت تک مومن وہ ہے جو رسول اکرم کی طرح علی کو مولا مانے اور کافر وہ ہے جو اس کا انکار کرے **فاعتبروا یااولی الابصار☆** یہی نہیں بلکہ علمائے جمہور کا تواتر کے ساتھ فیصلہ ہے کہ سب موجود صحابہ نے بحکم رسول خدا علی کی بیعت کی۔ یہاں تک کہ اپنے اپنے ۔۔رں میں بیٹھی ہوئی ازواج نبی نے بھی رسی کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں لے کر اور دوسرا سرا علی کے دست مبارک میں دے کر اقرار مولایت علی کیا۔ یاد رہے کہ اعلان ولایت علی **یاایھاالرسول بلغ☆** کی روشنی میں منوایا۔ اور ابھی ابھی حضور اپنے خطبے میں فرما کر آ رہے ہیں کہ عرب کو عجم پر عجم کو عرب پر کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے تم میں سب سے مکرم و معظم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تقویٰ میں بلند ہے تو ظاہر ہے کہ حضور نے ولایت کے مہتم بالشان لقب کے لیئے علی کا انتخاب رشتہ داری کی بنیاد پر نہیں بلکہ تقویٰ کی بنیاد پر کیا ہوگا ورنہ **ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم☆** کی آیت کی نفی ہو جاتی۔ یہ واقعہ بھی ۱۰ حج کا ہے اور حضور نے حجۃ الوداع کے بعد چند ماہ ہی اس عالم فانی میں قیام کیا اس کے بعد یہ نور ازل اپنے مرکز نور کی طرف مراجعت کر گیا لہٰذا یہ تو طے ہو گیا کہ بعثت رسول سے لے کر ۱۰ حج تک کوئی صحابی بھی تقویٰ و پرہیزگاری میں حضرت علی سے بلند نہیں تھا۔ ذوالحج ۱۰ ہجری سے لے کر ۲۸ صفر ۱۱ھ کے قلیل عرصے میں صحابہ کرم سے وہ کونسا کارنامہ یا حادثہ سرزد ہو گیا کہ وہ حضرت علی پر بہ اعتبار علم و تقویٰ مقدم ہو گئے اور معاذ اللہ علی سے کونسا ترک

اولی ہو گیا کہ وہ صحابہ موثر ہو گئے ہمیں تو صرف ایک ہی بات نظر آتی ہے کہ
علی نے خاتم النبیین کے ے کے احترام میں حکومت سازی اور تخت اقتدار کو بیار
بھی کی ناک سے بہتے ے نزلے کے گندے پانی سے زیادہ حقیر ذلیل و کمتر خیال
فرمایا اور دوسروں نے حکومت کو جنازہ رسول الثقلین پر مقدم جانا جسے حکیم
الامت اور مصور پاکستان علامہ اقبال نے بھی اس طرح اپنے ایک شعر میں نقل فرما
دیا۔

چوں صحابہ حب دنیا داشتند
مصطفی را بے کفن بگذاشتند

ہوا یوں کہ تین دن مہاجر و انصار کے درمیان قیادت و امارت کی بحثیں ہوتی
رہیں اور اس بحث و میں بعض روایات کے تحت نوبت ہاتھا پائی تک بھی پہنچ گئی
مگر بالآخر حضرت فاروق اعظم کے سیاسی تدبر کی وجہ سے جناب عائشہ کے والد ماجد
سربراہ سلطنت بیعت کا سلسلہ شروع ہوا خود بقول شبلی نعمانی حضرت فاروق
اعظم نے اس بیعت فیصلے کو عظیم فتنے سے تعبیر کیا جو ہروقت موصوف کی مداخلت
مداخلت سے طے پا یک کثیر جماعت صحابہ جسے بعد میں سرکاری طور پر منکرین زکوٰۃ
کا نام دے کر گیا حقیقتاً انھوں نے حکومت وقت کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا
ہے ۷۰۰ سو سے الفاظ قرآن زکوٰۃ کی قتل گاہ کی بھینٹ چڑھا دیئے گئے جس سے
قرآن مجید کے بھی نے کا خطرہ لاحق ہو گیا یہی وجہ تھی کہ کچھ جونیئر قسم کے بعض
نوجوان قرآن والوں مشتمل قرآن کمیٹی بنائی گئی اور سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ
جسے بھی قرآن مجید جو آیتیں یاد ہوں وہ دو گواہوں کی تصدیق کے ساتھ لا کر قرآن
کمیٹی کے سامنے کرتا رہے یوں قرآن مرتب ہوا سرکاری طور پر مقرر کردہ کمیٹی
آیتوں کی تصدیق لیے دو گواہوں کی طلبی خود قرآن کمیٹی کے معزز ارکان کی قرآن



دانی اور قرآن فہمی کا منہ بولتا ثبوت ہے جسے شبلی نعمانی نے تحریر فرمایا۔ ظاہر ہے کہ
جسے جو آیتیں یاد تھیں وہ سب کے سب ترتیب کے اعتبار سے تو مرتب ہو نہیں سکیں
کوئی مکہ سے آیا کوئی مدینہ سے کوئی بصرہ سے آیا تو کوئی شام سے کوئی پہلے آیا تو کوئی
بعد میں قرآن کمیٹی والوں نے آیتوں کی صحت کے بارے میں تو چھان پھٹک کی ہو گی
وہ بھی کچھ اپنے اجتہاد اور کچھ دو گواہوں کی گواہی کی روشنی میں اس میں ترتیب
قرآن کا تنزیل کے مطابق ہونا تو ناممکنات دو عالم ہی میں سے ہے۔
بہرحال یہ موضوع ہم آگے چل کر چھیڑیں گے پہلے ذرا ابتدائیہ طے کر لیں۔ اسی زمانے
میں رسول اللہ کی اکلوتی بیٹی جناب خدیجۃ الکبریٰ کی نور نظر چار گھنٹے تک اسلامی نظام
حکومت کی عدالت سے اشکبار اور محروم واپس پلٹا دی گئی ان کی ذاتی ملکیت کو
سرکاری تحویل سے لے لیا گیا درجنوں قرآنی آیات وراثت کے جواب میں سربراہ
حکومت نے ایک حدیث پیش کی جس کا راوی منصف کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا
"نحن معاشر الانبیاء"

اسی کا شہر، وہی مدعی، وہی منصف
ہمیں یقیں تھا ہمارا قصور نکلے گا

پھر نبی آخر کی بیٹی بتول کو کلمہ گویوں نے اتنا احترام دیا اتنا خوش رکھا کہ صدیقہ طاہرہ
راضیہ مرضیہ معصومہ بی بی صلواۃ اللہ علیہا کو باپ کی قبر پر مرثیہ پڑھنا پڑا جو تاریخ
مسلمان کے اوراق کا وہ رستا ہوا ناسور ہے جسکا اندمال ۱۴ صدیاں گزرنے کے بعد بھی
ناممکن ہے مرثیہ زہرا کا صرف ایک شعر ہی اس شری دور کی تصویر کشی کے لیے کافی
ہے

صبت علی مصائب لو انہا
صبت علی الایام صرن لیالیا

مختصر یہ کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دروازے پر آیۂ تطہیر کے نزول کے بعد نماز صبح سے پہلے سلام کرتے تھے اسی دروازے پر بہادران ملت آگ اور لکڑیاں لے کر آئے پہلو پر داغ ضرب لیئے یہ عظیم بی بی صرف ۹۰ دن کی مدت میں امت کے عطا کردہ بیش قیمت تحفے لیئے جنت البقیع کی سرزمین میں آسودہ خاک ہو گئی جسے بعد میں بچ اٹھے اور بچے مسلمانوں نے قبر کو مسمار کر کے حق نبوت اور حق ملک خدیجۃ الکبری ادا کر دیا ان تلخ حقائق پر کیا کہیں سوائے اس کے کہ

انا للہ و انا الیہ راجعون☆☆ دوسرے مرحلے حکومت پر انداز انتخاب بدلا پھر 1st Nomination ہوا دوسرے حکمران برسر اقتدار آئے جن کے دور حکومت میں قرب و جوار کے علاقے اور ممالک فتح کیئے گئے بزور شمشیر یہ انوکھا انداز تبلیغ اسلام تھا چھیا۔ کشور کشائی ہوئی۔ وسعت مملکت ہوئی۔ بیت المال سونے چاندی سے لبریز ہوئے۔ ٹیکس اور پولیس کے محکمے قائم ہوئے اور بہت کچھ ہوا۔ بڑی بڑی کافر سلطنتیں بزور شمشیر فتح کی گئیں علامہ اقبال نے پتہ نہیں کون سے مومن کی تعریف کی ہے

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

جبکہ اس دور حکومت میں شہادت کی تو کوئی شہادت نہیں ملتی جو مقصود مومن ہے ہاں! مال غنیمت اور کشور کشائی کے عظیم بالشان کارنامے ضرور نظر آتے ہیں جیسے تیسے یہ دور حکومت اپنے منطقی انجام کو پہنچا مگر موصوف وفات سے قبل ایک مجلس شوریٰ بنا گئے جو باہمی مشورے سے سربراہ حکومت مدینہ کا تعین کرے۔

یاد رہے کہ ان نامزد ارکان میں خود سابق مقتول حکمراں کے صاحبزادے بھی شامل تھے اور ان کی پوزیشن ۶ افراد پر مشتمل کمیٹی میں چیرمین سینیٹ کی سی تھی بس فرق یہ تھا کہ وہ خود امیدوار حکومت نہیں ہو سکتے تھے۔ ان حضرات نے سب سے پہلے



امیرالمومنین یعسوب الدین حضرت علی ابن ابی طالب کی خدمت میں مشکول حکومت پیش کیا کہ کچھ شرائط کے ساتھ مولائے کائنات مشکول حکومت میں اپنی رضامندی کے سکے ڈالدیں ان شرائط میں سے ایک اہم اور ناقابل فہم شرط یہ تھی کہ علی وعدہ کریں کہ وہ قرآن و سنت کے علاوہ سابقہ حکمرانوں کی سیرت پر عمل بھی کریں گے ظاہر ہے علی جیسے انسان جو صورت و سیرت میں جلال و جمال میں فضیلیت و کمال میں قرآن فہمی و اسلام شناسی میں معرفت توحید و اطاعت رسول میں کچھ یوں تھے۔

تمہیں خبر ہی نہیں ہے کہاں کہاں ہے علی

جہاں جہاں ہے حقیقت وہاں وہاں ہے علی

ادھر صفات محمد ادھر صفات خدا

انھیں لطیف حجابوں کے درمیاں ہے علی

کس طرح اور کیسے ممکن تھا کہ وہ قرآن و سنت کے علاوہ کسی اور شرط کو تسلیم کر کے حکومت کی لنگڑی اونٹنی پر سواری فرمانا پسند کرتے ظاہر ہے علی نے حقارت و بے نیازی کے ساتھ اس پیشکش کو مسترد کر دیا مگر دلیل کے ساتھ اس لیئے کہ علی خود بعد رسول خدا زمین پر سب سے بڑی حجت تھے آپ نے اراکین شوریٰ سے عجیب منطقی اور ناقابل تردید سوال کیا کہ اگر گذشتہ حکمرانوں کا طرز حکومت قرآن و سنت کے عین مطابق تھا تو علیحدہ سے حکمرانوں کی سیرت پر عمل کرنے کی شرط کیا معنی؟ اور اگر ان حضرات کا عمل اور تھا اور قرآن و سنت کا حکم اور تو ابوطالب کے بیٹے سے یہ توقع کیوں؟ ظاہر ہے علی کے اس عظیم استدلال کا جواب کسی کے پاس نہ تھا سیرت شیخین کی شرط مجلس شوریٰ کی طرف سے رکھنے کا مقصد بھی کھل کر سامنے آگیا کہ یہ مجلس شوریٰ کتنی دیانتداری سے امر حکومت نمٹانا چاہتی تھی۔

ظاہر ہے کہ جملہ اراکین شوریٰ علی کے کردار کی عظمت سے تو بخوبی واقف تھے ہی

اور انھیں پوری توقع تھی کہ اس شرط کے ساتھ امر حکومت کی پیشکش کو علی مسترد کر دیں گے اور یوں بنی امیہ کا دیرینہ خواب جو فتح مکہ کے دن سے وہ دیکھ رہے تھے کہ لوٹ پھر کر یہ امارت و حکومت بنی امیہ کے خاندان میں منتقل ہو جائے پورا ہونے کی بنیاد پڑی یوں عرب کے سابق الاولون اور جلیل القدر صحابہ کی موجودگی میں جو خود بھی خاصے عزت دار قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے امارت اسلام بنی ہاشم سے نکل کر بنی امیہ کے اس خاندان میں منتقل ہو گئی جو زندگی بھر رسول اسلام اور اسلام کے جانثاروں یعنی صحابہ کرام سے ہر میدان میں مصروف جنگ رہا۔

کسی سیرت حکمران سابق پر عمل کرنے کی شرط حسب منصوبہ جب تیسرے صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی تو انھوں نے اسے پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت قبول کر لیا اور سریر آرائے مسند حکومت ہوئے موصوف کا تعلق چونکہ بنی امیہ سے تھا لہٰذا ان کی سادہ لوحی خدا ترسی اور اقربا نوازی کے نیک جذبات سے فائدہ اٹھا کر فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والوں کو جن کی سربراہی کا اعزاز ابوسفیان کو حاصل ہوا تھا خوب کھل کھیلنے اور اسلام کے خلاف پر پرزے نکالنے کا موقع ملا۔ یاد رہے کہ یہ ابوسفیان وہی صاحب ہیں جنھوں نے بقول مورخین اسلام بشمول مودودی صاحب۔ وفات رسول کے فوراً بعد علی کو بھی گھوڑوں اور پیادوں کی کثرت کا لالچ دینے کی ناکام کوشش کی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ (یعنی حضرت علی) رضامند ہوں تو میں حکومت بنی ہاشم میں باقی رہنے کا بندوبست کر دیتا ہوں اس سلسلے میں میری ساری عسکری و افرادی و لشکری قوتیں آپ کے Disposal پر ہوں گی مگر سلام ہو پروردہ آغوش رسالت علی کی سیاسی بصیرت پر جن کے تدبر اور حلم کی بدولت اسلام اور مسلمان ابتداء ہی میں تاریخ کے ہولناک خونی تصادم سے بچ گئے۔ باب مدینہ علم کی زبان سے یہ نکلا ہوا جملہ اب تک بنی امیہ کی اسلام سے محبت اور شریعت سے ان کے اخلاص کے لیے آئینہ



عبرت ہے جس میں دیکھنے والوں کو بنی امیہ کے اصل خدوخال نظر آ سکتے ہیں آپ نے (علی) نے یہ کہہ کر ابوسفیان کو محروم واپس پلٹا دیا کہ "اے حرب کے بیٹے تجھے اسلام سے کب سے ہمدردی ہو گئی"

بہرحال یہ حکومت بھی برپا ہو کر رہی اور جیسا کہ ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ ان محترم حکمران کی روایتی رواداری شرم و حیا دریا دلی و اقربا پروری سے بنی امیہ نے خوب خوب استفادہ کیا موصوف کی حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ کہ جسے ابن خلدون سے لے کر شبلی نعمانی تک اور ان سے لے کر مولانا مودودی تک نے مختصر طور پر تحریر کیا یہ ہے کہ خاتم النبیین کے مردود افراد حکم اور اس کے بیٹے مروان کو حکم رسول خدا کو Sup ersede کر کے واپس مدینہ بلایا اور نہ صرف مردود و ملعون بارگاہ رسول کو واپس مدینہ بلایا بلکہ حکم کے صاحبزادے مروان کو اپنا پرائیویٹ سیکریٹری مقرر کیا اور مسلمانوں کی قسمت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ نتیجتاً یہی صاحب مصر کے باغیوں کے انتقامی جذبات کو مہمیز کرنے کا سبب بنے مولائے کائنات کے اعلیٰ ترین تدبر اور بصیرت کے سبب حکومت کے خلاف بغاوت کافی فرو ہو گئی تھی۔ مگر اسی اثنا میں صاحب حکومت کی مہر کا غلط استعمال کر کے مروان صاحب نے قتل حکمراں کی راہ ہموار کر دی۔ اور صاحبان بصیرت کے لیے یہ امر باعث حیرت ہے کہ دارالحکومت میں سربراہ مملکت کا تمیں چالیس دن کا محاصرہ وہ بھی تین چار سو باغیوں کے ساتھ جاری رہا بعض روایات کے مطابق کئی دنوں تک راشن پانی کی Supply بھی منقطع رہی آخر مدینے میں بسنے والے مسلمان اور مدینہ کی چھاؤنیوں میں پڑی ہوئی ہزاروں افراد پر مشتمل فوج کیوں خاموش تماشائی بنی رہی اور یہ قتل کیسے واقع ہو گیا۔

بہرحال افسوس ناک حادثہ ہو کر رہا آخر مدینہ میں کونسا مارشل لا نافذ تھا جو سربراہ حکومت کی تدفین میں تاخیر واقع ہوئی یہ سوالات صاحبان بصیرت کے لیے وجہ حیرت

بھی ہیں اور درس عبرت بھی! اس پر مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے۔ "ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی"

ریاست میں افراتفری اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی وفاقی ڈھانچہ لرزہ براندام تھا۔ پچھتاوے اور غم کے ملے جلے جذبات تھے سازشیں عروج پر تھیں۔ ریاست کا تاروپود بکھر رہا تھا ایسے مشکل وقت میں شرفائے مدینہ جو سب کے سب جلیل القدر صحابہ کرام تھے متفقہ طور پر مشکلکشا حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے غیر مشروط اطاعت اور بلاشرکت غیرے تخت حکومت پیش کیا۔ جسے اللہ کے بے نیاز ولی کامل نے حقارت سے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ لے جاؤ تخت و اقتدار کی یہ زخمی لونڈی اپنے ہی جیسے کسی اور طالب تخت و تاج کو دے دو مجھے اسکی ضرورت نہیں میں تو بوریے پر بیٹھ کر بھی ابوتراب ہوں۔ اور پھر صحابہ کی زبان سے ادا ہونے والا یہ حقیقت انگیز جملہ صاحبان انصاف قارئین کے لیئے لائق توجہ ہے جس کے بعد متعصب ترین قصیدہ خواں وکلائے صفائی بھی انگشت بدنداں ہیں۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے؟

بیک زباں سب نے خدمت مولا علی میں عرض کی کہ حضور نظام حکومت ایک طرف اس وقت ریاستی اور اسلامی صورت حالات ابتری تنزلی اور انحطاط کے اس مرحلے پر ہے کہ اگر آپ نے رسول اللہ کے لائے ہوئے دین اسلام کو فوری سہارا نہ دیا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا نہ دین رہیگا نہ شریعت نہ قرآن رہے گا نہ احکامات نبوی ا[illegible] وقار و حرمت اس نازک ترین دور میں اسلام و شریعت کی ڈوبتی ہوئی نبضوں کو صرف آپ ہی ابھار سکتے ہیں اور سسکتی ہوئی شہ رگ اسلام میں زندگی تابندگی وقار او[illegible] پائندگی کا کوثر آپ ہی انڈیل سکتے ہیں۔ اگر آپ نے اس وقت مشکلکشائی نہ فرمائی ا[illegible] خاکم بدہن دین اسلام کو کوئی گزند پہنچی اور فتح مکہ کے بعد کے مسلمان اپنی سازش[illegible]



میں کامیاب ہو گئے تو اس ساری ہولناک تباہی کی ذمہ داری فرزند ابوطالب آپ کے سر ہو گی۔ ولی خدا نے وصی نبی نے جس کی شجاعت بصیرت اور ذوالفقار کی آبیاری سے اسلام کا کونپل پودا تناور درخت بنا تھا گہری سوچ اور فکر کے بعد ایک ایسا جملہ ادا فرما دیا ہے جو قیامت تک مہذب جمہوری معاشرے میں سنہری حروف سے لکھا جائیگا۔ اور حقوق بشر کے تمام عالمی علمبردار اس جمہوری اقدام پر قیامت تک علی کے آستانے پر سجدہ تبریک ادا کرتے رہیں گے اچھا تم کہتے ہو تو دین کی بقا اور حرمت شریعت اور احیائے احکام قرآن کی خاطر میں اس منصب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کرنے پر آمادہ ہوں مگر میری بیعت سابقہ حکومتوں کی طرح بند کمرے میں یعنی Selection or Nomination Advisory Council Election کے ذریعہ نہیں ہو گی بلکہ دن کے اجالے میں مسجد نبوی میں ہو گی کوئی جبر و اکراہ نہیں ہو گا کیونکہ یہ طریقہ روح عدل اسلامی کے خلاف ہے سارے معززین مدینہ نے خوشی و مسرت و اطمینان کا اظہار کیا جملہ معترضہ کے طور پر پڑھنے والے صحابہ کی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں کو دوبارہ پڑھ لیں تو معلوم ہو گا کہ سابقہ حکومتوں کی کارکردگی کے نتیجے میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اگر مشکل کشاہ دو عالم ایک دن بھی سہارا نہ دیتے تو ساری عمارت اسلام منہدم ہو جاتی سلام ابوطالب کے عظیم بیٹے پر جس نے انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی دین۔ اسلام۔ شریعت۔ قرآن اور احترام رسول کے دائمی اصولوں کو دوام اور سہارا دے کر نو مسلموں کو اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹنے سے روک لیا۔ قیامت تک مسلمان نسلیں اسلام کے اس عظیم جرنیل اور دین کے اس بے پناہ غمخوار کو سلام عقیدت پیش کرتی رہیں گی۔ اگلے دن علی اصبح منبر رسول پر خطیب منبر سلونی اور وارث مسند پیغمبر خاتم جلوہ آرا ہوئے لوگوں کے ذوق بیعت اور شوق اطاعت کا عالم یہ تھا کہ حسب ارشاد مولا ماخوذ از نہج البلاغہ لوگ مجھ پر

بیعت کے لیئے ایسے ٹوٹ پڑے تھے جیسے ساہی کے بدن پر کانٹے حسن و حسین بھی اس عظیم جھرمٹ میں گھر گئے آپ نے منبر رسول پر بیٹھتے ہی جو پہلا اور بصیرت افروز خطبہ آب کوثر میں دھلی ہوئی زبان سے ادا فرمایا اس کا ابتدائی جملہ یہ تھا کہ خدا کا شکر ادا کرو کہ آج حق اپنے مرکز پر آگیا یہ جملہ بصیرت رکھنے والی آنکھوں کے لیئے کافی ہے۔ سابق حکمرانوں کی سیرت پر اگر مولائے کائنات کو عمل کرنا ہوتا اور وہ ان کی سیرت کو اسلامی و عوامی مفاد کے لیئے بہتر سمجھتے تو علی کو کوئی دشواری پیش نہ آتی اور علی کا دور حکومت تاریخ اسلام کا دنیاوی و سیاسی اعتبار سے بھی تاریخی کہلاتا۔ مگر کیا کریں کہ ابوطالب کا بیٹا علی تھا جو زندگی کے ہر پہلو سے علی تھا آپ نے تخت ظاہری پر بیٹھتے ہی سابقہ حکمرانوں کی ان باقیات کو معزول کر دیا جو نگاہ امامت میں اسلام اور شریعت کے لیئے خطرہ تھے بس پھر کیا تھا ایک طوفان کھڑا ہو گیا اس فرد فرید کے خلاف جو صورت و سیرت میں جلال و جمال میں علم و عمل میں کردار و اخلاق میں بصیرت و فہم و تدبر میں ہو بہو رسول الثقلین کی جیتی جاگتی تصویر تھا مگر تاریخ اسلام میں یہ پہلا شرمناک اور مکروہ ترین اقدام تھا جب مسلمانوں کے مسلمہ طریقہ انتخاب کے نتیجہ میں پوری امت مسلمہ کے متفقہ حکمران و رہنما کو اور وفاق ملت مسلمہ کی واحد علامت کے طور پر افق تاریخ پر ابھرنے والے علی کے خلاف نبی اعظم کے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد نے شام کے صوبے سے بغاوت کا علم بلند کیا یہ تاریخ اسلام میں پہلی مکروہ مثال تھی کہ مرکزی جمہوری اسلامی حکومت کے خلاف بلاجواز علم بغاوت بلند کیا گیا حکم عدولی کی گئی امام برحق کے خلاف برسرپیکار ہونے کا نہ کوئی جواز تھا نہ منطق جیسے ہی مسلمانوں کے مسلم الثبوت خلیفہ راشد نے قرآن و سنت کے باغی کی معزولی کا حکم دارالحکومت سے جاری کیا وہاں سے بغاوت و طغیان کا طوفان جواب کی صورت میں آگیا اسلامی ریاست کے کلمہ گو لاکھوں مسلمان واضح طور پر دو حصوں میں



تقسیم ہو گئے دوسرا شدید ترین حادثہ تاریخ اسلام اور مسلمان نسلوں کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ کا قرآنی احکامات کے خلاف رسول اللہ کے جانشین کی مخالفت میں مسلح لشکر کشی کے لیئے حرم رسول سے باہر تشریف لانا اور وہ بھی ایک بے سروپا عذر تلاش کر کے یعنی قتل عثمان کے قصاص کا مطالبہ تھا حالانکہ اس سے قبل تاریخ اسلام کے اوراق شاہد ہیں کہ وہ حضرت عثمان کی سیاسی کارکردگی اور اقربا پروری سے زیادہ خوش نظر نہیں آتی تھیں مگر ان کے قتل کے بعد یکایک ماں کے دل میں مقتول بیٹے کی محبت ایک شدید ترین ممتا کے روپ میں جاگ اٹھی اور طلحہ و زبیر اور دیگر حضرات کے اکسانے پر وہ زینت افروز جمل ہو کر میدان جنگ میں علی کے مقابلے پر اتر آئیں۔ حضرت علی نے لاکھ سمجھایا اس سے قبل راستے ہی میں محترمہ نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا جب مقام حواب کے کتے بھونکے تھے اس وقت معظمہ کو رسول اللہ کی وہ حدیث یاد آگئی کہ جب تم پر حواب کے کتے بھونکیں تو یقین کر لینا کہ تم حق پر نہیں ہو گی مگر طلحہ و زبیر کے بہکانے پر پھر آگے بڑھ گئیں اور پھر جنگ ملتوی کرنے کی ساری تدبیریں اور مشورے جو علی ابن ابی طالب نے دیا تھا۔ احترام رسالت میں دیئے تھے سب رائیگاں گئے جنگ ہو کر رہی اور اس کی ابتدا بھی شرارت کے طور پر لشکر ام المومنین کے کچھ افراد نے کی علی کی فوجوں پر شب خون مارا اس اچانک بلاجواز غیر اخلاقی جارحیت کے نتیجہ میں جو مرکز کے باغی لشکر نے کی تھی ملت اسلامیہ کے سربراہ اور مسلم امہ کے عظیم رہبر نے یہ تاریخی جملہ شرعی اصولوں کے مطابق فرمایا کہ "اب ان سے جنگ حلال ہو گئی" پھر حق و باطل کا معرکہ شروع ہوا مسلمانوں کی تلواریں کسی زہریلی ناگن کی طرح کلمہ گویوں کا لہو چاٹنے لگیں سروں کی بارش ہوئی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے صبح سے غروب آفتاب تک معرکہ جاری رہا باغی فوجوں کو فاتح خیبر کے حق پرست لشکر کے ہاتھوں بدترین شکست اٹھانا پڑی ایسے میں سینکڑوں

فرزندان توحید ایک اونٹ کے گرد جمع ہو گئے جس پر مسلمانوں کی واجب الاحترام ام المومنین رونق افروز تھیں پروانہ وار نثار ہو رہے تھے خون کی بارش ہو رہی تھی ایسے میں ایک بار پھر باب الحکمت کی بصیرت اور رحمتہ العالمین کے جانشین کی رحم دلی سامنے آئی آپ نے مسلمانوں کے بہتے ہوئے اس بے دریغ خون کو بہنے سے روکنے کے لیے حکم دیا کہ اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دی جائیں یعنی فتنے کی جڑ کاٹ دی جائے تاکہ مزید خون مسلم نہ بہے حکم کی تعمیل ہوئی نتیجہ عین مولائے کائنات کی توقع کے مطابق نکلا باغی فوجوں کے حوصلے پست ہو گئے اور نبی آخرالزماں کے وارث نے حرم رسول کو عزت و احترام کے ساتھ میدان جنگ سے رخصت کر دیا۔ مولائے کائنات کی اس بصیرت افروز تدبیر اور عزت مآب اقدام سے جہاں ایک طرف ہزاروں مسلمانوں کی زندگیاں محفوظ ہوئیں وہاں تاریخ اسلام اور قیامت تک آنے والی مسلمان نسلیں اس بدنما داغ سے بھی بچ گئیں کہ وہ (خاکم بدہن) حرم رسول کی توہین اور غارتیا، قتل کرنے والے ہیں ورنہ طلحہ و زبیر نے تو قیامت ڈھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی!



دوسرا باب

# بینات نامی خرافات کا علمی تجزیہ

"بینات" نامی خرافات کراچی کی خصوصی اشاعت نمبر ۳ کا ایک بے سروپا مجموعہ جو ایک سو چوتیس بے ہنگم صفحات بے تکے فتووں کی خرافات پر مشتمل ہے ہمارے پیش نگاہ ہے اسکی جلد نمبر ۱۵ شمارہ نمبر ۳ تاریخ اشاعت ستمبر ۱۹۸۸ء مطابق ۱۴۰۹ھ ربیع الاول ہے جسمیں کانگریسی کاسہ لیسوں پاکستان دشمنوں اور گستاخان رسول اکرم نام نہاد علماء سوء کی بے دلیل تحریرات پر مشتمل ہیں جن میں تکفیر ساز فیکٹری نے Time Over کر امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے پیروؤں کو معاذ اللہ کافر ثابت کرنے کی ناکام اور مذموم کوشش کی ہے اور قرآن جیسی عظیم محکم جامع مدلل اور لاجواب کتاب کے تحریف و رد و بدل کے بارے میں ہمارے خلاف افترا اور بہتان کا طومار باندھا ہے حالانکہ یہ کائنات الٰہی کی صحیح ترین الہامی اور آسمانی کتاب سورہ حمد کے بعد اپنے طویل ترین سورہ بقرہ میں ہمارے متقین ہونے کا اعلان کرتی نظر آ رہی ہے ظاہر ہے یہ معجزہ رسالت قرآن تمام مسلمانوں کے لیئے نہ تو ہدایت ہے نہ نعمت یہ تو صرف ان متقین کے لیئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس قوم کے پاس امام المتقین ہی نہیں ان کے پاس سے تقویٰ کا گذر بھی محال ہے تو لامحالہ قرآن ہمارے لیئے ہی ہدایت ہے۔ اندھے جاہل اور بے معرفت جاہلوں کے لیئے نہیں یاد رہے بقول شاعر

شرط اسلام بود ورزش ایماں بالغیب

اے کہ غائب ز نظر مہر تو ایمان من است

اور غیب پر ایمان جزوی نہیں کلی ہونا چاہئے اپنی پسند کے غیب اور اپنے پسند کے شعور کو اختیار کرنے کی اسلام و شریعت میں اجازت نہیں ہے۔ غیب کی تعریف یہ نہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کو غیب مان لیا جائے بلکہ ہر اس غیب پر ایمان لانا واجب ہے جسے حکم خدا سے رسول نے غیب قرار دیا خواہ وہ جنت ہو یا دوزخ کوثر ہو یا سلسبیل شجر طوبیٰ ہو یا لوح محفوظ ملائکہ ہوں یا حوریں غلمان ہوں یا جن ادریس ہوں یا خضر۔ اصحاب کہف ہوں یا ابلیس ملعون۔ جسم میں روح ہو یا دماغ میں عقل پانی کی تہہ میں بجلی ہو یا آنکھوں سے اوجھل سینکڑوں آیات الٰہی (معنی نشانیاں) اور اسی پیغمبر برحق نے جس نے عظیم ترین غیب کی خبریں دیں اس سرتاج **ما ینطق عن الھویٰ** ☆ رسول نے غیبت امام مہدی علیہ السلام کی عظیم ترین خبر بھی دی اب مذکورہ بالا غیب کی خبروں میں سے اگر کسی ایک خبر غیب کا بھی انکار کر دیا جائے جو مخبر صادق پیغمبر نے پہنچائی اور وہ اسناد و تواتر و تسلسل سے ثابت ہو تو یہ انکار ایسا ہی ہے جیسے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے کسی ایک ہی پیغمبر کی تکذیب کر دی جائے تو ظاہر ہے وہ مومن بالغیب کی فہرست سے خارج ہوا تکذیب قرآن کا مرتکب ہوا ایمان بالقرآن کا منکر ہوا تقویٰ تو دور کی بات ہے دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو گیا اور قرآن کی ہدایت سے بھی محروم ہو گیا اب ایسے کم نصیبوں کو تحریف قرآن پر قلم زنی کا حق ہی نہیں پہنچتا۔



# تیسرا باب

## ہم اور عقیدہ قرآن

**الحمد للہ** ہم قرآن مجید کو رسالتماب کا سب سے بڑا معجزہ سمجھتے ہیں قرآن اپنی فصاحت و بلاغت جامعیت اور معانی و مفاہیم گہرائی و گیرائی فہم و ادراک اسرار و رموز اور افکار و معانی کا ایسا سرچشمہ ہے جو ابدالآباد تک پوری بنی نوع انسان کے لیے چراغ مبین ہے اس کا حرف حرف سچا آیت آیت محکم سورہ سورہ خوبصورت الحمد کے الف سے لے کر والناس کی "س" تک حق ہی حق ہے ہمارا ایمان ہے کہ قرآن تمام آسمانی کتابوں بشمول تورات زبور انجیل اور موسوی و ابراہیمی صحیفوں کا ناسخ ہے چونکہ ساری مذکورہ کتابیں الہامی اور آسمانی ہیں اس لیے ان پر ہمارا اور سب مسلمانوں کا ایمان ہے مگر ہم ان کتابوں کی پیروی کے پابند نہیں کیونکہ توریت زبور۔ انجیل کے مرتبین نے اپنے انبیاء کے بعد تحریف کر دی تھی آیات و مفاہیم بدل دیئے تھے خواہشات نفسانی کی تکمیل کے تمام بے ہودہ مواد ان کتابوں میں شامل کر دیئے اس لیے شارع علیہ السلام نے ان کتابوں کی پیروی سے ہمیں باز رکھا مگر قرآن مجید وہ مقدس کتاب ہے جس کے تحفظ کا وعدہ قرآن میں پروردگار عالم نے فرمایا

**انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون** ☆ دوسری سب سے بڑی وجہ قرآن کے ناقابل تغیر اور ماورائے تحریف ہونے کی یہ بھی ہے کہ قرآن توریت و زبور و انجیل کیطرح لاوارث کتاب نہیں ہے بلکہ قرآن کا وارث محمد مصطفیٰ کا آخری بیٹا محمد مہدی

علیہ السلام کی صورت میں موجود ہے اور جس جاگیر کا وارث زندہ قائم ہو اس کو دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

تیسری وجہ:۔ ہر نبی و رسول کو خدا نے معجزے عطا فرمائے اور یہ سنت الٰہی ہے کہ معجزہ صاحب اعجاز سے ہے صاحب اعجاز معجزہ سے نہیں۔ عصا دست موسیٰ میں معجزہ ہے لوہا دست داود علیہ السلام میں موم ہے مٹی کا بنا ہوا پرندہ اور پیدائشی نابینا دست اعجاز مسیحائی عیسیٰ کا مرہون منت ہے ید بیضا کی چمک موسیٰ کلیم اللہ کی روشن ہتھیلی کی محتاج ہے ان انبیاء و مرسلین کے پردہ فرما جانے کے بعد کوئی شخص عصا کو اژدھا لوہے کو موم نابینا کو بینا مردے کو زندہ نہیں کر سکتا یعنی جب صاحب اعجاز دنیا سے رخصت ہو تو معجزہ بھی رخصت ہو جاتا ہے یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن پیغمبر اسلام کی صداقت و نبوت کا سب سے عظیم معجزہ ہے حضور کو پردہ فرمائے عرصہ گزر گیا مگر الحمد للہ ہر مسلمان گھر میں قرآن (یعنی معجزہ رسالت) موجود ہے تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ صاحب اعجاز قرآن امام زمانہ کی صورت میں موجود ہے۔ عقل کے اندھے اور ختم اللہ علی قلوبھم ☆ کے مصداق نجدیوں کو قرآن تو نظر آتا ہے مگر وارث قرآن پر ایمان نہیں رکھتے صاحبو اگر ہزاروں انبیاء بنی اسرائیل پر جن کے نام تک مسلمانوں کو معلوم نہیں ہیں ان پر ایمان لائے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا تو نور محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم کے فرزند پر منصوص من اللہ جو لنگر کون و مکاں بھی ہے اور امام زمان بھی علی و بتول کا لعل بھی اور عسکری کا چاند بھی ایمان نہ لا کر کون اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرے گا۔

چوتھی دلیل:۔ ہمارے علماء و مجتہدین ہوں یا فقہاء۔ راوی ہوں یا محدث صاحب اصول کافی ہوں یا صاحب من لا یحضرہ الفقیہ سب کے سب ائمہ اثنا عشر ائمہ طاہرین کے نوکر اور غلام ہیں۔ ہمارے بارہ امام حجت خدا ہیں ساری کائنات کے لیئے ہمارے ہر صدی



اور ہر زمانے کے عالم فقیہ مجتہد کی معراج ہمارے معصومین ائمہ اثنا عشر کے اتباع اطاعت اور ان کی غلامی میں ہے ہمارے کسی مجتہد عالم یا فقیہ کو خواہ وہ کسی پائے مرتبے اور منصب کا ہو امام معصوم کے قول و فعل پر سبقت کا حق شرعاً حاصل نہیں ہے ان سب علماء کی معراج علم و تحقیق اور منتہائے اجتہاد و فقہ باب علوم رسالت کی گداگری میں ہے ہمارے یہاں یہ مسلم ہے کہ جہاں قول معصوم آ جائے یعنی نص امام سے اگر کوئی مسئلہ طے ہو جائے تو وہاں کسی فقیہ و عالم و مجتہد کو جائے دم زدن نہیں ہے۔ ہمارے ہر عالم و فقیہ کا عقیدہ قرآن مجید کے متعلق وہی ہے جو ہمارے رسول آخر سے لے کر ہمارے بارہویں امام معصوم تک تواتر و تسلسل سے آیا۔ اسمیں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے سب معصوم ائمہ علیہم السلام نے موجودہ قرآن مجید ہی کی تلاوت کی اسی پر عمل کیا اور اسی قرآن کو ہر قسم کی ترمیم و تنسیخ و تحریف سے ماورا قرار دیا اور اسی قرآن پر ہمیں عمل کرنے کا حکم دیا اور ہم قیامت تک اپنے معصوم ائمہ طاہرین کے Unconditional پیروکار ہیں اور اس ناقابل تردید حقیقت اور برہان قاطع کے بعد ضرورت تو نہیں ہے کہ ہم مزید کچھ لکھیں مگر جیسے مقدس نام کو بدنام کرنے والے دشمنان قرآن و ارثان قرآن کے غلاموں پر تکفیر کے مکروہ فتوے بودے مجہول اور مفلوج بنیادوں پر دیتے ہیں لہٰذا ان سگان دستر خوان جگر خوارہ اور فرزندان ابو سفیان کی دیدہ دہنی نے ہمیں مجبور کر دیا کہ کچھ حقائق بیان کر دیئے جائیں قرآن حکیم جیسے بحر بیکراں پر قلم اٹھانا اور کچھ تحریر کرنا ہمارے بس کی بات کہاں مگر دشمنان قرآن سے جہاد بالقلم ضروری ہے۔

# چوتھا باب

## قرآن اور عظمت قرآن مجید

ہمارا واضح اور ناقابل تردید ایمان ہے کہ آسمانی کتب چار ہیں تورات زبور انجیل اور اللہ کی آخری اور کائنات الٰہی کی عظیم ترین کتاب قرآن خاتم النبیین کیطرح خاتم الکتب آسمانی ہے۔

مذکورہ تینوں کتابوں پر بھی ہمارا ایمان ہے مگر ہم شرعاً ان پر عمل کرنے کے پابند نہیں کیونکہ ان تینوں کتابوں کے مرتبین نے ان کتابوں کا ان کے انبیاء کے بعد اپنی ہوا و ہوس نفسانی سے حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ گمراہی و ہدایت کو خلط ملط کر دیا۔ حق و باطل کو تلبیس کر دی تثلیث میں توحید اور توحید میں تثلیث کے قائل ہو گئے پھر یہ مذکور کتب آسمانی عہد نامہ جدید و قدیم میں منقسم ہو گئیں جبکہ قرآن مجید نہ عہد نامہ قدیم ہے اور نہ عہد نامہ جدید یہ مستقل کتاب مجید جس طرح اور جس شکل صورت اور جن حروف و الفاظ میں نازل ہوئی اسی عظمت و وقار اور تقدس و احترام سے روز اول سے آج تک اور آج سے قیامت تک محفوظ رہے گی اس کتاب مقدس کا ایک لفظ ایک نقطہ بھی کسی بشر کی پسند و ناپسند سے کم و بیش نہیں ہو سکا۔

سرکار رسالتماب سے لے کر آج تک ہزاروں لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے علاوہ سکھوں عیسائیوں یہودیوں پارسیوں غرض ہر مذہب کے پڑھے لکھے افراد نے اس کتاب کو بغور پڑھا اور فیض اٹھایا اور مسلمانوں کی تو بات ہی کیا انھوں نے



دور میں اس کتاب مقدس کو اپنی دنیا و آخرت کا سب سے عظیم سرمایہ اور اپنے رب کی نعمت کا بحر بے کنار سمجھا اس کی آیت آیت کو گنا۔ حرف حرف کو شمار کیا۔ لفظ لفظ کو جاننے کی کوشش کی حد تو یہ ہے کہ دنیا کی یہ عظیم ترین کتاب واحد کتاب ہے جسے ماننے والوں نے اس کے نقطے بھی گن لیے۔

مقصد بعثت خاتم الانبیاء کا تذکرہ قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے ایک جگہ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب و الحکمۃ و ان کانو من قبل لفی ضلال مبین ☆

اس آیت کی رو سے رسول کی بعثت کے چار مقاصد متعین ہیں۔

ا۔ آیات کی تلاوت۔ نفوس کا تزکیہ۔ تعلیم کتاب۔ یعنی رموز و نکات کتاب جو بشریت کے لیئے از روئے شریعت ضروری ہوں ہو۔ حکمت و دانائی یعنی شریعت کے رموز بتانا اسی لیئے علامہ اقبال نے مسلمان حکمرانوں کی جنگجویانہ طبیعتوں کی سرزنش کرتے ہوئے انھیں قرآن کی کھلی خلاف ورزی پر ٹوکا کیونکہ تلوار اور طاقت کے ذریعہ اسلام پھیلانا جہاں ایک طرف مقصد بعثت رسول کی خلاف ورزی تھی وہاں دوسری طرف قرآن مجید کی صریح نفی بھی تھی جو چودہ سو برسوں سے مسلمان جابر حکمران زر خرید مولویوں سے فتوی لے کر کرتے چلے آ رہے ہیں اسی لیئے علامہ نے فرمایا کہ۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

مگر افسوس کہ ہم پر تکفیر کا فتوی صادر کرنے والے اور ہمیں منکر قرآن کہنے والے درباری ملا ہمیشہ جارحیت کو جہاد اور فساد کو تبلیغ اسلام اور اصلاح احوال کا نام دیتے رہے اور بادشاہوں کے قصیدے لکھتے رہے جب ہی تو در علی کے ایک غلام اور اس

صدی کے سب سے بڑے شاعر حضرت جوش نے ایک شاہ نامہ اسلام لکھنے والے کو منہ توڑ جواب دیا تھا کہ

شاہ نامہ اسلام کے لکھنے والے
اسلام کا شاہی سے تعلق کیا ہے

بہرحال یہ تو جملہ معترضہ تھا جو آئینہ دکھانے کے لیئے ہم لکھ گئے بات عظمت قرآن کی ہو رہی ہے اور یہ سب سے بڑی حقیقت ہے جسے ابن مسعود ابن عباس اور دوسرے جلیل القدر علماء مفسرین نے مختلف طور پر تحریر کیا کہ قرآن مجید کے ایک ایک نقطے کی تشریح و توضیح میں بعد رسول کوئی بھی حضرت علی کا ہمسر نہیں تھا جب اس وقت نہیں تھا تو یہ کچی پکی روٹی پر پڑے ہوئے دو رکعت کے ملا کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ جمعیت کی رکنیت شریعت پر حجت نہیں ہے۔ مولائے کائنات حضرت علی نے قرآن کے بارے میں کیا فرمایا ہے یہ ہم بعد میں مفصلا تحریر کریں گے عرب کے سابق علماء اور ایران کے ماہرین اسلامیات نے جو یادگار تفسیریں ہمارے پاس چھوڑی ہیں ان کے نزدیک تفسیر حل لغات اور بیان اسلوب کا نام تھا۔ ترکیب نحوی۔ تحلیل صرفی۔ بیان حقیقت مجاز اقوال علماء اور اختلاف قرات یا بعض تاریخی حوالوں اور فقہی نکتوں پر تفسیر ختم ہو جاتی تھی۔

فلسفہ یونان اور عقائد کے اثبات اور اختلاف علماء کے پھیلنے سے یہ رجحان پیدا ہوا کہ قرآن مجید سے اپنے اپنے دعووں سے دلیلیں دی جائیں یہیں سے امت میں ساری برائیاں اور اختلاف شروع ہوا اور الحمد للہ اس کے بانی ہم نہیں بلکہ معتزلہ اشاعرہ مجسم مرجیہ ماتریدیہ جیسے فرقوں نے تفسیر کو مناظرہ میں تبدیل کر کے مسلمانوں کو کافر بنانا شروع کر دیا اور پھر بات مناظرے پر نہیں رکی بلکہ مجادلے اور مقاتلے تک پہنچی آخر کار تفسیر شکوک و اوہام و ابہام کا شکار ہو گئی اور فخر الدین رازی نے اس انداز پر



آخری کتاب لکھ کر یہ موضوع ختم کر دیا اب تفسیر کی قسمیں کی جانے لگیں۔ تفسیر ادبی۔ تفسیر تشریحی۔ تفسیر کلامی۔ تفسیر صوفی۔ تفسیر فلسفی۔ تفسیر ادبی میں ہماری کتابوں میں شیخ ابو جعفر طوسی کی "التبیان" جامع ترین کتاب ہے دوسروں سے ہمیں غرض نہیں۔

تفسیر تشریحی:۔ اس میں طبری نے خاص محنت کی لیکن سیوطی کی در منثور متاخرین میں مشہور ہے ہمارے یہاں احادیث و ارشادات ائمہ طاہرین کا ذخیرہ ہاشم بحرانی نے البرہان میں جمع کیا۔

تفسیر کلامی:۔ معتزلہ و اشاعرہ کی بحث کا تعلق تیسری صدی ہجری سے ہے۔ زمخشری نے کشاف اور فخر الدین رازی نے فتوح الغیب میں اس علمی بحث کو میدان جنگ میں بدل دیا۔ ہمارے ہاں ابو الفتح رازی اور کاشانی ملا صدر شیرازی اور سب سے آخر میں مولانا سید علی حائری لاہوری نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا رحمتہ اللہ علیہم

تفسیر صوفی:۔ میں وحدت الوجود اور کشف و شہود پر اعتماد کا دور شروع ہوا تو ابن عربی سے لے کر امام غزالی تک کے تاثرات قرآن مجید کی تفسیر پر اثر انداز ہوئے شیعوں میں اس انداز کی ہلکی سی جھلک تفسیر صافی میں پائی جاتی ہے۔

تفسیر فلسفی:۔ فلسفہ قدیم ترین علم ہے جو یونان سے شروع ہوا بلکہ اس سے قبل بھی اس کے قلت اور ہمکمل اثرات نے ذہن بشر میں خاصی توڑ پھوڑ کی یونانی فلسفہ الہیات طبیعیات کے مفروضات و معقولات پر شروع ہوا مذہب کی نئی نئی تعریفیں جدید تشریحات فقہی مسائل تطبیقی اور انداز نے رسالتمآب کے آفاقی اور سیدھے سچے پیغام کو فلسفہ کی موشگافیوں میں الجھانے کی کوششوں اور الٹی اشکالات کو نئے انداز سے سمجھانے کی سعی ناکام نے عوام کو ذہنی آوارگی اور فکری پراگندگی میں مبتلا کر دیا۔ علمی مزاج اور ادب سے دوری نے علماء کو نئے نئے چیلنج دیدیئے۔

حالانکہ ضرورت اس امر کی تھی اور ہے کہ قرآن مجید میں خالصتاً شعور دینی حقیقتوں سے لبریز ازبان تعلیمات رسول و مابعد رسول وارثان رسول کے ارشادات سے بھرپور واقفیت کے بعد نئے مسائل کا جائزہ لیا جاتا تو یہ صرفی و نحوی ملا خود بھی قرآن جیسی نعمت سے فیض اٹھاتے اور بچے کھچے اور وابستگان در علوم شہر رسالت سے لوگوں کی تکفیر بے جا کر کے اپنے لیئے دنیا و آخرت میں بربادی بھی مول نہ لیتے مگر قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے آخر جہنم بھی تو بھرنا ہے۔



# پانچواں باب

## قرآن اور شیعوں پر کیا گزری

بڑے دکھ کے ساتھ یہ سانحہ بھی تحریر کرنا پڑ رہا ہے کہ خداوند عالم کی عظیم اور آخری کتاب جسکا ہر ہر حرف لوح محفوظ کا مقدر ہے۔ جو لب اعجاز رسالتماب سے پھوٹا اور اس زبان سے جاری ہوا جو کوثر سے دھلی ہوئی تسنیم سے چھلکی ہوئی وحی الہٰی کے لہجے میں تھی یہ عظیم کتاب جس نے ازل سے ابد تک کے فصیحوں اور عرب کے بلیغوں کے ناطقے بند کر دیئے۔ جسکی اعجاز بیانی نے امرا القیس کے جاہلانہ شعر و ادب کی دھجیاں اڑا دیں جس کتاب مقدس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے خود کو اہل زبان اور سب کو بے زبان سمجھنے والے گونگے ہو گئے جس کتاب نے سینکڑوں قبیلوں اور ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو امت واحدہ کی ڈوری میں پرو دیا۔ دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو محبتوں اور اخوتوں کا آب کوثر دیا۔ انما المومنون اخوہ☆ کا آفاقی مژدہ سنایا جس عظیم کتاب نے وحشیوں کو انسان اور انسان کو مسلمان اور مسلمان کو مومن کے درجے تک پہنچایا۔ عرب کے بدوؤں وحشیوں اور لٹیروں کو تہذیب و تمدن سے آشنا کیا بقول جوش

آنچ کو ایسا بنا دامان مریم کر دیا
سرخ شعلوں کو نچوڑا موجہ یم کر دیا

انسان دشمنی کی جگہ انسان دوستی کا درس دیا۔ حقوق بشر کی پامالی کے وحشیانہ مراسم کی

جگہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی کے حقوق کا پاسدار ہی نہیں امین بھی بنایا۔
روشنی دی چراغ دکھائے ہدایت عطا کی صراط مستقیم دکھائی۔ جزائے خیر کی خبریں دیں
مومنین و صالحین کے لیئے جنت نعیم کی بشارتیں دیں۔ کافرین متکبرین منکرین و منافقین
کو خوفناک اور کبھی نہ ختم ہونے والی سزا کی خبریں پہنچائیں۔ بغاوت و طغیان میں مبتلا
قوموں پر اللہ کے عذاب بیان کیئے انبیاء و رسل کی توہین و تکذیب کرنے والوں کا
عبرت ناک انجام بتایا۔ قوم عاد و ثمود و بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کے قصے بیان کیئے
نوح اور لوط جیسے انبیاء کی بیویوں کی خیانت پر انھیں جہنمی قرار دے کر قانون بنایا کہ
صرف کسی عورت کا نبی کی بیوی ہونا۔ کسی شخص کا قربت پیغمبر میں بیٹھنا دلیل فضیلت
و بزرگی نہیں ہے ایمان و عمل صالح بھی ضروری ہے تفکر کی دعوت دی تدبر کی طرف
متوجہ کیا تعقل پر آمادہ کیا وارثان کتاب کی نشاندہی کی اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم
دیا اولی الامر کی تعریف فرمائی۔ ہادیان برحق اور معصوم سلسلہ امامت کے واضح اشارے
دیئے علی کی ولایت کا اعلان کیا نعمتیں تمام کیں اسلام کی تکمیل کا مژدہ سنایا اپنی رضا کا
پیمانہ بھی بتایا ——— مگر!

ہائے قرآن تیری قسمت! کہ تیری قدر نہ کی گئی تیرے اوراق جلائے گئے تیرے
نسخے مختلف بلاد اسلامیہ سے منگوا کر نذر آتش کیئے گئے تیرے ترجمے بدلے گئے تیری
ترتیب نزول بدل گئی تیری مکی آیتوں کو مدنی اور مدنی کو مکی بنادیا گیا تیری پہلی آیت کو
درمیان میں اور آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم ☆ کو کہیں اور رکھدیا گیا
تجھے آنکھوں سے لگانا چاہئے تھا تجھے جان بچانے کے لیئے اور دھوکہ دہی کے لیئے
استعمال کر کے نیزوں پر چڑھایا گیا اے اللہ کی مقدس کتاب ہمیں شرمندگی ہوتی ہے یہ
لکھتے ہوئے کہ تجھے ولید ابن یزید ابن عبدالملک ابن مروان نے صرف اس خطا پر
دارالامارہ کے دروازے پر لٹکا کر تیروں سے چھلنی کر دیا کہ تو نے اس ملعون حاکم کی



نیت و ذہنیت کے متعلق فال دیدی تھی اے اللہ اور رسول کے عظیم ترین اور ناقابل
تغیر قرآن ہم شرمندہ ہیں کہ رسول خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی ہندہ جگر خوارہ کے
حواریوں کا زور اتنا بڑھا کہ تیرا برسرعام مذاق اڑایا گیا تجھ پر تیر برسائے گئے اور تیر
برسانے والے لعین ولید! جس نے تجھے تیروں سے چھلنی کر دیا تھا مسلمانوں نے اسے
سنگسار نہیں کیا بلکہ اس کا نجس نام بدنسب ملا نماز کے خطبوں میں ادب و احترام کے
ساتھ لیتا رہا حالانکہ اس نماز کی تعلیم تو نے ہی تو ان مسلمانوں کو دی تھی ہمیں صدمہ
ہے مگر اے قرآن عظیم ہمیں معاف کر دینا کہ ہم اس زمانے میں اتنے طاقتور نہیں
تھے ورنہ تو تو جانتا ہے کہ تیرے رسول کی شان میں گستاخی کے مرتکب کو ہم شیعوں
ہی کے عظیم مجتہد اعظم آیت اللہ و رہبر کبیر انقلاب اسلامی نے واجب القتل قرار دیا
ورنہ تیرے ماننے والے بھی ایک سیاسی جلوس نکالکر شیطان رشدی کو بھول گئے مگر ہم
اسوقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک شیطان رشدی کو واصل جہنم نہ کر
دیں یہ ہمارا تجھ سے اور تیرے رسول سے وعدہ ہے۔ اے ہمارے عظیم کبریا کی عظیم
کتاب ہم تو وہ وقت بھی نہیں بھولے جب تیرے رسول کی اکلوتی وارث دربار
حکومت میں تیری آیتیں اپنے حق میں پڑھ رہی تھی عدالت و عدل کا تقاضہ تو یہ تھا کہ
آیتوں کا احترام کیا جاتا دختر رسول کو عزت دی جاتی مگر تیرے ماننے والوں نے وراثت
کی بیسیوں آیتوں کے مقابلے میں ایک لاوارث حدیث پیش کر دی یعنی ایک مجہول
روایت کے خنجر سے تیری بیسیوں آیتوں کو ذبح کر ڈالا اور ساتھ ساتھ رسول خدا کی
سب سے بڑی آیت (نشانی) فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو بھی محروم واپس کر دیا یہ
توہین قرآن کا پہلا عظیم سانحہ تھا یہ اتنا بڑا حادثہ تھا اور حق کشی کی ایسی مکروہ مثال تھی
جس کے لیئے مصنف کا قلم تا حشر روتا رہے گا۔

اے قرآن! مقدس تیری آیت آیت پر ہم شیعوں کی جان قربان تیرے حرف حرف پر

ہمارا ایمان علی کے دروازے کی غلامی پر فخر کرنے والے اور خاک مدینہ و نجف کو اپنی آنکھ کا سرمہ بنانے والے مصور پاکستان نے تیری حمایت ہی میں تو کہا تھا اور ہندو ساز فیکٹری کے ملاوں کے خلاف سچ ہی کہا تھا۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اب ہمیں نہیں پتہ کہ کافر کون؟

رہا ہماری خونچکاں داستان اور زخم زخم تاریخ وہ بھی تجھ سے ہی ملتی جلتی ہے ہماری بھی رگیں ٹوٹ رہی ہیں ہماری تاریخ کی آنکھوں سے بھی لہو بہہ رہا ہے ہماری مختصر تاریخ تو چار مصرعوں میں یہ ہے کہ

کاٹے گئے ہیں جب بھی سادات کے گلے
تاریخ کہہ رہی ہے مسلماں کے ہاتھ سے
ہم نے پیا ہے جام شہادت جہاں کہیں
یہ ناز ہے کہ حافظ قرآں کے ہاتھ سے

تجھ پر زبانی ایمان لانے والے نام نہاد اسلامی ٹھیکیداروں نے پہلا الزام تو ہم پر یہ لگایا کہ ہم حافظ قرآن نہیں حالانکہ ہمارے حفاظ قرآن کی ایک طویل فہرست ہے مگر ایسے حافظ قرآن نہیں ہیں جو رسول کو امی کے معنی میں معاذ اللہ ان پڑھ کہیں الم نشرح لک صدرک ہو کی تفسیر میں میرے رسول کا سینہ چاک کر کے غلاظت نکال کر نور بھرنے کی بے ہودہ روایات نقل کریں ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم ایسے حافظ قرآن نہیں جو ابراہیم خلیل اللہ جیسے جد انبیاء پر تین جھوٹ ثابت کریں ہم ایسے حافظ قرآن نہیں ہیں جو رسول کو اپنے جیسا بشر کہہ کر دائرہ ایمان سے خارج ہو جائیں ہم ایسے حافظ قرآن نہیں ہیں جو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ہماری زبان جل جائے۔ نقل کفر کفر



نباشد قرآن مجید کو پیشاب سے لکھنا جائز قرار دیدیں (حوالہ فتاوی قاضی خان ص ۳۸۰ ج ۳) ہم ایسے حافظ قرآن نہیں ہیں جو قرآن کے نسخے کے نسخے جلا دیں اور پھر بھی مسلمان کہلائیں

وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

ہم ایسے حافظ قرآن نہیں ہیں جو زکواۃ کی ڈھائی فیصد حکومت وقت کو ٹیکس کے طور پر ادا نہ کرنے کے جرم میں ساڑھے سات سو حافظان قرآن کو تہ تیغ کر کے بھی مسلمان رہیں ہم میں اور نام نہاد صاحب بینات حصہ دوم کے جملہ اہل قلم میں بس یہی فرق ہے کہ نجدیوں۔ خارجیوں اور ہندہ جگر خوارہ کی باقیات نے ایسے حافظ قرآن پیدا کیئے جو اپنی جان بچانے کے لیئے قرآن کو نیزوں پر بلند کر دیتے ہیں اور وارثان قرآن یعنی ائمہ معصومین علیھم السلام کے ماننے والے شیعوں نے ایسے حافظ قرآن پیدا کیئے جنھوں نے قرآن بچانے کے لیئے خود اپنے سروں کو نیزوں پر بلند کر دیا۔ سلام اور لاکھوں سلام اس وارث قرآن حسین ابن علی پر جس نے ہندہ کے پوتے یزید کے اس اعلان پر کہ کوئی وحی نہیں آئی تھی کوئی نبی نہیں تھا۔ یہ بنی ہاشم کا ایک ڈھونگ تھا جو انھوں نے اقتدار کی خاطر رچایا تھا سارا گھر لٹا دیا ہمیں کافر کہنے والو! حسین کی آخری آرامگاہ کو تو قرآن بھی سلام کر رہا ہے جس نے سر دے کر ابوسفیانی منصوبے کو خاک میں ملا دیا ورنہ آج "بینات والے" باقیات ابوسفیان یزید کا کلام پڑھتے قرآن نہیں۔

ہماری تحقیقی کاوش اور مدلل انداز فکر نیز احقاق حق و ابطال باطل سے مزین تحریر کو ہمارے معزز قارئین نہ تو جذباتی انداز فکر خیال فرمائیں اور نہ خطابت! اسلیئے کہ کسی بھی مذہب و مسلک کے بارے میں حمایت یا مخالفت کے بارے میں کچھ بولتے ہوئے لکھتے ہوئے انتقامی جذبہ مقرر یا مصنف کے دل و دماغ پر اگر حاوی ہوجائے تو عدل و

شامل ہیں خصوصی شاہی فرمان کے ذریعہ حضور کے روضہ کی جالی تو کیا تعویذ منبر کی زیارت کو بھی جائز قرار دیدیا جائے شریعت نہ ہوئی بادشاہ کے ہاتھ میں موم کی ناک ہو گئی جب چاہا جس طرف چاہا حسب دل خواہ موڑ لیا بدعت و کفر کے فتوے نہ ہوئے بندر کے ہاتھ ناریل آگیا جب چاہا کسی راہ چلتے مسافر کے سر پر دے مارا۔ ہم ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ قرآن کو شیعوں کی وجہ سے سزا دی گئی یا شیعوں کو حکم رسول اکرم تمسک بالقرآن و اہل بیت کے جرم میں وکافر گردانا گیا وجہ کچھ بھی ہو تاریخ کے ہر موڑ پر گزشتہ چودہ صدیوں میں قرآن و شیعوں ہی کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا گیا قرآن کی آیتوں پر بادشاہان وقت کے چشم و ابرو کے اشارے سے چھری چلائی گئی کبھی تفسیر بدلی کبھی کبھی تاویل و تنزل پر خون مسلم سے ہولی کھیلی گئی کبھی قرآن مجید جیسی الہامی کتاب پر جس نے فصحائے عرب اور بلغائے مکہ اور صاحبان سبع معلقات کو اپنی عظمت و جلالت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر کے یہ کہنے پر آمادہ کر دیا تھا کہ ماھذا کلام البشر جاہل لعنت والوں کی گود میں ڈال دیا گیا اور شیعوں کو قرآن دوستی کی سزا میں کافر بدعتی۔ رافضی۔ فاسق فاجر مرتد واجب القتل کہ کر دی اور اب بیرونی سرمائے کی شہ پر ASS کے ٹچوں نے براہ راست ببانگ دہل تحریرا تقریرا۔ شرارتا کافر کافر کہنا شروع کر دیا۔ وہی سلوک جو ماضی میں مسٹر سفیان اور مسٹر ابوسفیان نے رسول اکرم اور صحابہ کرام کے ساتھ روا رکھا تھا یعنی مارنا پیٹنا گھر جلانا قتل کرنا شعائر اللہ کو نذر آتش کرنا آج امام بارگاہوں علم تعزیہ جلوس عزاء اور مظلوم کربلا کے ساتھیوں کے گھروں کے ساتھ کیا جا رہا ہے جو آتش انتقام سفیانیت کا نشانہ بنے ہوئے ہیں مسجد تو مسجد ہے شیعوں کی ہو یا غیر شیعوں کی ہے وہ تو اللہ کا گھر اگر کسی مسلمان کا گھر بغیر قرآن کے مکمل نہیں ہوتا تو مسجد جو اللہ کا گھر ہے اسمیں قرآن مجید کے نسخے نہ ہونا امر محال ہے افسوس کا مقام ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں کراچی۔



لاہور۔ ڈیرہ اسماعیل خان۔ شور کوٹ۔ جھنگ۔ فیصل آباد۔ ملتان اور پاکستان کے ہر شہر میں مسجدوں کو نذر آتش کرنے والے ASS کے سفیانی مزاج اور مروانی طینت رکھنے والوں نے اللہ کے گھر کو بھی شیعوں کا گھر سمجھ کے نذر آتش کر دیا اور ان مسجدوں میں رکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخوں کو بھی اللہ کا کلام نہیں شیعوں کا قرآن سمجھ کر جلا دیا ہمیں اپنے لٹنے یا اپنے مرنے اور اپنے گھروں کے تاراج ہونے کا نہ تو غم میں بعد رسول افسوس رہا اور نہ کربلا میں خیام اہل بیت رسول اور در بتول پر آگ لگانے کے بعد کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ بھی ابوسفیانی مزاج کا ایک حصہ ہے جو اس کے فرزند پوری دیانت داری سے ادا کر رہے ہیں لیکن احراق قرآن مجید پر ہم ضرور ماتم کناں ہیں کہ یہ ظلم عظیم کس کی شہ پر برپا ہوا اور کیوں؟ کہیں قرآن کو اہل بیت رسول سے وفاداری کی سزا تو نہیں دی جا رہی جس طرح شیعوں کو جرم محبت علی میں تہ تیغ کیا جاتا رہا ہے اور کیا جا رہا ہے اور تہ تیغ کرنے کے عزائم A.S.S. کے دامنوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ قرآن تو اللہ کا معصوم کلام ہے وہ بولتا نہیں لیکن نبی کے لہجے کو ضرور سمجھتا ہے آپ کے ارشاد کی تعمیل کو اپنے لیے وجہ افتخار سمجھتا ہے یہ حقیقت ہے اور بڑی حقیقت ہے کہ قرآن نے کبھی بھی ایک لمحے کے لیے اہل بیت سے بے وفائی نہیں کی اس نے تو نوک نیزہ پر بھی اہل بیت کا ساتھ نہیں چھوڑا اور تخت حکومت پر بھی اپنے غاصبوں کو محق نہیں بتائے۔

چھٹا باب

# مسئلہ تحریف قرآن

مسئلہ تحریف قرآن چودہ سو برس سے مسلمانوں کے درمیان اختلافی اور محل نظر رہا ہے اسمیں مختلف مکاتب فکر کے مستند مفسرین جید علماء اور فہم القرآن کے دعویدار دانستہ یا نادانستہ طور پر مبتلا رہے کتابیں کی کتابیں لکھی گئیں ناسخ و منسوخ کی بحثیں چھڑیں محکم اور متشابہ آیتوں میں الجھاو پیدا کیا گیا آیات کے تقدم و تاخر کا سہارا لیا گیا۔ تنزیل و تاویل میں الجھے۔ تفسیر و تشریح کی اصطلاحات ایجاد کیں اور یہ لایعنی اور بے معنی بحثوں نے سیدھے سادے اور سچے مسلمانوں کو اپنے پیچیدگی اور تکنیک کے دوراہے پر کھڑا کر دیا کہ جہاں سے حقیقت قرآن اور روح قرآن کی صاف ستھری اور نورانی صراط مستقیم چشمہ آب حیات کے بجائے ایک سراب نظر آنے لگی۔ اللہ کی وہ مقدس اور آخری کتاب جو اپنی اعجاز بیانی اور ملکوتی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بے مثل و بے مثال ہے جسکی تعلیمات کو اب تک پوری ذہن انسانیت پر محیط ہو جانا چاہئے تھا۔ مسجدوں مدرسوں تراویحیوں گھروں کے طاقوں اور جزدانوں کی زینت بن کر رہ گئی یہ سب کچھ مذکورہ بالا مساعی نامشکور کا نتیجہ ہے کہ مسلمان آپس میں بسم اللہ سے لے کر والناس تک کی اختلافی بحثوں میں الجھ کر رہ گئے تو قرآن کا آفاقی پیغام جملہ بنی نوع انسانی تک کیسے پہنچتا ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان چودہ صدیوں میں قرآن دانی کے دعویدار نادانوں نے نہ تو **یتلوا علیھم ایاتہ☆** کا مقدس فریضہ ادا کیا



اور نہ نفوس بشریت کو پاک کرنے کی کوئی خوشگوار کوشش کی اور نہ ہی مذہبی عقائد کے اعتبار سے بیمار انسانیت کو علم کتاب و حکمت کے ذریعہ مسیحائی عطا کی ۔ مقاصد بعثت کو پس پشت ڈال کر مسجدوں میں قرآن پڑھنے کو تبلیغ اسلام سمجھ لیا گیا جنگ و جدال اور جہاد فی سبیل الملوک کو اشاعت اسلام کا کارگر ہتھیار گردانا گیا جو سراسر احکامات قرآن تعلیمات نبوی اور منشائے الٰہی کے خلاف تھا۔ امت واحدہ جسے ساری امتوں کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنا تھا تعصب فرقہ واریت قتل و غارت گری اور اپنے ہی بھائیوں کی نسل کشی میں مصروف ہو گئی۔ جسکا شرمندہ نتیجہ آج آپ کے سامنے ہے کہ توحید کے پرستار تثلیث کے دریوزہ گروں سے استحکام اقتدار اور تحفظ جان و مال کی بھیک مانگ رہے ہیں! فاعتبروا امت ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرے کہ جس کتاب کو وحی ربانی اور ارشادات خداوندی کے مجموعہ ہونے کا شرف حاصل ہے جس کتاب کی معجزبیانی نے جن و انس کی روح و عقل سے جوہر مقابلہ سلب کر کے انھیں خدائے واحد کے سامنے سر بسجود کر دیا جسکے ایک فقرہ کی مثل باسواتِ دُنیا کی تمام طاقتیں مل کر بھی لانے سے عاجز و قاصر ہوں اور رہیں گی ہم کیا ہمارا فہم کیا ہمارا علم کیا ہماری فکر کیا ہماری بساط کیا ہماری حیثیت کیا ہماری اوقات کیا اس کتاب کے ظاہرو باطنی محاسن اگر دیکھنا ہوں تو خطیب منبر سلونی امیرالمومنین حضرت علی کی نگاہ سے دیکھو۔ نبی کے بعد ساری کائنات میں فرزند ابوطالب کے علاوہ قرآن کے اسرار اور رموز سمجھنے والا کوئی بالغ نگاہ پیدا نہیں ہوا یہ علی ہی تھے کہ جنھوں نے دعوی کیا کہ مجھ سے پوچھو کونسی آیت بر میں نازل ہوئی۔ کونسی بحر میں۔ کونسی آیت سرجبل نازل ہوئی اور کونسی سطح سہل پر یہ صرف علی ہی تو تھے جو تربیت سرور کائنات کا نقش اول تھے اور باب مدینۃ العلم۔ جنھیں نبی نے ہزار باب علم کائنات کے تعلیم کیئے اور ہر باب سے ہزار باب ان کی فکر رسا نے تخلیق کیئے آیئے قرآن ناطق کی زبانی قرآن

صداقت کی عظمت و بزرگی سے اپنے ایمان کو جلا ایقان کو تقویت اور اسلام کو استحکام پہنچائیں۔ باب مدینۃ العلم کے خطبات عالیہ صرف توحید و نبوت پند و نصیحت۔ تحقیق و ایجاد و صالح مومنین و منافقین کی تعریف مجاہدین۔ صدیقین و شہداء و صالحین۔ اسرار رموز و حکمت۔ سیاست مدن۔ حاکم و رعایا کے حقوق و فرائض فنون حرب میدان جنگ میں مومن کی ثابت قدمی منافق کی بے چینی و بزدلی۔ طلحہ و زبیر کی حالت زار۔ شام کے باغی صوبیدار صفین و جمل کے عاقبت نااندیش کلہ گو کے لیئے برہان قاطع اور قرآن ناطق ہی نہیں ہے بلکہ متعدد مقامات پر نہج البلاغہ صفحات کے صفحات عظمت قرآن مقصود وحی سے لبریز و مزین نظر آتے ہیں ہم ان تمام عناوین سے قطع نظر صرف عظمت قرآن پر باب مدینہ علم کے متعدد خطبوں میں سے ایک خطبہ کا ایک اقتباس نذر قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ان ہی کا ارشاد ہے کہ

**ان القران ظاهره انيق و باطنه عميق لا تفنى عجائبه و لا تكشف الظلمات الا به** ☆☆

قرآن مجید کا ظاہر خوشنما اور عجیب ہے باطن گہرا اور عمیق ہے اور اس کے حیران کن عجائبات کبھی فنا نہیں ہوں گے اور کسی قسم کی تاریکیوں کے پردے اسکے بغیر چاک نہیں ہوں گے یہ کتاب اللہ کا ایسا گھر ہے جس کے ستون کبھی منہدم نہیں ہوں گے ایسی عزت ہے جس کے اعوان و انصار شکست کا منہ نہ دیکھیں گے۔ یہ خدا کی مضبوط و مستحکم رسی ہے۔ روشن نور ہے شفائے نافع اور صحت کامل پیاس بجھانے والا خوشگوار پانی جو اُسے مضبوطی سے پکڑے گا وہ معصیت گناہ غلطی اور خطا سے بچا رہے گا اس قرآن سے حقیقی تعلق رکھنے والا نجات پاتا ہے اس کا بار بار پڑھنا کثرت سے سننا کہنگی پیدا نہیں کرتا جس نے قرآن کے ذریعہ بات کی اس نے سچ کہا جس نے اس پر عمل کیا وہ سبقت لے گیا یہ کلام خدا اپنی خاموشی کے باوجود تمہاری رہبری کرتا ہے



اس کے سینے میں ہر آنے والی بات کا علم گزشتہ زمانے کی باتیں تمہارے امراض کی دوا ہیں اسمیں تمہارے درمیان اتحاد یگانگت اور اجتماعی زندگی کی پوری صلاحیت ہے۔ یہ قرآن ایسا ناصح ہے جسکی عظیم نصیحت میں کھوٹ نہیں ایسا بہترین رہنما ہے جو گمراہ نہیں کرتا ایسا بات کرنے والا ہے جو کبھی جھوٹ نہیں بولتا جو اس کے پاس بیٹھتا ہے حسب ظرف زیادتی اور کمی لے کر اٹھتا ہے۔ زیادتی ہدایت ہے اور کمی گمراہی قرآن کے بعد کوئی احتیاج باقی نہیں رہتی اور قرآن کے بغیر بے نیازی نہیں ہوتی۔ اسی کے ذریعہ سے اپنی بیماریوں کا علاج کرو اسی کے ذریعہ سے اپنے مسائل روزگار اور شدائد زندگی میں اللہ کی مدد چاہو کیونکہ اسمیں بڑی بڑی مہلک بیماریوں کی شفا ہے اور وہ بیماریاں شرک کفر اور نفاق اور راہ خدا سے بھٹک جانا ہے اسی کے ذریعہ سے آخرت کی سعادت کو طلب کرو اسے اپنی خواہشات نفسانی کے حصول کا ذریعہ اور واسطہ نہ بناؤ کیونکہ یہ طریقہ اللہ کے خاص بندوں کا کبھی نہیں رہا اس کے بعد مولائے کائنات فرماتے ہیں سنو! وہ دن آنے والا ہے جسمیں صرف قرآن اور اعمال کی کھیتی ہری بھری ہوگی جو کشت قرآن میں اوقات زندگی صرف کرے گا وہ عمل کی ابتلائی کشمکش میں مبتلا نہیں ہو گا اسے (بھی) اللہ تک رسائی کے لیئے اپنا رہنما بناؤ اپنے نفسوں کے خلاف اپنا مشیر قرار دو جو تصورات و خیالات اس کے خلاف رونما ہوں انھیں غلط سمجھو یہ ایسا نور ہے جسکی شمع کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی ایسا روشن چراغ ہے جسکی روشنی کبھی خاموش نہیں ہو گی یہ کتاب ایسا گہرا سمندر ہے جسکی کوئی تھاہ نہیں ایسا چوڑا چکلا راستہ ہے جسمیں گمراہی کا اندیشہ نہیں یہ ایسی شعاع نورانی ہے جسکی روشنی میں تاریکی کا شائبہ نہیں۔ ایسی حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے جسکی روشن دلیلیں ماند نہیں پڑتیں یہ ایسا قصر بیان ہے جسکے ستون کمزور نہیں پڑتے جسکے ارکان منہدم نہیں ہوتے یہ ایسی تجلی ہے جسکے انصار شکست نہیں کھاتے ایسی صداقت و حقیقت ہے

جس کے مددگار رسوا نہیں ہوتے یہ جان ایمان کی کان ہے اور روح ایمان کی جان ہے یہ علم کا سرچشمہ بلکہ علوم کا سمندر ہے اسکی آغوش میں عدل و انصاف کے سرسبز باغات نصب ہیں جنکی سیرابی کے لیئے دریا دل (دل جھتیاں) ہیں۔

یہ کتاب اسلام کی بیخ و بن اور ایمان کی نیو اور بنیاد ہے اسمیں حق کی وادیاں پھیلی ہوئی ہیں صداقت کے اشجار اگے ہوئے ہیں اعمال کی کھیتیاں لہرا رہی ہیں یہ ایسا سمندر ہے جو فائدہ اٹھانے والوں کی کثرت سے کم نہیں ہوتا۔ یہ ایسا گھاٹ ہے جس پر وارد و صادر کی زیادتی سے کمی نہیں ہوتی یہ ایسی منزل ہے جس پر ٹھہر کر چلنے والا کبھی بھٹکتا نہیں یہ کتاب ایسی بلند چوٹی ہے جس سے اونچا جانے والے ہلاک ہو جاتے ہیں یہ علماء کی علمی پیاس کے لیئے آب حیات ہے فقیہوں کی فرحت قلبی کے لیئے بہار ہے نیک انسانوں کے لیئے پرامن شاہراہ ہے یہ ایسی دوا ہے جسکے بعد بیماری نہیں ایسی روشنی ہے جس کے بعد تاریکی نہیں۔ ایسی مضبوط رسی ہے جسمیں کمزوری نہیں۔ایسا مستحکم قلعہ ہے جسکی بلند چوٹی کو پرندہ پر نہیں مار سکتا یہ اس کے لیئے عزت و رفعت ہے جو اسے اپنا والی بنائے اور اس کے لیئے مامن و ماوی ہے جو اس کے ذریعہ سلامتی کا خواہاں ہو قرآن مجید مناظرہ کے لیئے بے نظیر دلیل ہے مخالف کی بولتی بند کرنے کے لیئے بے مثل ہتھیار ہے منہ آنے والوں کے لیئے منہ توڑ جواب ہے۔

مولائے کائنات کے اس مختصر بالشان فصیح و بلیغ خطبہ برہان برشان قرآن کے بعد چنداں ضرورت تو نہیں کہ باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرمودات اسی موضوع پر نذر قارئین کیئے جائیں تاہم مومنین کی تقویت ایمان کے لیئے اور ناصبیت و خارجیت و یزیدیت کی دائمی شکست و نقصان کو یقینی بنانے کی لیئے مختصر ارشادات تحریر کیئے جاتے ہیں۔

نمبرا نہج البلاغہ ج ۲ ص ۷: پر حضرت علی نے فرمایا جسکا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے بندوں



کو حکم نہیں بنایا بلکہ قرآن کو حکم بنایا ہے اور یہ قرآن وہی ہے جو بین الدفتین مسطور ہے۔

نمبر۲ احتجاج طبرسی ص ۲۳۲ امام تقی نے فرمایا کہ تمام امت اس بات پر مجتمع ہو گئی ہے اور ان میں کوئی اختلاف نہیں با تحقیق یہی قرآن حق ہے اور امت کے تمام فرقوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اور اس بات پر اجماع کرنے والے ماانزل اللہ ☆ کی تصدیق کرنے میں ہدایت یافتہ ہیں۔

نمبر۳ اصول کافی ص ۵۲ میں امام علی رضاؑ نے فرمایا کہ جب روایات اس قرآن کے مخالف ہوں تو میں انکی تکذیب کرتا ہوں اور انکو جھوٹا سمجھتا ہوں۔

نمبر۴ امام موسی کاظمؑ نے فرمایا کہ جب روایات میں اختلاف ہو تو ان کو اللہ کی کتاب پر پیش کرو۔ اور جو اللہ کی کتاب کے موافق ہو اسے لے لو اور جو مخالف ہو اسے چھوڑ دو ——— اصول کافی امام جعفر صادق نے فرمایا کہ نبی کا ارشاد ہے کہ ہر حق پر ایک حقیقت ہوتی ہے اور ہر درستگی پر ایک نور پس جو کتاب خدا کی موافق ہو لے لو جو مخالف ہو اسے چھوڑ دو ——— اصول کافی ص ۳۳۹۔

قارئین! ہم نے ارشادات ائمہ طاہرین علیہم السلام جس میں قرآن ناطق علی کا عظیم الشان خطبہ بھی شامل ہے کے علاوہ اپنے ثقہ ترین مفسرین بلند پایہ علمائے دین۔ اعلم دوراں مجتہدین کے اقوال و ارشادات تحریر کر کے تحریف قرآن سے متعلق ہمارے خلاف ASS کے کذب و افترا کے غبارے سے ہوا نکال دی اب ایسی ٹھوس اور قاتل تردید ائمہ معصومین علیہم السلام کی تصدیقات۔ علماء۔ فقہا و مجتہدین مذہب اثنا عشری کی تصریحات کے بعد سفیانی ٹولے کے پاس سوائے ہذیان بکنے سب و شتم کرنے اور ہٹ دھرمی کے جو ابو جہل کی خصلت ہے اور کوئی گنجائش فرار باقی نہیں۔

ایسے بھی قرآن متقین ہی کے لیئے ہدایت ہے جنکی گزشتہ نسلیں ابو سفیانی سلسلے سے

ملتی ہوں ان سے علم و عقل اور عدل کے دروازے پر سر جھکانے کا تصور کرنا بھی محال
ہے۔

قارئین!

یہ ہے قرآن کی بے زبان آیتوں کو لسان الٰہی لب عطا کرنے والے علی ابن ابی طالب کا قرآن کے بارے میں قصیدہ! سرزمین نجف سے برستی ہوئی ان قرآنی آبشاروں اور علمی فن پاروں کی موجودگی میں کتنا بھونڈا اور مضحکہ خیز ہے یہ اعتراض کہ معاذ اللہ ہم موجودہ قرآن کے کسی حرف یا کسی آیت پر یقین نہیں رکھتے ظاہر ہے شیعہ تو اسی کو کہتے ہیں جو علی کو اپنا امام ہادی رہبر معصوم منصوص من اللہ قرآن ناطق حجت خدا خلیفہ اللہ فی الارض۔ نائب رسول۔ وارث مسند نبوت۔ حقدار وراثت منصب ہدایت سمجھے۔ جانے مانے اور پہچانے!

رہا موجودہ ترتیب قرآنی کا مسئلہ قرآن کے متعلق علماء کا اتفاق ہے کہ اسکی ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہے مولانا اشرف علی تھانوی مقدمہ قرآن میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت پر سب سے پہلے سورہ **اقراء باسم ربک**☆ اور آخر میں **اذا جاء نصرا للہ**☆ نازل ہوا لیکن ۱۳۴۲ھ میں مصر میں جو قرآن مجید چھپا اس کے ٹائٹل پر لکھا ہے کہ **ہذا القرآن موافق فی الرسم المصحف سیدنا عثمان** ☆ اس قرآن مجید کے ص ۵۴۳ پر سورہ اقراء کے ذیل میں مرقوم ہے **وھی اول ما نزل من القرآن** ☆ اور صفحہ ۵۴۴ پر سورہ **اذا جاء نصر اللہ** ☆ الخ کے ذیل میں لکھا ہے وھی آخر ما نزل من السورہ یعنی سورہ اقراء سب سے پہلے اور سورہ اذا جاء سب سے بعد میں نازل ہوا اس طرح تمام سوروں کے بارے میں تحریر ہے کہ یہ سورہ فلاں سورہ کے بعد نازل ہوا جو موجودہ قرآن کی ترتیب کے بالکل خلاف ہے۔

ہم شیعیان حیدر کرار کے نزدیک سب سے پہلے **اقراء باسم ربک** ☆ نازل ہوا اور



سب سے آخر میں **یا ایہا الرسول بلغ** اور اس کے فوراً بعد **الیوم اکملت لکم دینکم** ☆ الخ کا نزول ہوا اس کے بعد سے باب نبوت بند ہو گیا اور وحی کے نازل ہونے کا سلسلہ ختم ہو گیا یہی وجہ برادران اہلسنت کی کتاب مفتاح النجاۃ و کتاب **ما انزل من القرآن و عمدہ ابن بطریق مناقب خوارزمی و کتاب خصائص الدلائل و فوائد السمطین** ☆

علامہ عنایت اللہ مشرقی اپنی جدید تصنیف تکملہ کے ص ۶ پر رقم طراز ہیں کہ چودہ سو برس میں مسلمانوں نے قرآن کو جس طرح پڑھا اور جس انداز سے سمجھا ہے اور اسکی مذہبی ہیں جو انکل پچو اور بے معنی باتیں پیش کر کے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب سے بیزار کر گئے ہیں وہ انداز غلط اور گمراہ کن تھے اس وجہ سے خود مسلمانوں میں وہ عزم و یقین جو قرن اول میں چند سو مسلمانوں کے دلوں میں وحی کے برحق ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے آج مفسرین قرآن کی خود رائی اور غلط بینی کے باعث دلوں سے محو ہو گئے ہیں۔

مکی مدنی سورتوں میں تخصیص اگرچہ مسلمانوں نے بے حساب کی اور کئی جگہ اختلاف ہے لیکن شان نزول کے اعتبار سے ان کی ترتیب غیر تاریخی ہی نہیں بلکہ اکثر اوقات غیر منطقی بھی ہے ہمارے نزدیک اور ہر مسلم الذہن انسان کے نزدیک یہ خدا کے پیغام کے ساتھ بڑی بے انصافی ہے کہ جس جاہ جلال اور جس ترتیب و ترکیب سے اس عظیم الشان الہامی کتاب نے لوح محفوظ سے قلب نبی پر بطور معجزہ نزول و جلال فرمایا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ انسان کے پاس آ کر ایک عالم کو تہ و بالا کرنے والی جماعت صدیوں تک پیدا کرتا جائے اس ترتیب و ترکیب کو برقرار نہ رکھا جائے بلکہ اس کی شان نزول کا خدوخال مٹا دیا جائے اور جب ایک عالم کو اس عظیم الہی کتاب سے مسخر کرنے والی جماعت کا ماحول دنیا سے ختم ہو جائے تو آنے والے لوگوں کو وحی گڈمڈ کر

کے علی الحساب پڑھنے کے لیئے دیدی جائے کہ جاؤ اس چیستان کو حل کرتے پھرو کہ رسول عربی نے کیونکر وہ ایمان والے لوگ پیدا کر دیئے تھے۔ قرآن مجید میں الٹ پھیر کے بارے میں نیز اسکے ترتیب نزولی پر مرتب نہ ہونے کے متعلق ہم نے جو کچھ مذکورہ سطور میں لکھدیا ہے اسکے بعد عبدالرحمن صدیقی کیا مقدمہ تنویر المقباس ترجمہ تفسیر ابن عباس میں یہ تحریر کرتا کہ سورتوں کی ترتیب میں صحابہ کے اجتہاد کو دخل نہیں بلکہ یہ ترتیب نبی کے ارشاد کے مطابق توقیف شارع پر مبنی ہے جس طرح سورتوں کی ترتیب مصحف عثمان میں ہے کہ لوح محفوظ میں اسی طرح تھی کیا وقعت رکھتا ہے لفظ تحریف حرف سے ماخوذ ہے اور باب تفعیل سے منسوب ہے جسکے لغوی معنی تغیر کے ہیں

المنجد ص ۱۱۰

تحریف قول کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کی اصلی حیثیت کو متغیر کر دیا جائے قرآن مجید جیسی معجزنما کتاب کے ساتھ لفظ تحریف کے استعمال سے اس میں جبری اور قہری طور پر کمی زیادتی کا امکانی خاکہ عوام کے ذہن میں آجاتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ موجودہ قرآن کے جامع کی علمی شخصیت مسلم نہیں ہے اور انھیں کسی زمانے میں اعلم زمانہ ہونے کی سند نہیں ملی اور وہ معصوم بھی نہیں تھے کہ جن سے خطا کا امکان بھی نہ ہو اور شاید ان ہی کی کمزور شخصیت اور علمی کم مایگی کی وجہ سے قرآن مجید کے ساتھ لفظ تحریف کا استعمال ہونے لگا کیونکہ اس کا یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بھی حضرت علی کی طرح منازل آیات سے واقف اور مفاہیم قرآن کے عارف تھے برخلاف اس کے ان کا عدم عرفان بالقرآن قطعی اور یقینی ہے ہمارے نزدیک ارشادات محمد و آل محمد علیہم السلام کی روشنی میں اس قرآن میں قطعاً کسی قسم کی کمی و زیادتی نہیں ہوئی البتہ اسکے ترتیب نزولی کے مطابق نہ ہونے سے انکار نہیں



کیا جا سکتا لیکن اس قرآن کی اہمیت و افادیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے ان علماء نے جنکی خدمات دین پر ہمارے مذہب کی بنیادیں استوار ہیں اس امر پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے کہ موجودہ قرآن میں قطعاً کسی قسم کی کمی و زیادتی نہیں ہوئی۔

نمبر۱ حافظ الاخبار حضرت ابو جعفر ثانی علامہ محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ ابن بابویہ قمی۔ علامہ صدوق رحمتہ اللہ علیہ فقیہ محدث المتوفی ۳۸۱ ہجری اپنی کتاب اعتقادات کے ص ۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ موجودہ قرآن کل کا کل وہ ہے جو نبی پر نازل کیا گیا یہی ہمارا قرآن ہے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں اور جو شخص ہماری طرف یہ نسبت دے کہ ہم قرآن کو موجودہ قرآن سے زائد کہتے ہیں وہ جھوٹا ہے۔

نمبر۲ سید مرتضیٰ عالم الہدیٰ متوفی ۴۳۶ ہجری کتاب الموضح من وجہ اعجاز القرآن اور جوابات مسائل طرابلسیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عہد رسول میں قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی اور مجموعی اسے حفظ کیا جاتا تھا اور عبداللہ بن مسعود اور ابی ابن کعب اور دیگر صحابہ نے آنحضرت کی خدمت میں کئی مرتبہ ختم قرآن کیا جو لوگ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں اور جنہوں نے ضعیف اخبار کو نقل کیا ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نمبر۳ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ ۴۱۳ ھ اپنی کتاب المقالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ امامیہ اثنا عشری اس بات کے قائل ہیں کہ اس قرآن میں کوئی سورہ کوئی آیت بلکہ کوئی کلمہ بھی کم نہیں ہوا۔

نمبر۴ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ المتوفی ۴۶۰ ھ اپنی کتاب البیان تفسیر تبیان میں رقمطراز ہیں قرآن مجید کے متعلق زیادتی اور کمی کے متعلق بھی عام مسلمانوں کی غالب اکثریت کا مذہب یہی ہے کہ کمی نہیں ہوئی اور ہماری جماعت شیعہ کا بھی یہی عقیدہ اور صحیح مذہب ہے۔

نمبر۵ علامہ طبرسی مشہدی محدث مفسر فقیہ المتوفی ۵۴۸ھ اپنی مشہور تفسیر مجمع البیان کے مقدمہ نمبر۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ موجودہ قرآن میں زیادتی کا ہونا بالا جماع باطل ہے اور کمی کے متعلق سنی شیعہ اہلحدیث نے روایات نقل کی ہیں کہ اسمیں کچھ تغیر ہے لیکن ہم شیعہ اثنا عشری کا اصل عقیدہ اور صحیح مذہب اس کے خلاف ہے بلکہ مستندیہ ہے کہ قرآن میں کمی نہیں ہوئی اور اس کی حمایت عالم الھدیٰ سید مرتضیٰ نے کی ہے اور اسی کو ثابت کیا ہے۔

جمہور مجتہدین شیعہ میں شیخ صدوق۔ طبرسی شامل ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی حضرت ملا فتح اللہ کاشانی نے اپنی تفسیر منہج الصادقین ج۱ ص۵ طبع ایران میں تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے متعلق ہمارا صحیح مذہبی عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مصئون است از زیارت و نقصان! یہی قول علامہ حلی کا بھی ہے یہی قول قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث کتاب مصائب النواصب میں تحریر فرماتے ہیں۔ تحریف قرآن کے جمہور امامیہ قائل نہیں یعنی یہ انتساب بالکل غلط ہے۔

علامہ غفران مآب مجتہد مجدد مذہب شیعہ اپنی کتاب عماد الاسلام ج ۳ ص ۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سلف کے اقوال جو ہم نے بیان کیے ہیں نہایت بدیہی طور پر اس امر کی شہادت ہیں کہ ہم نے جو کہا ہے کہ قرآن جو دونوں دفتیوں میں موجود ہے اس کا تواتر نبی کے زمانے سے ہمارے زمانے تک ثابت ہے اور عین حق کے مطابق ہے۔

سید العلماء مولانا سید حسین نے اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ طبع شاہی باب ۳ ص ۱۸۷ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرات آئمہ معصومین نے اپنے عہد میں اس قرآن کو سراہا اور صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ جو کچھ بین الدفتین موجود ہے یہی قرآن ہے اور یہی ہمارے لیئے حجت ہے اور یہی کچھ تفسیر لوامع التنزیل ج۴ ص ۲۲ میں بھی ہے۔ عہد حاضر کے مفکر حجۃ الاسلام علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا اپنی کتاب اصل



شیعہ واصولھا کے ص ۶۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں کوئی کمی نہیں ہوئی نہ زیادتی۔ مسلمانوں میں جو تحریف کے قائل ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ اس اعتقاد سے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ☆ کی تردید ہوتی ہے ہمارے اس پاک عقیدہ کی تائید میں بعض محققین اہلسنت نے بھی اقبالی بیانات دیئے ہیں۔

نمبر۱ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے ص ۱۳۹ پر اس کا اعتراف فرماتے ہیں کہ ہم (شیعہ) اس قرآن کو من و عن تسلیم کرتے ہیں اور ہمارا اسی پر ایمان ہے

نمبر۲ علامہ حافظ محمد اسلم جے راجپوری اپنی کتاب تاریخ القرآن ص ۶۳ میں زیر عنوان شیعہ اور قرآن تحریر فرماتے ہیں کہ جن کو کچھ بھی علم تھا انھوں نے تسلیم کیا ہے کہ قرآن ہر قسم کی کمی زیادتی سے پاک ہے پھر علماء شیعہ کے اقوال کے زیر حوالہ لکھتے ہیں کہ یہ ان علماء امامیہ کے اقوال ہیں جو اہل تشیع میں مشہور اور مستند ہیں اور ان کے اقوال میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے تقیہ کیا ہے کیونکہ ان میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے بعض علماء اہلسنت کی تردید میں کتابیں اور رسالے تحریر کیئے ہیں ان علماء امامیہ کے متعلق تقیہ کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ ابو جعفر قمی کی کتاب الاعتقاد اور ملا محسن کی تفسیر صافی یہ دونوں کتابیں شیعہ نصاب میں شامل ہیں اس لیئے یہ محال ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے خلاف اپنے فرقے کو تعلیم دیں۔

نمبر۳ مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور اپنی کتاب جمع قرآن کے ص ۸ پر لکھتے ہیں مسلمانوں کی اکثریت قرآن کو ہر قسم کی زیادتی و کمی سے ماوراء سمجھتی ہے اور ان کا اعتقاد یہی قرآن ہے جو نبی و اصحاب و تابعین میں تھا اور بلا تغیر و تبدل حرف و حرکت موجود ہے اور یہی اعتقاد بڑے بڑے فضلاء اور محققین شیعہ کا ہے۔

ہمارے ایمان بالقرآن پر سب سے بڑی محکم دلیل ہمارے ائمہ معصومین کا یہ فرمان ہے کہ یہی قرآن صحت حدیث کا معیار ہے جو حدیث تم کو ملے تم اسے قرآن کی روشنی میں دیکھو اگر قرآن سے ملے تو قبول کرو ورنہ دیوار پر دے مارو۔ اس مقصد کے لیئے کتاب اصول کافی متعدد حدیثیں ہیں جیسے حدیث ایوب بن حر حدیث سکونی۔ حدیث ایوب بن راشد حدیث ابن ابی یعفور حدیث ابن حکم وغیرہ بہرحال ہم من حیث المذہب تحریف قرآن کے سخت مخالف ہیں اور اس میں کمی و زیادتی کو کبھی تسلیم نہیں کرتے اگر ایسا ہوتا تو ہم اس قرآن کو اعمال شب قدر میں سر پر رکھ کر یہ نہ کہتے کہ **اللھم بحق ھذا القرآن** ☆ لیکن اگر اس سلسلے میں بعض سابق حضرات کے اقوال آ گئے تو ان سے بس یہی سمجھ لو کہ ان کا مطلب بھی یہی تھا کہ قرآن میں جو تفسیری الفاظ یا جملے جمع ہو رہے ہیں وہ نکال دیئے گئے ہوں اور تفسیری الفاظ کا ہونا یا نکال دیا جانا خارج از امکان نہیں یا بقول شاہ محدث دھلوی حضرت ابوبکر کے قرآن میں بعض تفسیریں ہی جمع تھیں تو حضرت عمر نے فرمایا کہ قرآن مجید مجرد کر دو اور اسکی تفسیر نہ کرو میں کہتا ہوں کہ قرآن میں غیر قرآن شامل نہ کرو ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء **مقصد دوم ص ۹۸** ☆ معزز قارئین آپ کے شاداب ذہنوں اور بیدار مزاجوں پر ہمارا سلام پہنچے آیئے ہم آپ کو مسئلہ تحریف قرآن کے سلسلے میں تصویر کا دوسرا رخ دکھاتے ہیں نجدی کاسہ لیسوں اور خارجی انڈوں پر کڑک مرغیوں کی طرح بیٹھنے والے فتوی فروش مفتیوں نے ہمیں تحریف قرآن پر قائل کر دینے کی جو سعی نامشکور کی تھی ان فتووں کو تو ہم نے یا علی کہہ کر پرزہ پرزہ کر کے براھین قاطع اور دلائل قاھرہ کے ذریعہ گردش دوراں کی نذر کر دیا مگر یہ جو آپ اپنی دام میں صید آ گیا اس کا کیا کریں سوائے اس کے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے نے



اندھیری کوٹھڑیوں میں بنت شب کے بطن سے پیدا ہونے والے اندھیروں ہی میں تیر چلانے کے عادی ہوتے ہیں یہ انکا پیدائشی حق بھی ہے اور نسبی فطرت کا تقاضہ بھی! اب ضروری تو نہیں کہ اندھیرے میں چھوڑا ہوا ہر تیر نشانہ پر بھی بیٹھے کبھی کبھی علی ابن ابوطالب کے اذن سے چلنے والے تیر کا رخ کسی مظلوم کی بجائے ظالم کی طرف بھی پھر جاتا ہے جیسکی کمان سے ابھی ابھی تیر چھٹا تھا یعنی ماہنامہ بینات کراچی (خصوصی اشاعت) خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں (حصہ اول بغیر تذکرہ) حصہ دوم میں ایک مولوی مفتی محمد منظور نعمانی کی تحریک پر علمائے دیوبند اور قبیلان دیوبند نے شیعوں کی ضد میں اپنے بناوٹی اور غلط انداز فکر میں ایسے بناوٹی فتوے جاری کر دیئے اور اس پر کثیر علمائے دیوبند نے آنکھیں بند کر کے اونٹ اور اونٹنی میں تمیز کیئے بغیر سفیانی روشنائی اور اموی قلم کا سہارا لے کر مکھی پر مکھی بٹھانے کا روایتی انداز فکر اختیار کرتے ہوئے تحریف قرآن کے مسئلہ پر شیعہ کافر شیعہ کافر کے فتوے یوں صادر کر دیئے جیسے قرآن مجید کی یہ آیت صرف انہی کے لئے نازل ہوئی ہے صم بکم☆ اب ان عقل کے دشمنوں اور دل کے اندھوں کو کون سمجھائے کہ اگر تحریف قرآن کے ہم قائل ہیں تو الحمد للہ اس میں ہمارے نہیں بڑے بڑے پردہ نشینوں اور تاریخ اسلام کے خاصے قد آور افراد بھی آ سکتے ہیں حالانکہ ہمارا یہ بالکل عقیدہ نہیں ہے کہ ہم کسی مسلمان کو کافر کہنے کے حق میں ہیں اگر بالفرض محال نصیب دشمنان اہل بیت ان بے ہودہ فتووں کے مطابق تحریف قرآن کے عقیدہ یا قول کے مطابق معاذ اللہ شیعہ کافر ہیں تو پھر صحیح بخاری کی رو سے حضرت فاروق اعظم کے مقام اور ایمان کا تعین کرنا پڑے گا جس میں آپ فرماتے ہیں کہ

**ان اللہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ سلم بالحق و انزل علیہ الکتاب فکان مما انزل اللہ آیۃ الرجم فقرا ناھا وعقلنا ھا ووعینا ھا رجم رسول اللہ ورجمنا بعدہ فاخشی ان طال**

**بالناس زمان ان یقول قائل واللہ ما تجد ایۃ الرجم لیکتاب اللہ لیضلوا بترک فریضۃ انزلہا اللہ والرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنی اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البینۃ او کان الحمل او الاعتراف** صحیح بخاری جلد ۳ باب ۹۷۹ حدیث ۱۷۳۰ ص ۱۳۸ سطر ۳ تا ۳۳۔ مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور☆

بے شک اللہ نے محمد کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل کی اللہ نے جو آیت نازل کی اس میں رجم کی آیت بھی تھی ہم نے اسکو پڑھا سمجھا اور محفوظ رکھا آنحضرت نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی سنگسار کیا مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں پر مدت دراز کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کہنے والا کہے گا خدا کی قسم ہم آیت رجم قرآن میں نہیں پڑھتے وہ اس فرض کو چھوڑ کر گمراہ ہو گئے جو اللہ نے نازل کیا رجم کتاب اللہ میں زنا کرنے والے مرد و زن پر واجب ہے جبکہ وہ شادی شدہ ہوں بشرطیکہ گواہ قائم ہو جائیں یا حمل قرار پا جائے یا اقرار کر لیں (ترجمہ قاری محمد عادل خاں و قاری محمد فاضل قریشی)

گویا حضرت عمرؓ بن خطاب اس موجودہ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں اس میں رجم کی آیت نہیں کیا فرماتے ہیں علمائے دیوبند اور ASS کے جرنیل صحیح بخاری شریف کی اس حدیث کے بارے میں؟ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی یہاں ایک سوال بھی ہے؟ ASS کے جرنیلوں اور مفتیان دیوبند کا جواب دینا ان کا فرض ہے کہ حضرت ابن خطاب نے قرآن میں دانستہ تحریف باقی کیوں رہنے دی جبکہ آیت ان کے سامنے نازل ہوئی انہوں نے پڑھی یاد رکھی انہوں نے آیت رجم کو قرآن میں شامل کیوں نہیں کیا؟ وہ اپنے دور حکومت میں آیت رجم کو اپنے میں شامل نہیں کرا سکتے تھے یا یہ نشاندہی کر کے بھی کہ لوگ قرآن میں یہ آیت نہ پانے کی وجہ سے گمراہ ہوں گے دانستہ تحریف کو باقی رکھا بخاری شریف اور مسلم شریف اس تحریف کی گواہ ٹھہری اور



امام بخاری اور امام مسلم بھی مذکورہ فتووں کے زد میں آ گئے اب بھی ہم سے پوچھتے ہو کہ کافر کون؟ صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم بھی پڑھ لیں!

حضرت عائشہ بھی جو زوجہ رسول تھیں وہ بھی قرآن میں تحریف کی قائل ہو کر علمائے دیوبند کے مفتیوں اور ASS کے جرنیلوں کے غلط فتووں کا شکار ہو گئیں ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں حضرت عائشہ کے قرآن میں نماز وسطی کے بعد نماز عصر تھی جو موجودہ قرآن میں نہیں گویا حضرت عائشہ کے مطابق موجودہ قرآن تحریف شدہ اور کم ہے اب ہم اصل روایت پیش کرتے ہیں۔

ابو یونس (آزاد کردہ غلام) نے کہا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ایک قرآن ہم کو لکھ دو اور فرمایا کہ جب تم اس آیت **حافظوا علی الصلوۃ**☆ پر پہنچو تو مجھے خبر دو پھر جب وہ وہاں تک پہنچا تو میں نے ان کو خبر دی انہوں نے مجھے بتایا کہ یوں لکھوں کہ

**حافظوا علی الصلوۃ و الصلوۃ العصر و قوموا اللہ قانتین**☆

یعنی حفاظت کرو نمازوں کی نماز وسطی اور عصر کی اور فرمایا کہ میں نے نبی سے ایسا ہی سنا۔ (صحیح مسلم۔ شرح نووی ص ۱۷۳)

ان دلائل قاہرہ کے بعد ہم اپنے قارئین کے لیئے تحریف قرآن کے اصل ڈانڈے پھر ASS کے مرحومین کے ارشادات سے ملاتے ہیں تا کہ ہمارے معزز قارئین احقاق حق اور ابطال باطل کا ادراک کر سکیں ان کے بزرگ تحریف قرآن کی تمام قسموں کے قائل ہیں وہ کمی بھی مانتے ہیں اور زیادتی بھی قرآن میں الٹ پھیر کو بھی تسلیم کرتے ہیں یعنی اس کے عصمت آگیں دامن کو ہر قسم کی گندگی سے داغدار بناتے ہیں سنئے اور سر دھنئے!

جناب عبداللہ ابن عمر کا کہنا ہے کہ **ذهب منه قرآن کثیرا**☆ (اس قرآن سے بہت سے حصے غائب ہو گئے) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ درود شریف والی آیت کے آخر

میں یہ تھا کہ **و علی الذین یصلون الصفوف الاول** ☆ لیکن اب یہ جمع قرآن میں موجود نہیں اس کے متعلق جب محترمہ سے معلوم کیا گیا کہ یہ جملے کب نکالے گئے تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے تغیر و تحریف کرنے سے پہلے یہ آیت اسی طرح تھی (اتقان ج ۲ ص ۲۵۔ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۳۱ کے مطابق قرآنی تحریف ان کے قتل کا سبب بنی امام فخرالدین کی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۰۷ کے مطابق بسم اللہ قرآن کا جز نہیں اسی کتاب کے ص ۱۰۳ میں امام اعظم ابو حنیفہ کا قول قابل توجہ ہے کہ

**بسم اللہ لیس با یا تہ** ☆ اس کتاب کے ص ۱۰۳ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ **بسم اللہ سورہ فاتحہ** ☆ کا جز بھی نہیں گویا قرآن مجید کے ۱۱۳ سوروں سے کل جو بسم اللہ ہے وہ غیر قرآن کا اضافہ ہے صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۳۸ تفسیر سورہ تبت میں ہے کہ آیہ انذر اس طرح نازل ہوئی تھی **انذر عشیر تک الاقربین و رھطھم المخلصین** ☆ لیکن موجودہ قرآن کے آخری حصہ میں نہیں ہے اسی کتاب کے ص ۱۳۳ میں ہے کہ رسول خدا

**عبداللہ ابن مسعود ابو درداء علقمہ سورہ واللیل اذا یغشیٰ والذکر والانثیٰ** ☆ پڑھتے تھے جو موجودہ قرآن میں **ماخلق الذکر والانثیٰ** ☆ ہے گویا ان کی نظر میں ماخلق جزو قرآن نہ تھا اسی طرح بخاری کے ص ۷۱۳ میں سورہ قارعہ میں عبداللہ ابن مسعود **کالفرش المبثوث** ☆ کی بجائے **کالصوف المبثوث** ☆ پڑھا کرتے تھے اسی صحیح بخاری کے ص ۱۳۵ میں ہے کہ حضرت عمر سورہ جمعہ میں **فاسعوا الی ذکر اللہ** کے بجائے **فامضوا الی ذکر اللہ** ☆ پڑھا کرتے تھی اسی صحیح بخاری کی جلد ۲ کے ص ۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی

**لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم فی مواسم الحج** ☆ موجودہ قرآن میں آخری لفظ تک نہیں ہے اسی طرح تفسیر لباب التاویل ج ۱ ص ۱۷۵ میں ہے کہ



حضرت عثمان نے فرمایا کہ قرآن میں کچھ غلطیاں ہیں عرب ان کو اپنی زبان سے صحیح کر لیں گے اس پر ان سے کہا گیا کہ آپ ہی درست فرما دیجئے کہا جانے بھی دو (اتقان ج ۱ ص ۲۲ میں حضرت عمر فرماتے ہیں کہ قرآن میں دس لاکھ ستائیس ہزار کلمات تھے اور موجودہ قرآن میں ۷۷ ہزار ۴۳۴ کلمات ہیں۔ اسی کتاب کے ص ۲۲ میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس ابی کعب ابوموسیٰ اشعری کے قرآن میں سورہ حفد اور سورہ خلع بھی تھا لیکن موجودہ قرآن میں یہ دونوں سورتیں نہیں خالد بن کا بیان ہے **ان جبرئیل نزل بذالک علی النبی** ☆ یہ دونوں سورتیں جبرئیل رسول اکرم پر لائے تھے اسی کتاب کی ج ۲ ص ۲۰ ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ قرآن میں ایک سورہ جو سورہ برات کے برابر تھا اب اس قرآن میں نہیں ہے جسکی ایک آیت یہ ہے **ان اللہ یؤید الدین باقوام لا خلاق لھم** ☆ تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۸۰ میں ہے کہ ابی ابن کعب صحابی رسول فرماتے ہیں کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ کے برابر تھا یا اس سے بھی زیادہ اور اب کل ۷۳ آیتیں باقی رہ گئی ہیں تفسیر در منثور ج ۶ ص ۳۷ میں ہے کہ موجودہ سورہ بینات کا آخری حصہ اب قرآن میں نہیں ہے اسی کتاب کی ج ۱ ص ۱۰۶ میں ہے کہ ابو عمرو کا بیان ہے کہ قرآن کی دو آیتیں غائب ہو گئیں حضرت عبداللہ وابن مسعود کتاب صحیح بخاری پارہ ۱۸ کتاب التفسیر میں فرماتے ہیں آیہ متعہ اسی طرح نازل ہوئی **فما استمتعتم منھن الی اجل مسمی** ☆ موجودہ قرآن میں **الی اجل مسمی** ☆ نہیں ہے کتاب صحیح بخاری پارہ ۳۰ ص ۷۱۰ میں عبداللہ ابن عمر سورہ **قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق** ☆ داخل قرآن نہیں سمجھتے اور وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتے تھے کہ کسی قرآن میں لکھا جائے اور اگر کوئی اسے اپنی مصحف میں لکھ لیتا تھا تو وہ اسے چھیل ڈالتے تھے ان کا کہنا تھا یہ سورہ بطور تعویذ نازل ہوئے ہیں نہ کہ بطور جزو قرآن عقل پر ماتم کرنے کا مقام ہے صحیح بخاری

شریف میں حضرت عمر فاروق کا یہ ارشاد کہ قرآن میں یوں نازل ہوا **غیر المغضوب علیھم و غیر الضالین** ☆ اور موصوف پڑھتے بھی اسی طرح تھے تفسیر در منثور ج ا ص ۱۴ ابن عباس اور عبداللہ ابن کثیر اور حضرت عمر **اھدنا الصراط المستقیم** ☆ میں "الصراط" کو س سے پڑھا کرتے تھے اسی کتاب کے ص ۱۹ میں ہے کہ رسول خدا ابوبکر اور عمر **مالک یوم الدین** ☆ کو **ملک یوم الدین** ☆ پڑھا کرتے تھے **معاذ اللہ ثم معاذ اللہ** ☆ (یاد رہے کہ ہم نے معاذ اللہ کا لفظ صرف رسول خدا کی وجہ سے استعمال کیا ہے) تفسیر اتقان طبع احمدی نوع ۴۷ ص ۳۱۷ میں ہے کہ حضرت عمر نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا **ان جاھدوا کما جاھدتم اول مرہ** ☆ کو کیا تو بھی پاتا ہے ہم نے تو بہت تلاش کیا کہیں اس آیت کا پتہ نہیں ملا عبدالرحمن نے کہا کہ حضور یہ آیت بھی انہیں آیات کے ساتھ نکال دی گئی ہے جو قرآن سے نکالی گئی ہیں۔ کتاب دبستان مذاہب مصنفہ مرزا محسن کشمیری مطبوعہ بمبئی ص ۲۲۰ میں مکمل ایک سورہ مندرج ہے جو ۴۷ سطروں پر مشتمل ہے اور جسکی ابتدا

**یا ایھا الذین امنو امنوا بالنورین انزلنا ھما علیکم** ☆ یہ سورہ موجودہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔



# ساتواں باب

# جنگ جمل و جنگ صفین کا علمی اور منصفانہ تجزیہ

ا: متعدد قرآنی آیات کے صریح حکم کے باوجود ام المومنین کو گھر سے قدم باہر نہیں نکالنا چاہئے تھا

ب: عورتوں کا علم اٹھا کر میدان جنگ میں باغی فوجوں کی جو سراسر مردوں پر مشتمل ہو جرنیلی کرنا نہ تو قرآن کے مطابق ہے اور نہ ہی کسی مستند حدیث سے معلوم۔

ج: رہا قتل حکمران ثالث کا قصاص طلب کرنا تو یہ محترمہ کا حق نہیں تھا اور نہ ہی اس کا کوئی قرآنی و اخلاقی جواز تھا کیونکہ مرحوم کی اہلیہ کی صرف انگلیاں فگار ہوئی تھیں زبان نہیں۔ دوسرے یہ کہ مرحوم حکمراں کے فرزند اور قریبی اعزا موجود تھے جو ان کے وارث کی حیثیت سے مدعی بن سکتے تھے اور یقیناً۔ از روئے ارشاد پیغمبر امت رسول میں علی سے بہتر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں تھا۔ قتل عثمان کے محرکات کا علم علی سے زیادہ کسی کو حاصل نہیں تھا مگر تاریخ کا طالب علم یہ دیکھ کر انگشت بدنداں ہے کہ مقتول کی بیوہ اور اولاد اس پورے قضیے سے دور رہے کہیں بھی ان کا وجود قصاص یا انتقام کے سلسلے میں نظر نہیں آتا تو صفین و جمل میں دونوں غیر متعلقہ افراد کی مداخلت سوائے بغض علی کے اور کیا کہی جا سکتی ہے۔

د: کیا مہذب شہری اور پر امن مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ طریقہ کار احسن نہیں تھا کہ باقاعدہ دربار حکومت الیہ میں استغاثہ کیا جاتا اور پھر الحاکم علی کی مسند پر بیٹھے

ہوئے سرتاج ولایت وہ فیصلہ فرماتے جو عین مطابق قرآن و شریعت ہوتا۔
پھر اگر محترمہ اپنے اجتہادِ جنگ بمقابلہ خلیفہ راشد علی کے بارے میں مطمئن تھیں تو میدان سے شکست خوردہ واپسی کے بعد وہ ساری عمر پچھتاوے کا شکار کیوں رہیں اور پھر بھی منظر عام پر نظر کیوں نہیں آئیں۔
ازواج حضور اکرم کے وصال کے بعد دیگر ازواج مطہرات جو حیات تھیں اور جن میں بالخصوص حضرت فاروق اعظم جیسی جلالی شخصیت کی صاحبزادی حضرت حفصہ بھی تھیں اور ان میں سب سے زیادہ قابل احترام ام المومنین حضرت ام سلمہ بھی موجود تھیں (جنہیں 'خیر' ہونے کی سند پیغمبر برحق نے آیت تطہیر کے موقع پر خود عطا فرمائی تھی کیوں سامنے نہیں آئیں۔
لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی بی بی اس دور فتن میں حرم رسول اللہ سے باہر قدم نہیں نکالتی ہمارا سلام ہو ایسی مطہرات پر جنہوں نے وقار و حرمت رسالت کی پاسداری میں خیانت نہیں کی

مہم جنگ صفین کا علمی اور دانشمندانہ تجزیہ!

اب یہ تاریخ اسلام کی مسلمہ اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ علی ابن ابی طالب دنیاوی اقتدار سے بھی اسی سلسلہ حکومت کی آخری کڑی تھی جسے مسلمان خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ علی تو یہاں بھی علی ثابت ہوئے۔ علی کا عظیم المرتبت آقا اور رسول اگر خاتم النبیین قرار پائے تو علی خاتم الخلفاء الراشدین بن کر تاریخ پر ابھرے۔ نہ حضور کے بعد کوئی نبی و رسول برحق ہے اور نہ علی کے بعد کوئی ہدایت یافتہ سربراہ حکومت! جب ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہے تو صاحبان نظر کو انصاف کرنا چاہئے کہ ان کی خلافت راشدہ کے خلاف ایک بے سروپا مطالبہ تراش کر کے ایک صوبیدار کا علم بغاوت بلند کرنا کس اخلاقی و شرعی حدود میں آتا ہے باغی صوبیدار کا مرکز کے اور مرکزی حکومت



کے خلاف کھلی جارحیت کا ارتکاز اسلامی روح عدل کے خلاف ہے اگر ضمیر آدمیت مر نہیں گیا تو اسی جنگ کے نتیجے میں ایک لفظ **خطاء اجتہادی** ☆ تخلیق کیا گیا اور اسکی تعریف مضحکہ خیز حد تک یوں کی گئی کہ خطائے اجتہادی کا مرتکب دوہرے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ باغی صوبیدار صاحب کا ذاتی تعارف اور ان کی اسلام دوستی اور علی دشمنی اظہر من الشمس ہے بہرحال مختصر یہ ہے کہ یہ صاحب حرب کے پوتے ابوسفیان کے فرزند اور جگر خوار ہندہ کے لخت جگر تھے یاد رہے کہ یہ وہی عورت ہے جس نے جناب حمزہ جنہیں رسول خدا نے شیر اسلام کے خطاب سے نوازا تھا جنگ احد میں مسلمانوں کی غلطی اور حکم رسول کی خلاف ورزی سے مسلمان شکست سے دوچار ہوئے تھے جب مسلمان لشکر پر حملہ کیا جنگے دامن پر سٹے رہنے کا حکم حضور اکرم نے دیا تھا جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہو گئی ایسے میں شیر اسلام حضرت حمزہ ہی تھے جو اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسلام کے پرچم کی سربلندی کے لیئے لڑ رہے تھے۔ ہندہ مادر معاویہ کی شہ پر وحشی نامی ایک حبشی غلام نے چھپ کر حضرت حمزہ کو اپنے نیزہ کا نشانہ بنایا حضور دندان مبارک کی شہادت کے بعد ایک گڑھے میں تھے اور ابو طالب کا بیٹا جو کبھی جہاد میں مصروف تھا یعنی بڑھ کر آنے والے دشمنوں کو پیچھے ہٹانا۔ دشمن کے حملوں کو فضا میں روکنا حضور اکرم کی حفاظت کرنا اور میدان جنگ سے تشریف لے جانے والے حضرات کو واپس بلانے کی ترغیب دینا اور انھیں یقین دلانا کہ حضور زندہ ہیں مختصر یہ کہ علی کی تلوار کے صدقے میں ہاری ہوئی جنگ دوبارہ جیت لی گئی کافی تعداد میں وہ مسلمان شہید ہوئے جنہوں نے فرار کی ذلت پر شہادت کی عزت کو ترجیح

دی بقول حضرت محدث دہلوی صاحب مدارج النبوہ بعد جنگ حضور نے علی سے دریافت فرمایا علی جب سب چلے گئے تھے تو تم کیوں نہیں گئے ابو طالب کے بیٹے نے عرض کیا۔ آیا کافر شوم بعد از ایمان! مِن بتو کا راست بہ برادران دیاران کہ از پے غنیمت رفتند و ہزیمت خوردند چہ کار دارم ہمیں نہیں پتہ کہ سورہ آل عمران کی ۳۱ ویں آیت کی زد میں کون کون آیا کہ اے رسول جس نے تجھے پشت دکھائی اللہ پھر کافروں کو دوست نہیں رکھتا یہ علی کی زبان مبارک سے نکلا ہوا جملہ تھا جس کی تائید میں قرآنی آیت نازل ہوئی جانے والوں اور رسول کو پشت دکھانے والوں کو قرآن صامت اور قرآن ناطق نے کافر قرار دیا بعد تجدید کلمہ کی کوئی مستند شہادت نہیں ملتی جنگ کے افسوس ناک خاتمے کے بعد کافروں نے شہدائے اسلام کے لاشوں کو پامال کیا سب سے زیادہ ظلم حضور کے چچا حضرت حمزہ علیہ السلام کی مقدس لاش سے ہوا ابوسفیان سے منسوب بیوی نے لاش حمزہ کا مثلہ کیا آپ کے ناک کان کاٹے اور آپ کا کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی مگر اس پر بھی اس ملعونہ کی آتش انتقام ٹھنڈی نہیں ہوئی مصر و لیبیا کے اشتراک سے بننے والی فلم The Message میں جو کافی حد تک حقائق تاریخ پر مبنی ہے یہ سارا منظر پیش کیا ہے یہ فلم انگریزی میں ہے اور اس میں ھندہ کی زبان سے یہ لرزہ کر دینے والے جملے پورے خاندان بنی امیہ کی شقاوت اور خبثم الزاجی کا عکاس ہیں وہ کلیجہ چبانے کے بعد انتہائی حقارت سے حضرت حمزہ کو مخاطب کر کے کہتی ہے

Listen Hamza I am not yet Finished with you

پس ھندہ کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ پوری نسل بنی امیہ نے محمد و آل محمد خصوصاً علی و اولاد علی کے خلاف اپنا Manifesto قرار دے دیا احد کے بعد سے کربلا تک جو کچھ ہوا وہ اسی جملہ کے پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کریں تو خود سمجھ میں آجائیگا



کہ کافر کون؟ ہمیں احساس ہے کہ بات دور نکل گئی مگر یہ پس منظر شام کے باغی صوبیدار کے کردار و عمل کو واضح کرنے کے لیئے ضروری تھا۔

نتیجہ: یہ باغی صوبیدار نہ تو سابقون الاولون میں سے ہیں نہ مقربین بارگاہ رسالت میں سے یہ پورا خاندان رسول برحق کی جانب سے فتح مکہ کے بعد عام معافی کے اعلان کے بعد چولا بدل کر اور اسلام دشمنی کے چہرے پر اسلام دوستی کا ماسک چڑھا کر سامنے آیا ہے۔

نیز اس خاندان کی علی دشمنی اسلام دشمنی سے یوں بھی زیادہ ہے کہ نو مسلم عربوں نے اس خاندان کے بزرگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا یہ صرف علی ہی تھے جن کی تلوار نے بنی امیہ کے بڑے بڑے سرداروں کی شہ رگ سے لہو نچوڑ لیا اور خیر سے وہ سب اس صوبیدار کے رشتہ دار تھے۔ لہٰذا ھندہ و نسل ابوسفیان کا طریقہ واردات یہ رہا بقول حضرت نسیم امروہوی مرحوم کہ

نکتہ ختم رسل اور ہدف ابوطالب

ھندہ کے صاحبزادے جو گزشتہ ادوار حکومت میں بعض نافہمیدہ و ناگفتہ وجوہات کی بناء پر عسکری اور سیاسی اعتبار سے خاصے مضبوط ہو گئے تھے شام کی صوبیداری یکے بعد دیگرے ایک بھائی سے دوسرے بھائی کی طرف مرکزی حکومت نے بلافصل منتقل کر دی تھی اور یوں بھی جملہ بلاد اسلامیہ میں یہ شامی صوبیدار واحد حکمراں تھے جو سابقہ ادوار حکومت کے دور میں اختیارات کے استعمال میں بلکہ بے جا استعمال میں معنی خیز حد تک آزاد رہے خود دوسرے دور حکومت کے سربراہ کے جاہ و جلال اور عمال حکومت سے باز پرس تاریخ میں ضرب المثل بیان کیجاتی ہے جنھوں نے کسی عمال حکومت کو حد سے تجاوز نہیں کرنے دیا یہاں تک کہ جناب ابوھریرہ جیسے معزز شخص کو قیمتی لباس اور سنہری جوتے پہنے دیکھ کر جبین عدالت فاروقی پر شکن آگئی تھی اور

بھرے دربار میں موصوف نے موصوف کی سرزنش بھی کی اور تازیانے سے خبر بھی لی لیکن تاریخ اسلام کے قاری کو اس بات پر تعجب ہے کہ کیا وجوہات تھیں جنکے سبب شامی صوبیدار اس باز پرس سے ماورا رہے اور بعض روایات کے مطابق ایک مرتبہ مرکزی حکومت کے سربراہ نے شام کے صوبیدار کے شاہانہ ٹھاٹھ باٹ دیکھ کر دبے لفظوں میں اعتراض کیا بھی تو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا گیا کہ اسلامی جاہ و جلال کے اظہار کے لیئے یہ ضروری ہے شاید اس ترکی بہ ترکی جواب پر مرکزی حکمراں امت مسلمہ نے یہی کہا ہو کہ سوال کر کے میں پہلے پشیمان ہوں جواب دے کے مجھے اور شرم سار نہ کر بہرحال یہ صاحب کسی کروٹ چین سے نہیں بیٹھے علی کی حقہ اور منتخب خلافت ایسے کے خلاف مسلسل وراثتی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے ظاہر ہے علی صرف مسلمانوں کے ظاہری سربراہ حکومت ہی نہ تھے بلکہ وارث شریعت بھی تھے اور محافظ قرآن و سنت بھی قیام عدل اور اہتمام حقوق بشر کے ذمہ دار بھی تھے جری بھی تھے دلیر بھی حیدر بھی تھے خدا کے شیر بھی۔ ڈرنے والے بھی نہ تھے اور جھکنے والے بھی نہ تھے احقاق حق اور ابطال باطل کرنے والے بھی تھے علی اس سیاست کے قائل نہیں تھے جس میں عیاری مکاری تخریب جعلسازی یا آج کی اصطلاح میں Trading Horse یعنی انسانوں کی منڈی میں انسانوں کے ضمیر کی خرید و فروخت نہ صرف جائز تھی بلکہ سیاسی بصیرت کہی جاتی تھی اور ایسے صفات کے حامل کو آگے چل کر ظل الہی گیتی پناہ قہر خداوندی اور نہ جانے کن القابات سے نوازا جاتا تھا ایسے ہی لوگوں کو بددیانت مورخوں اور بے ضمیر اور فتوی فروش ملاوں نے نشان بصیرت و منارہ سیاست عطا فرمایا ان کے مکروہ نام جمعہ کے خطبوں میں شامل کیئے گئے علی ایسی سیاست کے موجد و خاتم تھے جہاں تمیز آقا و بندہ ختم ہو جائے خواہشات نفس کی غلامی کو زنجیریں پہنا دی جائیں۔ ظلم اور ظالم کی بیخ کنی ہو مظلوم کی داد رسی ہو عدل عمرانی اور قرآن



کی حکمرانی ہو۔ طبقاتی کشمکش کا خاتمہ ہو مکی مدنی عربی عجمی شامی بصری یمنی مہاجر انصار کالے گورے امیر غریب سب امتیازات ختم ہو جائیں سب فاصلے مٹ جائیں معیار عزت صرف ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم☆ کی بنیاد اور اسلامی دستور حضور کے خطبہ حجۃ الوداع کو قرار دیا جائے حکومت کی بنیاد نہ اجماع شورائی اور نہ ہی سقیفائی سیاست اسلام کہلائے اور نہ توڑ جوڑ نہ زر و مال و جواہر سے ضمیر بشر کی خرید و فروخت ہو اسی مسلمہ اسلامی اصول کے تحت اور حکم رسول کے مطابق وارث مسند عدل نبوت علی نے پہلا ہی اقدام اس قدر جرات مندانہ کیا جو صرف ابو طالب کا بیٹا ہی کر سکتا تھا۔ آنکھیں بند کر کے قرآن پڑھنے والے اور کان بند کر کے تاریخ سننے والے سیاسی و دینی بازی گر اسے شاید خاکم بدہن علی کی سیاسی بصیرت و دانشمندی سے نا آشنائی سے تعبیر کریں۔ مگر صاحبان علم و معرفت اور ابو ذر مزاج لوگ مولائے کائنات کے اس جرات مندانہ اقدام کو نہ صرف سراہیں گے بلکہ کائنات سیاست کے سارے سلاطین بارگاہ سیاست علوی میں کورنش بجا لائیں گے۔

علی نے ان تمام عمال کو شام کے صوبیدار سمیت چارج شیٹ کر کے معزول کیا اور تجدید عہد وفا و بیعت کا حکم صادر فرمایا شرافت اور انسانیت کا تقاضہ اور اسلام دوستی کا معیار تو یہ تھا کہ شام کا صوبیدار بالکل اس طرح تعمیل ارشاد کرتا جس طرح فتح مکہ کے موقعے پر اس کے والد صاحب نے مجبوراً ہی سہی عباس ابن عبد المطلب کی تحریک پر ہی سہی حضور اکرم کے ظاہری جاہ و جلال اور دس ہزار چمکتی تلوار سے لیس لشکر کی ہیبت کے نتیجہ میں ہی سہی بظاہر سپر ڈال دی تھی مگر صاحبزادے نے اپنے والد ماجد کی سیاسی قلابازی سے بھی استفادہ نہیں کیا اور خم ٹھونک کر مرکز کے خلاف بغاوت کا سنگین جرم کر بیٹھے۔ مذاکرات و معاملات مہذب سیاست کے اصول ہیں انھیں بھی بالائے طاق رکھ دیا اور اتر آئے مقتولین بدر و احد کا بدلہ لینے بہانہ مقتول سربراہ

خون کا بدلہ اور ان کے نامعلوم قاتلوں کی بلا امتیاز فوری گرفتاری و سزا
مطالبہ جو سراسر برحق تھا اب اسلامی قوانین شریعت اور وقار و حمیت کے
ہی نے بہت چاہا کہ خون مسلم کی توہین نہ ہو مگر گوا اپنے ہی بھائیوں کا گلا
سمجھا کوئی نہ تھا جیسے بزدلانہ اور مجرمانہ تھکیں گئیں اور سب کے سب
بلاد میں موجود ہیں مگر ہر اعتراف کو نہ مقتول حکمران کے خون و قصاص سے
اور نہ ہی اسلامی شریعت کے مسلمہ قوانین سے غرض وہ تو بہرحال جنگی
جنا چاہتے تھے اور امت مسلمہ کی اجتماعی خودکشی کے لیے راہ ہموار کر کے اپنے
کا فوری نشان بصیرت اور ... چاہتے تھے جو کسی جنگ میں سپاہی بھی
وہ پلیک اور ... رات دن کے مقابلے میں لیلہ ... ہی گئے جیتے پر
... اور اپنا کافی تھی۔

دشمن رسالت کے فرزند ارجمند

اس ماں کے بیٹے ہیں جس نے حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا اور اللہ بہتر جانتا
کی کو وعدے کے مطابق قتل شدہ ادا ہوگی یا نہیں
دیہ عیش اور اسلامی تصور حکمرانی کو قیصرو کسریٰ کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ میں

حضرت عمار یاسر کی شہادت جن کے لیے پیغمبر خاتم نے پیش گوئی کر دی تھی
ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

: جنگ صفین کے نتیجہ میں دونوں طرف سے ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام
کا طالب علم حیران ہے کہ قاتل کو غازی کہے یا مقتول کو شہید اور کس
قاتل کو غازی ویسے حضور کے ارشاد نے عمار یاسر کے مسئلہ پر باغی کا تعین



چھٹا تحفہ: شاہی لیلہ ... سے یہ حاصل کیا کہ صوبہ کو مرکز کے خلاف بھڑکانے اور
جنگ و جدال پر آمادہ کرنے کی مکروہ و منحوس بنیاد ڈالی جسکے مظاہرے آج تک ہو رہے
ہیں۔

ساتواں اور سب سے عظیم تحفہ: مولائے کائنات کے لشکر جرار کے مقابلے میں شکست
کے بالکل قریب پہنچ کر انتہائی فریب کاری سے کام لے کر قرآن جیسی مقدس کتاب کو
نیزوں پر بلند کر دیا اسلام کی تاریخ میں یہ پہلی بدترین مثال تھی جب شاہی صوبیدار
نے توہین قرآن کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے بعض کہتے ہیں یہ نیزوں پر قرآن نہیں
بلکہ جزدانوں میں اینٹیں ... نیزوں پر بلند کی گئیں اول تو یہ عذر لنگ ہی نہیں مضحکہ
خیز بھی ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے تو یہ اس سے بھی بڑا جرم ہے کہ
اینٹ کے ٹکڑوں کو قرآن بنا کر پیش کیا گیا اگر عقل کوئی چیز ہے اور خدا نے انسان میں
ضمیر نام کی کوئی شے رکھی ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے بہت ہے کہ کاغذ قرآن

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

مولائے کائنات نے اتمام حجت کے طور پر یہاں تک والی صوبیدار کو پیش کش کی کہ
کیوں ناحق مسلمانوں کا خون بہاتا ہے آؤ میدان میں آکر تلوار سے فیصلہ کر لیں علی
کی یہ پیش کش صوبیدار صاحب کے ایک شیر بہادر نے بھی سنی جو موجودہ بارگاہ رسالت
... کے بیٹے تھے مروان جس کا نام ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ یہ ملاعین باپ بیٹے
... رسالت تھے حضور کی تعلیں اکھاڑنے والے گروہ کے سرخیل تھے رحمت عالم
نے جو اپنے سر پر کوڑا کرکٹ پھینکنے والی بڑھیا کی بھی عیادت کو جاتے ہیں اور اس
سے شفقت سے پیش آتے ہیں ان دونوں باپ بیٹوں کو مدینہ بدر کر دیا تھا مگر جب کہ
بنی امیہ کی مرکزی حکومت کا آغاز ہوا تو رسول اللہ کے جلا وطن کیے ہوئے باپ
بیٹا رشتہ داری کی بنیاد پر بلا لیے گئے ظاہر ہے کہ بنی امیہ کے واسطے سے یہ اہم

ابوسفیان کے مشیر جنگ تھے فوراً خوش ہو کر گویا ہوئے اے امیر کتنا اچھا فیصلہ ہے ابو تراب کا کیوں مسلمانوں کو مروا رہا ہے میدان میں نکل اور علی سے تنہا مقابلہ کر لے فیصلہ ہو جائیگا جو تم دونوں میں سے بچ گیا وہ حاکم ہوگا پسر ہندہ غصے میں آ کر کہتا ہے مروان تری ماں ترے غم میں روئے تو چاہتا ہے کہ میں تنہا علی کے مقابلے پہ جا کر زندہ واپس نہ آؤں میرے باپ سمیت میرے بزرگوں میں سے کوئی میدان میں علی کے سامنے سے زندہ یا کامیاب پلٹا؟ کیوں مرے مرنے کی آرزو کر رہا ہے بہرحال پسر ہندہ کی قرآن نیزوں پہ بلند کرنے والی چال وقتی طور پر کامیاب رہی سیدھے سادے مسلمان قرآن ناطق کے منع کرنے کے باوجود ان صامت قرآن کو نیزے پہ بلند دیکھ کر جنگ سے گریزاں ہو گئے تحکیمین کی بات چل نکلی مولائے کائنات کی مرضی کے خلاف مروان معاویہ کیطرف سے ایک سیدھے سادے ابو موسی اشعری نامی شخص علی کی طرف سے حکم قرار پائے انہوں نے تخلیہ میں مشورہ کیا مروان نے کمال عیاری سے ابو موسی کو شیشے میں اتار لیا اور یہ طے پایا کہ دونوں رہنماؤں کو معزول کر کے نیا حاکم بنا لیا جائے۔ صبح مسجد مسلمانوں سے چھلک گئی مروان نے ایک مرتبہ پھر عیاری و مکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابو موسی اشعری کو فیصلہ سنانے میں پہل پہ آمادہ کیا وہ سیدھا سادھا آدمی اٹھا اور اس نے حضرت مولائے کائنات کی معزولی کا اعلان کر دیا اب طے شدہ معاہدے کے تحت مروان کو معاویہ کی معزولی کا اعلان کرنا تھا لومڑی کیطرح مکار یہ دریدہ گستاخ رسول معاہدے سے پھر گیا اور کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ مسلمان بھائیوں تم نے سنا علی کیطرف سے قائم کردہ حکم نے علی کو معزول کر دیا ہے میں معاویہ کو بحال کر رہا ہوں اس مکاری و دھاندلی کے خلاف امت مسلمہ میں زبردست اشتعال پھیل گیا ہاں نہیں منظور نا منظور کی کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی علی نے مروان و معاویہ کی اس زبردست عیاری و مکاری پہ مبنی سازش کے خلاف



اعلان جہاد کر دیا اور واپس آ گئے یہی وہ نازک موقع تھا۔ یہی وہ بدقسمت لمحہ تھا جب ملجم نما صوبیدار کا فتنہ ضرب حیدری سے چور چور ہونے کو تھا کہ بساط سیاست پہ گھٹیا قسم کی چالیں چلنے والوں نے ایک مرتبہ پھر معاویہ کو بچا لیا اگر اس وقت مسلمان حرارت ایمانی کا مظاہرہ کرتے اور اس اسلام دشمن فتنہ کی سرکوبی میں علی ابن ابی طالب کا ہاتھ بٹاتے تو آج اسلام کرہ ارض کے چپے چپے پہ پھیلا ہوتا مسلمانوں کی موجودہ ابتری ذلت و رسوائی اور بربادی صرف جنگ صفین کے نہ فیصلہ کن ہونے کی وجہ سے ہوئی۔

یہ دور بھی دیکھا ہے تاریخ کی آنکھوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

ایک لمحے کی رسوائی اور اموی خلفائے مجرمانہ کا خمیازہ ۱۴ صدیوں سے نسل مسلم کو بھگتنا پڑ رہا ہے اور اللہ جانے کب تک اس میں مبتلا رہنا پڑے۔ مختصر یہ کہ مولائے کائنات علی نے تحکیمین کے فیصلے کو مسترد کر کے امیر شام پر ایک بھرپور اور فیصلہ کن حملے کی تیاری کر لی تھی کہ درمیان میں خارجیوں سے نمٹنا پڑ گیا یہ خارجی بھی کیا تھے سب اموی ایجنٹ تھے پسر ہندہ نے انھیں خارجیوں میں سے چند کو خرید ا دشمنی اور انتہائی کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے علی جیسے مدبر کائنات کے قتل کا منصوبہ بنایا ایک چھوٹا موٹا وار زخمی ہونے کی حد تک اپنے اوپر بھی کر لیا تا کہ سازش بے نقاب نہ ہو سکے دوسری طرف قطامہ نامی ایک عورت کو یزید سے شادی کا لالچ دیکر اس کے یکطرفہ عاشق ملعون عبدالرحمن ابن ملجم کو قتل امیر المومنین علیہ السلام پہ تیار کیا قطامہ نے جو اصل میں یزید سے شادی کی خواہش مند تھی ابن ملجم کو اپنے دام حسن سے لبھایا مہر کی قیمت معاذ اللہ علی کا سر مقرر کی یہ ملعون عورت کے حصول کے لالچ میں قتل علی کے ارادے سے کوفے آیا ایک ہفتے سے زیادہ قیام کیا۔ اسلام کے عادل حکمراں کو علم تھا سرکاری ایجنسیاں خبردار بھی کر رہی تھیں ابن ملجم کی گرفتاری کا مشورہ بھی دے

رہی تھیں مگر جانشین پیغمبر کو اسلامی شریعت کے کسی قانون میں Preventive Detention کا قانون نظر نہیں آیا اور ارتکاب جرم سے پہلے سزا دینا ویسے بھی عدل اسلامی کے خلاف ہے وہ ایک ہفتے تک مرکزی حکومت کے دارالحکومت میں آزادانہ گھومتا رہا مگر علی نے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی۔

نتیجتاً ۱۸ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کی وہ قیامت خیز فجر تھی جب امیر شام کی شہ پر قطامہ نامی عورت سے شادی کی حرص میں حریص ملعون نے وہ کیا جس سے ارکان ہدایت منہدم ہو گئے جہاں شریعت میں زلزلہ آگیا اسلام کی بنیادیں ہل گئیں قرآن سر بہ گریباں ہو گیا جبرئیل نوحہ کناں ہوئے رسول اللہ کی قبر مطہر لرز اٹھی کعبے کے در و دیوار لرزہ براندام ہو گئے۔ حسن و حسین زینب و کلثوم کے دلخراش بین نے عرش و فرش کو ہلا دیا۔ سجدہ خالق میں زہر کی بجھی ہوئی تلوار علی کے سر مبارک پر اس طرح لگی جیسے کوئی کافر قرآن کو دوپارہ کر دے باغی صوبیدار نے جشن منایا اس کے راستے کا سب سے عظیم پہاڑ منہدم ہو گیا تھا۔

اور یوں خلافت اب کے خلاف خاندان بنی امیہ یعنی ھندہ و ابوسفیان کا مشترکہ منصوبہ اولاد کے ذریعہ فتح مکہ کے بعد طے کیئے گئے منصوبہ میں کامیاب ہو گیا وہ خلافت جو علی کے دور حکومت میں چند برس تک علی کی محتاج تھی منہدم ہو گئی۔ ملوکیت جیسی لعنت کا اسلام میں آغاز ہوا ظاہر ہے معصوم کا جانشین معصوم ہوتا ہے حسن بن علی نے ظاہری تخت حکومت کو رونق بخشی مگر باپ کے دشمن کو چین کہاں تھا۔ بصیرت حسن مجتبیٰ نے انداز جنگ بدلا گرم جنگ کو سرد جنگ میں تبدیل کر دیا جسے بے بصیرت تاریخ داں صلح کے نام سے یاد کرتے ہیں یہ معاہدہ مورخین کی بد دیانتی نے صلح بین المعاویہ و حسن کے غلط معنی سے تاریخ میں پیش کیا اور یہاں تک لکھ گئے کہ معاذ اللہ کعبہ نے کشت کی اور امام نے غلام کی بیعت کر لی تھی۔ تاریخ کا ظلم تو دیکھیں اور



اس دور کے مورخین اور باغی شامی صوبیدار کے زرخرید غلاموں کی ضمیر فروشی تو دیکھیں کہ علی و معاویہ کی جنگ کو ساری غلطیاں معاویہ کی نکالنے کے باوجود بھی اجتہادی خطاء جیسے بے معنی لفظ ایجاد کر کے اپنے کنڈیڈیٹ کو بچا کر لے جانے کی کوشش کرتے رہے اور اب بھی اسی بھونڈی کوشش میں مصروف ہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے مولانا مودودی جیسے اسکالر اور قد آور مفکر جو متعدد کتابوں کے مصنف اور تفہیم القرآن کے مفسر ہونے کے باوجود بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب خلافت و ملوکیت میں ساری سیاسی غلطیاں شام کے باغی صوبیدار کی ثابت کر کے بھی اختتام کتاب پر اپنے قاری پر پابندی لگاتے ہیں کہ علی سے جنگ کرنے والا غلطی پر کیوں نہ ہو مگر اسے کچھ نہ کہو اگر یہی آخر میں لکھنا تھا تو قاری اور مسلمان نسلوں کو خلافت و ملوکیت کو پڑھنے میں کیوں الجھایا۔ آپ سے زیادہ محکم بات تو دنیائے ادب کے عظیم شاعر مرزا اسد اللہ غالب ایک شعر میں کہہ گئے جو مولانا مودودی پوری کتاب میں سب کچھ لکھنے اور جاننے کے باوجود بھی نہ لکھ سکے۔ غالب کا ایک شعر مجھے تو مولانا مودودی کی پوری خلافت و ملوکیت پر حاوی نظر آتا ہے کہ۔

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمن دیں
علی سے جنگ کرے اور خطا کہیں اس کو

اب علی مسلمانوں کے خلیفہ راشد بھی ہیں معاویہ نہیں! لیکن علی سے جنگ کرنے کے باوجود بھی اور بعد علی ۷۰ ہزار منبروں سے علی پر سب و شتم کرنے کے باوجود بھی وہ ASS کے نزدیک رضی اللہ عنہ اور قابل احترام ہیں۔

## آٹھواں باب

# بصیرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

شام کے باغی صوبیدار کی ان ہی بڑھتی ہوئی گستاخیوں اور سب و شتم کو اسلام اور بالخصوص اس علی کے لیئے جسے رسول نے یا علی انت منی و انا منہ ☆ کی مصداق قرار دیا تھا علی کا غیور بیٹا برداشت نہ کر سکا معاویہ سے علی کے خلاف زباں بندی اور قرآن و سنت کی پابندی کی قیمت پوچھی اس نے کہا حکومت بلا شرکت غیرے!
حسن ابن علی نے یہ کہہ کر تخت حکومت اس کے حوالے کر دیا کہ اگر تو واقعی تحریری وعدہ کرے کہ قرآن و سنت کی پابندی کرے گا اور میرے عظیم المرتبت باپ پر سب و شتم نہیں کرے گا تو لے جا یہ تخت حکومت کی ذمی اور بے کوہان اونٹنی کو کہ میرے عظیم نانا کی عظمت اور میرے بابا علی مرتضیٰ کی عزت کا صدقہ ہے۔ حالانکہ حسن مجتبیٰ جانتے تھے کہ وہ معاہدے کی کسی ایک شرط کو بھی پورا نہیں کرے گا مگر بصیرت فرزند رسول نے جگر خوار ہندہ کو تاریخ اسلام کے منصف مزاج قاری کو ایک حتمی نتیجے تک پہنچا دیا کہ ابوسفیان کا یہ نافرمان اور نالائق لڑکا قرآن و سنت کا باغی بھی تھا اور مسلم الثبوت خلیفہ راشد پر سب و شتم کا مجرم بھی!

خنجر پہ کوئی چھینٹ نہ دامن پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ سلسلہ سب و شتم بر خلیفہ راشد تقریباً ستر برس تک جاری رکھا



گیا صرف ایک نیک دل اموی بادشاہ عمر بن عبدالعزیز نے یہ سب کچھ بند کرایا باغ فدک بھی جسے پہلے ہی اسلامی حکومت کے سربراہ نے رسول اللہ کو خوش کرنے کے لیئے بیت المال میں داخل کر کے رسول اکرم کی اکلوتی بتول بیٹی کو محروم کر دیا تھا واپس کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔
شاہی صوبیدار کے زرخرید اہل قلم اور فتوٰی فروش مولویوں نے بڑی مکاری اور ہوشیاری سے حسن مجتبیٰ کی تخت سے دست برداری کو صلح حسن اور بیعت معاویہ کا نام دیدیا حالانکہ علامہ اقبال اپنے عمیق مطالعہ کے نتیجہ میں اس پوری من گھڑت کہانی کا پردہ چاک کر گئے

آں یکے شمع شبستاں حرم
حافظ جمعیت خیر الامم

تانہ خیزد آتش پیکار کیں
رفعت پائے زد و تاج و نگیں

یہ تاریخ کی مسلمہ حقیقت ہے کہ صلح اور جنگ دو برابر کے فریقوں میں ہوتی ہے جو عوام کی نظر میں ہر اعتبار سے برابر ہوں ابن ہندہ اور فرزند رسول کے درمیان لفظ صلح کا استعمال ہی شریعت کے قتل کے مطابق ہے عدل اسلامی کا کھلا مذاق ہے آیئے مختصراً اس تقابل پر بھی غور کر لیں۔

### وارث مسند رسول حسنؑ

حسب و نسب کی شرافت نجابت طہارت کے اعتبار سے حسن ذریت ابراہیم دعائے خلیل نسل اسماعیل نور چشم عبد مناف قرۃ العین شبیہ احمد حضرت ہاشم شرافت خون محسن رسالت رئیس مکہ بیضۃ البلد نکاح خوان پیغمبر خاتم و خدیجۃ الکبریٰ فرزند مولائے

کائنات حضرت علی و دلبند سیدہ النساء العالمین بضعۃ الرسول خاتون جنت صدر نشین بزم تطہیر معصومہ صدیقہ طاہرہ راضیہ مرضیہ ذکیہ ام ابیہا حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پہلی غذا لعاب مبارک رسول اکرم پہلی آغوش بازوئے رسالت تربیت گاہ سینہ رسول اور خانوادہ عصمت جھولا جھلانے والے جبرئیل لباس جنت لانے والے فرشتے۔ جو خیاط بن کر آئے صاحب آیہ دھر تفسیر سورہ کوثر جنکی آمد پر دشمنان رسالت کی وہ غلیظ اور ناپاک زبانیں بند ہوئیں جو رسول کی اکلوتی بیٹی کی موجودگی میں خاتم النبیین کو معاذ اللہ ابتر کا طعنہ دیتے تھے ۱۵ رمضان ۳ ھجری میں اس سبط اکبر کی آمد پر ان طاعنین کی زبانوں پر جن میں ابوسفیان بھی شامل تھا سورہ کوثر نے تالے ڈال دیئے اور قیامت تک اللہ کا یہ وعدہ سچا ہوا کہ رسول تیری نسل باقی رہے گی اور تیرے دشمنوں کو ہم دم بریدہ کر دیں گے۔ بچپن آغوش رسالت میں معراج صاحب معراج کے دوش پر پرورش آیات الٰہی کی چھاؤں میں ہاشمی وجاہت ورثہ میں علی کی شجاعت و عزت خون فاطمہ کی عصمت و شرافت رگ رگ میں لیئے ہوئے یہ سورہ کوثر کو تفسیر عطا کرنے والا اور آغوش مادر میں لیٹے لیٹے لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والا حسن جوانی کی سرحدوں میں قدم رکھتا ہے جوں جوں حسن جوان ہو رہے ہیں ویسے ویسے اسلام شباب کے مرحلے طے کر رہا ہے یعنی حسن اور اسلام ایک ہی گود میں یعنی آغوش رسالت میں بچپن سے جوانی کے مرحلے طے کر رہے ہیں ۱۱ ھجری تک رسول اللہ کا پاکیزہ زمانہ دیکھا کائنات کے رسول کے جنازے میں شریک ہونے والے چہرے دیکھے۔ وہ احباب بھی نظر میں تھے جو شریک جنازہ رسول ہونے کی سعادت سے محروم رہے۔ ۳۰ یا ۳۳ افراد نے اللہ کی سب سے بڑی نعمت کو آخری آرام گاہ تک پہنچایا حسن نے بعد رسول ماں کا شکستہ پہلو دیکھا دربار حکومت میں حاضری دیکھی معصومہ کی گواہی کے لیئے معصوم گواہ بن کر گئے ماں کو اپنے حق سے محروم پلٹتے اور آٹھ آٹھ آنسو روتے دیکھا دروازہ



جلتی پر لکڑیاں دیکھیں گھر کے نزدیک شعلے دیکھے علی جیسے اشجع العرب کے گلے میں عرب کے بزدل ترین لوگوں کے ہاتھوں سے پھندہ دیکھا حکومت وقت کو ٹیکس ادا نہ کرنے والوں کو جنہیں بعد میں بددیانت مورخین نے منکرین زکواۃ کا نام دیا جو سب کے سب جلیل القدر صحابہ اور ان کی اکثریت حافظ قرآن تھی خالد بن ولید جیسے نو مسلموں کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا مالک بن نویرہ کا سفاکانہ قتل بھی دیکھا اور ان کی بیوہ سے بغیر عدت گذارے دور جہالت کی بہیمیت کا مظاہرہ دیکھا دوسرا دور حکومت بھی اپنے تصرف امامت کی تمام تر نوازشوں سے نوازا۔ خدا خدا کر کے یہ دور بے مثل بھی گزرا پھر بنی امیہ کی سیاسی قلابازیوں کے نتیجہ میں تیسری حکومت کا قیام بھی حسن مجتبیٰ نے دیکھا اس لیئے کہ واجب الاحترام باپ بھی زندہ تھے اور ان کے چشم ابرو کی تعمیل شریف بیٹے

کی نظر میں عین شریعت تھی پہلے ہی دور حکومت میں ۶ ماہ یا ۹ ماہ کے اندر اپنی معصومہ ماں کا قبر رسول پر مرثیہ بھی سنا جو اسلام کے سنہری دور کی منہ بولتی تصویر ہے

صبت علی مصائب لو انہا
صبت علی الایام صرن لیالیا☆

بابا آپ کے بعد ہم پر وہ مصائب ٹوٹے جو دنوں پر پڑتے تو سیاہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے ظاہر ہے یہ عرب کے کسی شاعر کا غلو اور حد سے بڑھا ہوا کلام نہیں ہے یہ معصومہ کونین کے زخمی کلیجے اور کرچی کرچی دل سے ابھری ہوئی صدا ہے جو تاریخ اسلام کا ناسور بن گئی حسن ہی تو تھے جنہوں نے بعد رسول چھ ماہ کے اندر اپنی اٹھارہ سالہ جوان مگر امت کے ہاتھوں ضعیفہ ماں کو رات کے اندھیرے میں چار مومنین صحابہ کی معیت میں سپرد تراب کیا کیا گزری ہوگی اس وقت ابوتراب پر جب رسول امین کی آخری امانت ریاستی تشدد کے نتیجہ میں آسودہ خاک ہو رہی تھی ہم روایتی بوقلمونیاں

کو نہیں جانتے سیدھے سادھے حقائق بیان کر رہے ہیں اب بھی پوچھو گے کہ کافر کون ہے پھر تیسرے مقتول سربراہ حکومت کے بعد حسن نے لوگوں کا اژدحام در علی پر دیکھا بیعت کا عالم بھی دیکھا طلحہ و زبیر کی بیعت توڑنے کے بعد غداری بھی دیکھی صفین کی جنگ میں خاندان ھندہ کا روایتی معرکہ بھی دیکھا علی کی فوجوں پر پانی کی بندش بھی دیکھی پھر بحکم علی حسن نے دریا کو فرزند ہندہ سے آزاد بھی کرایا اور بحکم علی ہی دوست دشمن سب کو پانی کی آزادی عطا کی اس پورے معرکے میں حسن بنفس نفیس شریک تھے علی کے اس مردانہ فیصلے نے علی کو تاریخ میں علی بناکر پیش کیا اور یزید کے باپ کو پانی کی بندش کے سلسلے میں اخلاقی گراوٹ اور اسلام و شریعت کے مسلمہ اصولوں کے مطابق کربلا کی زمین پر علی اور اولاد علی پر پانی بند ہونیکی ابتداء کرنے والا قرار دیا یہ باپ ہی کی گھٹیا اور غیر اخلاقی تربیت تھی جس نے تین دن تک اس نہر فرات پر علی کے بیٹوں اور معصوم بچوں پر بھی پانی بند کردیا جنکا کردار حلم صبر تحمل امن دوستی احترام انسانیت پیادہ پا حج عبادت الہی اور گوشہ نشینی سے عبارت ہے وہ بھی فرزند ھندہ کو گوارا نہیں ہوا سیرت و کردار نبوت کا آئنہ دار حسن خلق عظیم پیغمبر خاتم کا ورثہ دار حسن پیغمبر امن و صلح ہاشمی حسن خدیجہ الکبریٰ و فاطمہ زہرا کی یادگار حسن روش ختم نبوت کا شہسوار حسن عظمت قرآن و سنت رسول کا حقیقی علمبردار حسن وارث صاحب قلم و ذوالفقار حسن زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت و خشیۃ اللہ و اہل بیت میں یکتائے روزگار حسن غریب بیکس یتامیٰ و مساکین کا طرفدار حسن خود بھوکی سوکھی روٹی کھاکر سائلوں اور ناداروں کے لئے اللہ کی اعلیٰ نعمتوں سے مزین دسترخوان سجانے والا حسن کہ جس کے خوان نعمت پر فقراء امت یتامائے امت اور سائلین امت شکم سیر ہوتے درس قرآن اور فہم تفسیر قرآن کے پاکیزہ جھرنے موج کوثر کی طرح لب اعجاز امامت سے پھوٹتے اور تشنگان علم اپنی پیاس بجھاتے یاد رہے کہ تخت حکومت



ٹھکرا کر حسن جتنی اتنے ہی مطمئن تھے جتنے تیسرے مرحلہ حکومت میں سیرت شیخین کی شرط کو مسترد کر کے علی مطمئن تھے مگر اس دس سالہ دور حکومت نشینی میں وارث رسول اپنے عظیم باپ کی طرح کار ہدایت انجام دیتے رہے بوریہ نشین ہوکر بھی تخت نشین حکومت کی شریعت دشمن سرگرمیوں پر نظر رکھے رہے اور وقتاً فوقتاً اس پر سرزنش بھی کرتے رہے اس دس سالہ دور حکومت میں حسن و حسین ابن علی ریاستی حالات کا بغور مطالعہ کرتے رہے معاہدہ امن میں شرائط امام کی جانب سے وائٹ پیپر پر پسر ھندہ کی جانب سے پیش کیا گیا تھا جسمیں تین شرائط اہم تھیں

(۱) معاویہ ابن ابوسفیان آج سے قرآن و سنت کے مطابق حکومت کریگا۔

(۲) مسلمانوں کے جمہوری اور اسلامی انداز میں پہلے منتخب خلیفہ راشد علی پر سب و شتم بند کیا جائیگا۔

(۳) معاویہ اپنی موت کے بعد کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کریگا اگر معاویہ سے پہلے حسن اپنے معبود حقیقی سے ملحق ہوئے تو حکومت فرزند رسول حسین ابن علی کو منتقل ہوگی۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ فرزند ھندہ نے ان تینوں شرائط کے تحریری اقرار کے باوجود بھی پابندی نہیں کی علی پر سب و شتم بھی جاری رہا قرآن و سنت کی دھجیاں اڑائی گئیں اور یزید کی جانشینی بھی بد عہد مختص کراتے رہے۔ اگر بالفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ صلح ہوگئی تھی تو حسن کو زہر دے کر اپنے راستے سے ہٹانے کی مذموم و مکروہ سازش چہ معنی دارد۔ ظاہر ہے پسر ابوسفیان سمجھتا تھا کہ رسول برحق کے بڑے بیٹے کی موجودگی اور حیات میں وہ جو چاہے کر گزرے مگر یزید کو حاکم نہیں بنا سکتا اس لئے اس منصوبے کی مذموم اور ملعون تکمیل کے لئے امام حسن کو زہر دینا لازمی تھا مگر اس شخص کو یہ علم نہیں تھا کہ حسن و حسین دونوں ہی رسول کے بیٹے دونوں ہی علی و بتول کے جگر گوشے اور دونوں ہی منصوص من اللہ امام تھے اور امامت کی نگاہ میں

دین اسلام میں کسی بھی قسم کی ملوکیت حرام محض ہے۔

اور جب تک خاندان رسول کا ایک بھی معصوم فرد حیات ہے بادشاہت مستحکم نہیں ہوسکتی یہی وجہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباسیہ کے ظالم جابر اور فاسق بادشاہوں نے اولاد رسول میں سے گیارہ اماموں کو زہر اور تلوار کے ذریعہ راستہ سے ہٹایا کیونکہ امامت علی منہاج رسالت۔ بادشاہت اور انسان پر انسان کی خدائی کو کفر سمجھتی تھی اسی وجہ سے پیغمبر اسلام اپنی حیات میں یہ انتظام کرگئے تھے جو تاریخ آدم و عالم میں کسی باپ نے اپنی اولاد کے لئے نہیں کیا کہ ہم اہل بیت میں ہمارا اول بھی محمد اوسط بھی محمد آخری بھی محمد ہم کل کے کل محمد ہیں یعنی سرکار رسالت کے دشمنان اسلام و گستاخان رسالت بادشاہوں کو قیامت تک چیلنج کردیا تھا کہ تم کچھ بھی کرلو میرا بیٹا محمد ہوگا اور تم کسی تشدد کے نتیجے میں یا کسی لالچ کے ذریعے اس کو مقام محمد کے بلند ترین منصب سے ایک انچ بھی نیچے نہیں لاسکتے اور سرکار رسالت کی یہ پیشگوئی امام حسن عسکری کے زمانہ تک حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

یہ امر بھی قارئین کے لئے قابل توجہ ہے کہ پسر ہندہ کے کہنے پر یزید سے شادی کا لالچ دے کر جس ملعونہ کے ذریعہ حسن کو زہر دلوایا گیا تھا وہ بھی ایک VIP مسلمان کی کسی طرح عزیز (صحابی) ہوتی تھی امام حسن نے یہ بھی دیکھا کہ خلافت الٰہیہ کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کی مذموم کوششیں ہورہی ہیں امام حسن نے یہ بھی محسوس کیا کہ کربلا بنانے کی تیاریاں ہورہی ہیں امام نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ یزید ایسے بدبخت کو تخت نشین کرانے اور اسلام و شریعت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کی ناپاک جسارت کی جارہی ہے تاکہ ہندہ کی اولاد مقتولین بدر و احد کا بدلہ اولاد علی و رسول سے لے لیں حسن اس امر سے بھی بخوبی واقف تھے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی لائی ہوئی شریعت کو فرزند ہندہ کے ذریعہ دوبارہ دور جہالت کی طرف دھکیلا جارہا ہے اور دوبارہ



وہی قبائلی دور وحشت و انتقام واپس لایا جارہا ہے جس کی بیخ کنی نبی معظم نے اپنے بھائی علی مرتضیٰ اور اپنے مخلص اصحاب کرام کے ذریعہ کی تھی مگر سبط اکبر مطمئن تھے کہ ان کا عظیم بھائی حسین یہ سب کچھ نہیں ہونے دیگا اور خاندان ابوسفیان کو اسلام تاراج کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔

تفسیر سورہ کوثر سبط اکبر امام دوئم حضرت امام حسن علیہ السلام پر معاویہ سے صلح کرتا یا خاکم بدہن اسکی بیعت کرنا بنی امیہ کے نمک خوار مورخوں کا وہ سفید جھوٹ ہے جس کی باطنی سیاہی کو سیکڑوں چمک دار سورج بھی دور نہیں کرسکتے اس موقعے پر ہمیں اپنے ہی دو شعریاد آرہے ہیں جو زمانہ طالب علمی میں ہم نے کہے تھے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں

ٹھکرا کے تخت چل دیئے اس بانکپن کے ساتھ
شاہی لپٹ کے رہ گئی۔ پائے حسن کے ساتھ
لوگو امیر شام کہا اور حسن کہا
بت کا مقابلہ نہ کرو بت شکن کے ساتھ
وہ ہاتھ اور بیعت فاسق کریں غلط
کھیلیں جو ہاتھ زلف رسول زمن کے ساتھ
کب صلح تھی معاہدہ امن تھا۔۔۔۔ فقط
کیسے کا فر صلح کرے اہرمن کے ساتھ

بصیرت امام حسن سے ناآشنا لوگ جنکی آنکھوں اور دماغوں پر پسر ہندہ کی بیجا طرفداری کی چربی چڑھی ہوئی ہے وہ Peace Pact کو صلح کہہ رہے ہیں اتنا بھی عقل سے کام نہیں لیتے White paper مغلوب فریق غالب شخصیت کی خدمت میں بھیجتا ہے اور ہر اعتبار سے غالب شرائط منواتا ہے اور شکست خوردہ فریق شرائط مانتا ہے سو یہی

ہوا صلح کا کاغذ ابو سفیان سے منسوب بیٹے کی طرف سے آیا اور رسول خدا کے بیٹے نے وہیں حکومت سے قرآن و سنت کی بالادستی کی شرائط منوائیں جو گزشتہ اوراق میں نذر قارئین کر چکے ہیں قرآن سنت کے باغی کو خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اقراری اور منطقی مجرم بنا کر قیامت تک مسلمان نسلوں سے اپنی بصیرت کا لوہا منوانا صرف رسول کے بیٹے کا حصہ تھا۔

دنگ ہے سارا زمانہ اس انوکھے وار سے
کاٹ دی باطل کی گردن حلم کی تلوار سے

جس سر پھرے فتنے کے پاؤں میں علی کی ذوالفقار - - - - - - - - - زنجیریں نہ ڈال سکی تھی علی کے نامور بیٹے نے جسے آگے چل کر مسلمانوں کے صاحبان انصاف مورخوں نے "مخبر امن" کا تاجدار کہا اسے تاریخ اسلام میں آئینہ عبرت بنا کے رکھ دیا اور قرآن و سنت کی پاسداری نیز علی پر عدم سب و شتم کی شرائط منوا کر دنیا پر حسن نے ثابت کر دیا کہ ہماری جنگ تخت حکومت کے لئے نہیں احیائے اسلام اور قرآن و سنت کی بقا کے لئے تھی جبھی تو مفکر پاکستان علامہ اقبال نے بارگاہ حسنی میں یوں نذرانہ عقیدت پیش کیا

آں یکے شمع شبستان حرم
حافظ جمعیت خیر الامم
تا نشیند آتش پیکار و کیں
پشت پا زد بر سر تاج و نگیں

جب قرآن و سنت کے دائرے میں رہ کر پسر ابو سفیان حکومت کرنے کا تحریری اقرار کر بیٹھا اور اسی نے معاہدے کے مطابق مسلمانوں کے خلیفہ راشد علی پر سب و شتم سے باز رہنے کی تحریری ضمانت دے دی تو محمد مصطفٰے کے تخت و اقتدار سے بے نیاز بیٹے



نے یہ کہہ کر تخت حکومت اس کے حوالے کر دیا کہ جا اگر تو وعدہ کرتا ہے تو لے جا یہ بکری کی ناک سے بہتا ہوا گندہ پانی (اقتدار) کہ میرے نانا کی سنت اور میرے بابا کی عزت کا صدقہ ہے تو قارئین حسن مجتبٰی کی تخت سے دستبرداری حقیقتاً صدقہ تھا عزت و ناموس قرآن و سنت اور حرمت و وقار علی ابن ابی طالب کا صلح وغیرہ کا ڈھنڈورا غلط بودہ اور لچر ہے۔

## خود ساختہ نام نہاد فریق حکومت ابن ھندہ یا پسر ابوسفیان

یہ صاحب شام کے اس قبیلہ بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے جن کے آباؤ اجداد کو سزا کے طور پر وارثان کعبہ نے مکہ بدر کر کے انھیں شام میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا کم وقتی کی وجہ سے ہم ان کا تفصیلی شجرہ تحریر نہیں کر سکتے۔ یہاں تک ہمیں یاد ہے اور غالباً ضروری بھی یہ ہے کہ یہ حرب کے پوتے اور ابوسفیان کے فرزند کہلاتے ہیں ان کی والدہ ھندہ ہیں جن کے بیٹے پر جناب حمزہ کے کلیجہ چبانے کا نشان معاویہ لگا ہوا ہے ان سے منسوب والد اعلان تبلیغ رسالت سے لے کر فتح مکہ تک اسلام دشمنی اور قرآن کشی میں مصروف رہے اول اول تو انہوں نے حالت عبادت میں فریق اقدس رسول الثقلین پر غلاظتیں ڈالنے کے لیئے کرائے کی ایجنٹ عورتوں کو خریدا پھر قریش کے کافروں کے بچوں کو اس زمانے کی ٹافیوں کا لالچ دے کر حضور پر سنگباری کرائی یہاں تک کہ پیشانی اقدس جو عظمت و حرمت الحمد کا سرنامہ تھی لہولہان ہو جاتی تھی۔ خود ساختہ فریق حکومت۔ پسر ھندہ ابوسفیان۔ وہ تو سلام ہو عظمت ابوطالب علیہ السلام پر جنھوں نے رسول اکرم کی خون بھری پیشانی دیکھ کر علی کو حکم دے دیا تھا کہ آج کے بعد میں اس سرنامہ قرآن چودھویں رات سے زیادہ چمکتے ہوئے چہرے کو کافر



بچوں کے پتھروں سے سرخ نہ دیکھوں اور پھر وہی ہوا۔ اگلے دن مکے کی گلیوں میں رحمتہ للعالمین جب نمودار ہوئے اور پروگرام کے مطابق کافر بچوں نے اپنی جھولیوں سے پتھر نکال کر مارنا شروع کیے تو نشانہ رسول پاک تھے مگر ہدف ابوطالب کا شریف خون۔ رسول حق کے حصے کے پتھر اپنے نازک جسم پر کھاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے اور کافروں کے بچوں کو جا لیا آن کی آن میں توڑ موڑ ڈالا آج نبی کریم خانہ ابوطالب میں لہولہان نہیں بلکہ سرخرو واپس آئے ابوسفیان اور ان کی اسرتا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا پائے استقلال نبوت اور ثبات قدم ابوطالب میں لغزش نہیں آئی تو کافروں کے سردار نے آل عمران کے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا پورے مکے میں رسول اور ان کے خاندان کو جائے پناہ نہیں ملی نہ کوئی اول مدد کو آیا نہ آخر۔ ایک شعب ابوطالب تھا جو اللہ کے آخری رسول کی پناہ گاہ ثابت ہوا۔ یہاں ذہین قارئین اور شاداب ذہنوں کے لیئے یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ کافروں نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا تھا۔ ظاہر ہے یہ بائیکاٹ ساڑھے تین برس تک رہا اور جو واقعی مسلمان تھے وہ سب کے سب رسول برحق کے اس انتہائی کربناک دور ابتلا میں حضور کے شریک تھے اور شعب ابوطالب میں محصور تھے اور جتنے اس وقت تک کافر تھے وہ سب شعب ابوطالب کے باہر اور آزاد تھے ان سے ابوسفیان ابوجہل۔ ابولہب و دیگر منافقین قریش کو کوئی پرخاش نہیں تھی پتہ نہیں ان اتحادیوں میں کون کون شامل تھا۔ مسلمان تو شعب ابوطالب میں تھے یہ تو طے ہو گیا کہ بائیکاٹ کے فیصلے سے لے کر چار برس تک کوئی وہ شخص مسلمان نہیں تھا جو شعب ابوطالب میں نہیں تھا گویا سارا اسلام سمٹ کر شعب ابوطالب میں آ گیا تھا اس طرح اللہ نے رسول اسلام کو آغوش ابوطالب کی آہنی باہوں میں عالم طفلی میں دے دیا تھا اور اگر اس چار برس کے دوران بالفرض مسلمان مان بھی لیئے جائیں تو وہ باہر رہ کر تحریک اسلام کے لیئے اور بائیکاٹ ختم کرنے کے

لیئے کون سے امن مشن پر تھے کن مذاکرات میں مبتلا تھے اور ان کی پر خلوص
کوششوں کا کیا نتیجہ نکلا پھر ہمیں پوچھنے دیجئے کہ کافر کون؟ ان چار سالوں میں راشن
پانی کی سپلائی کس نے جاری رکھی وہ کون عظیم المرتبت بوڑھا تھا اور وہ کون شیر دل بچہ
تھا جو آٹے گندم جو اور پانی کی مشکیں کسی نہ کسی طرح بنی ہاشم کی عورتوں بچوں اور
بوڑھوں کے لیئے مہیا کر رہا تھا آخر سفیانی سیاست اور خیانت کو ایک بار پھر شکست
ہوئی جب ایک صبح پیغمبر صادق نے اپنے مربی محسن اور چچا کو یہ مژدہ سنایا کہ بائیکاٹ
کے تحریری معاہدے کو دیمک چاٹ گئی ہے صرف نام محمد باقی رہ گیا جو قیامت تک
باقی رہے گا جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی یہ الٰہی و قرآنی وعدہ ہے وہی ہوا جو مخبر
صادق نے کہا تھا معاہدہ ختم بائیکاٹ کی تحریر دیمک چاٹ گئی نام محمد باقی رہ گیا
ابوطالب نے تلوار میان سے نکالی کہ اب کسی نے بائیکاٹ کا نام لیا تو فیصلہ تلوار سے
ہو گا یہ مخبر صادق کی خبر ہے سفیانی سیاست اور بولہبی سازشوں کے تار و پود بکھیر چکے
تھے پھر شام کے مذکورہ صوبیدار کے والد نے قتل پیغمبر کا منصوبہ بنایا چالیس قبیلوں نے
اتحاد قائم کیا تاکہ قصاص قتل محمد کسی ایک فرد سے نہ لیا جا سکے محمد کے رب نے
اپنے حبیب کو ہجرت کا حکم دیا منصوبہ سفیانی سے آگاہ کیا بستر رسول پر علی نبی بن کر
سوئے ایہ من الناس من یشری الاخرہ☆☆ کا تاج عطا ہوا سرکار رسالت نے بحکم
خدا ہجرت کر کے امانتیں علی کے سپرد کیں سلام ابوطالب کے بیٹے پر جو چالیس
تلواروں کے سائے میں تنہائی میں تاریکی میں بستر پیغمبر پر اطمینان سے سویا۔ نفس علی کا
خریدار خدا ہوا اور مرتضیٰ خدا کے حقدار علی ٹھہرے تمام رات ابوسفیان سمیت
سارے صنادید قریش برہنہ تلواریں لے کر سرکار رسالت کے گھر کے چاروں طرف
کھڑے رہے صبح ہوئی کافر اندر داخل ہوئے آگے آگے ابوجہل تھا علی محو خواب تھے
جسم مبارک پر ردائے محمد تھی چادر کا پلو اٹھایا تو ابوجہل اور دیگر کفار ہکا بکا رہ گئے زیر



چادر نبی نہیں علی تھے پوچھا محمد کہاں ہیں؟ کہا کیا میرے حوالے کر گئے تھے جو مجھ سے
پوچھ رہے ہو وہ جہاں بھی ہیں اللہ کی پناہ میں ہیں دوسری طرف حضور بخیریت مدینہ
تشریف لے آئے راستے میں ایک صحابی بھی ہمراہ ہو لیئے تھے وہ بھی حضور کے ساتھ
اسی غار میں پوشیدہ رہے کافر پیغمبر کو ڈھونڈتے ہوئے اس غار تک پہنچے مگر قدرت خدا
سے ان کی نگاہیں نور محمدی تک نہیں پہنچ سکیں کافروں کی نگاہیں محمد کے اس نور کو
جسے خدا نے چھپانا چاہا نہیں دیکھ سکتیں یہ ازلی قانون ہے جو آج تک چلا آ رہا ہے
چاہے پہلا محمد ہو چاہے آخری۔ بہرحال حضور کا مدینے میں انصار مدینہ نے شاندار
استقبال کیا ہر ملی کی خواہش تھی کہ حضور اس کے ہاں قیام کریں مگر حضور نے
یوں عادلانہ فیصلہ فرمایا کہ جہاں میری اونٹنی چل کر خود رک جائے اسی گھر میں ہم قیام
فرمائیں گے زہے نصیب جناب عبداللہ انصاری کا جنہیں میزبانی رسالت کا شرف ہوا
بہرحال مدینہ میں سب سے پہلے مسجد نبوی کی بنیاد پڑی جس میں جناب حمزہ کے ہمراہ علی
اور دیگر مخلص صحابہ کرام بھی تھے پہلے سرکاری موذن جناب بلال مقرر ہوئے عرب
کے نسبیوں اور تنگ نظریوں میں کالے رنگ کے توتلی زبان اور غیر فصیح عربی زبان
کے حامل شخص کا انتخاب وہ بھی رسول خاتم کی جانب سے انسانی مساوات کا پہلا درس
تھا۔ حضور کی ازواج اور حضور کے اہل بیت یعنی علی و فاطمہ کے دولت کدہ تعمیر ہوئے
ابوسفیان اور کفار قریش ہر طرف سے مایوس ہو کر اللہ و رسول کے خلاف آمادہ جنگ
و جدال ہو گئے یہیں پہلی باقاعدہ اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی جنگ بدر میں ہندہ صاحبہ
کے شوہر اور فرزند مع تین ہزار کفار کے آمادہ پیکار ہوئے حمزہ و علی کی تلواروں نے
کفر کی دھجیاں اڑا کر گردش دوراں کی نذر کر دیں جس میں ہندہ صاحبہ کے بھائی اور
باپ تہ تیغ و واصل جہنم ہوئے حمزہ و علی کی تلواروں سے دونوں یعنی ابوسفیان اور مسز
ابوسفیان کے دل میں آتش انتقام محمد عربی کی خلاف کم علی و حمزہ کے خلاف زیادہ بھڑکی

پھر یہ احد میں آئے مسز ابو سفیان عرب کی ساری جھنڈے دار عورتوں کو (اہل علم اس اصطلاح کو خوب سمجھتے ہیں) جمع کر کے کافروں کا جوش و خروش بڑھاتی رہیں پھر بھی جناب حمزہ و علی کی تلواروں نے مسلمانوں کی افراتفری کے باوجود ہاری ہوئی جنگ کو مسلمانوں کی فتح میں تبدیل کر دیا شام کے صوبیدار کی والدہ کو صرف ایک کامیابی نصیب ہوئی جو ہم پچھلے اوراق میں تحریر کر آئے ہیں مگر رسول خدا کو عظیم ترین نقصان اور صدمہ شہادت جناب حمزہ سے ہوا یہ حکم رسول خدا کے تحت پہلا شرعی ماتم تھا جو ازواج رسول سمیت سب اہل مدینہ نے کیا اور یہیں سے مظلوم اور شہید پر ماتم کرنا شریعت کہلایا اور ظاہر ہے کہ حلال محمدؐ قیامت تک حلال ہے اور حرام محمدؐ قیامت تک حرام ہے اسی لیئے امام حسین پر رونا رلانا شریعت ہے بدعت نہیں اسے بدعت و حرام قرار دینے والے شاتم رسول بھی ہیں اور خارج از اسلام بھی خیبرو خندق بھی ابو سفیانی سیاست کی کڑیاں تھیں۔ مسٹر ابو سفیان اپنے فرزندان ارجمند کے ہمراہ مسلسل چالیس مقامات پر رسول اللہ کے مقابلے پر آئے مگر ہر جگہ ان باپ بیٹوں اور ان کی اتحادی فوجوں کو علی کی ذوالفقار اور محمد عربی کی عظمت کے سامنے ہزیمت اور ذلت کا سامنا پڑا بالآخر ۸ ھ میں فتح مکہ ہوا حضور خانہ خدا میں داخل ہوئے اپنا کاندھا جھکایا علی کو سوار دوش نبوت کیا اور عرب کے سارے قبیلوں کے بت جس میں بڑے بتوں کا تعلق بنی امیہ کے قبیلوں اور ان کے حلیفوں سے تھا علی کے دست مبارک سے تڑوا دیئے یہ بت کیا ٹوٹ رہے تھے دونوں باپ بیٹوں مسٹر ابو سفیان اور ان سے منسوب فرزند اور مسز ابو سفیان کے دلوں پر غم و انتقام و حسد کے پہاڑ الٹ رہے تھے دشمن کا نشانہ اب کلیتہ ابو طالب کے بیٹے علی کی طرف تھا کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

بس اس خطا پہ تجھے اس جہاں نے چھوڑا ہے
کہ تیرے لعل نے ان کے بتوں کو توڑا ہے



ابو سفیانی سیاست اور شام کے صوبیدار کے زیر اثر بقول علامہ ابن ابی الحدید اخبار ماضین نامی پہلی کتاب تاریخ گھڑی گئی تو اس میں سب سے زیادہ علی اور اولاد علی کو ضمیر فروش مورخوں نے نشانہ اس لیئے بنایا کہ ابو طالب کے بیٹے علی تھے اب یہ راز بھی قارئین کی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ ابو طالب ہی کو مورخین کے ذریعہ ہندہ کے بیٹے نے کیوں کافر ٹھہرایا جبکہ اور بھی ہزاروں صحابہ کرام موجود تھے کسی کے والد کے کفر و ایمان پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی نہ ہی زور دیا گیا سارا زور یا نبی کے والد کے کفر پر یا علی کے والد کے کفر پر صرف کیا گیا ہم سے ہمارے شیعہ کیا چڑ رہیں کہ جنہیں برا کہے کافر کہے مگر سوچ لیجئے کہ ان مسلمہ حقائق کی روشنی میں کافر کون ہے؟

ہم گزشتہ اوراق میں تحریر کر آئے ہیں کہ مردود رسول مروان بن الحکم کی چالاکی سے اور ابو موسیٰ اشعری کی سادہ لوحی سے تحکیم کے معاملہ میں معاویہ فرزند ہندہ کامیابی کے قریب پہنچ گئے۔ مگر مولائے کائنات نے تاریخ کی اس سب سے بڑی دھاندلی کو قبول نہیں کیا یہی دھاندلی چودہ سو برس سے ہوتی چلی آ رہی ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

مولائے کائنات اور مسلمانوں کے خلیفہ راشد نے باغی صوبیدار کی معزولی کا فیصلہ کر لیا تھا مگر کچھ خوارج کی غداری اور کچھ دیگر منافقین کی سازشوں کے سبب ایسا نہ کر سکے شام کا باغی صوبیدار علی کے مقرر کردہ معصوم جانشین سے بھی انھیں دینہ عداوت اور ماموں نانا کے خون کا انتقام لینے کے لیئے برسر پیکار ہونا چاہتا تھا اور انھوں مسلمانوں کے خون پر تخت حکومت کے پائے رکھنا چاہتا تھا حسن کے قتل سے اپنے اس گمشدہ منصوبہ میں ناکام ہوا تو علی کے خلاف سب و شتم اور کردار کشی شروع

کی اصطلاح میں Disinformation Cell کہا جاتا ہے قائم کیا راوی خریدے
محدث خریدے مورخ خریدے مفتیان دین کا ایمان خریدا عالم یہ تھا کہ لوگوں کو اس
حد تک علی سے بے خبر کر دیا گیا تھا کہ جب مسجد کوفہ میں حالت نماز میں انھیں
موصوف کی سازش سے ابن ملجم ملعون نے حالت نماز میں فرق علی پر ضرب لگا کر
آسمان و زمین کو ہلا دیا اور کعبہ ایمان کی بنیادیں ہلا ئیں اور یہ خبر شام کے لوگوں میں
پہنچی کہ علی حالت نماز میں شہید ہو گئے تو شامیوں نے انگشت حیرت منہ میں دے کر
بے ساختہ یہ جملہ کہا جو تاریخ میں ریکارڈ ہے کہ "کیا علی نماز بھی پڑھتے تھے" معاذ اللہ
ثم معاذ اللہ اس سے شام کے فرماں روا کی اخلاقی گراوٹ و دشمنی کی انتہائی کیفیت کا
اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس پر بھی ابو سفیان کے نامراد فرزند کو چین نہ آیا بلکہ اس
نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعے ایک گھناونے اور مکروہ منصوبے کے تحت امام حسن
کو حالت روزہ میں پانی میں زہر ملا کر دیا جس سے امام کے کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو
گئے یاد رہے کہ یہ فرزند ہندہ کی جانب سے امام حسن کو زہر دینے کی ساتویں کوشش
تھی جو کامیاب ہوئی حسن اپنے معصوم بھائی اور منصوص من اللہ امام حسین کو اسرار
امامت سپرد کر کے ۲۸ صفر کو رخصت ہوئے اور ان کے جنازے کا استقبال مسلمانوں
نے تیروں سے کیا ۷۰ تیر جنازہ حسن میں پیوست ہوئے اور رسول کے پہلو میں دفن
نہیں ہونے دیا یہاں بھی حسین ابن علی کا تدبر و حلم و صبر سامنے آیا جنھوں نے ہاشمی
جوانوں اور بالخصوص ابوالفضل العباس کے غیظ و غضب کو حلم کی زنجیریں پہنا دیں اور
مدینے میں کربلا نہ بن سکی۔ ورنہ جو کام ان کے بدبخت بیٹے یزید نے ۶۱ ہجری میں کربلا
میں کیا وہ مدینے ہی میں ہو جاتا۔ کسی صحابی نے ام المومنین سے اس موقع پر یہ طنزیہ
فقرہ کہا تھا کہ تم بھی عجیب ہو کبھی باپ کے مقابلے میں اونٹ پر بیٹھ کر آ جاتی ہو کبھی
بیٹے کے مقابلے میں خچر پر سوار ہو کر آ جاتی ہو اب اگر تمہیں موقع ملا تو شاید ہاتھی پر



سوار ہو کر آؤ گی شہادت امام حسن کے بعد فرزند ابو سفیان مادر پدر آزاد ہو گیا مطلق
العنان بادشاہت کی بنیاد ڈالی آل رسول کو ختم کرنے کے منصوبے بنائے اور یہ شاہی
ٹھاٹ باٹ اور شاہانہ کروفر اور دیگر خرافات دیکھ کر جب انھیں ام المومنین نے
اعتراض کیا تو انھیں راستے سے ہٹانے کے لیئے مذموم اہتمام کیا گیا
حرم رسول کو راستے سے ہٹانا اس لیئے بھی ضروری تھا کہ موصوف یہ جانتے تھے کہ
باپ تک تو محترمہ برداشت کر گئیں مگر یزید جیسے بدقماش شرابی کی حکومت پر وہ معترض
ہیں اس لیئے اس کانٹے کو نکالنے کے بعد یزید کی ولی عہدی کے لیئے کوششیں شروع
ہوئیں مکہ مدینہ کے مسلمانوں کے ایمان بزور زر و جواہر دینار و درہم اور بزور شمشیر
یزید کے حق میں خرید لیئے گئے آخر اسلام کو مکمل بربادی کی منزل تک پہنچانے کے
لیئے مسلمان کے سروں پر یزید جیسی لعنت کو مسلط کر دینا چاہا۔

---

مذکورہ بالا تحریری تقابل کی ضرورت ہمیں اس لیئے پیش آئی کہ معزز پڑھنے والے اور
بالخصوص نوجوان ذہن سیدھے سادے الفاظ میں دو دو چار کے مصداق دونوں کرداروں
کا ان کی تاریخی حقائق کے پس منظر میں تقابلی مطالعہ کریں اور کسی حتمی اور فیصلہ کن
نتیجہ پر پہنچیں کہ مجرم کون؟ مظلوم کون؟ مومن کون؟ منافق کون؟ اسلام دوست کون؟
اسلام دشمن کون؟ ہم مولانا ابو الاعلی مودودی کے تبحر علمی کے قدر دان ہیں ان کے
عمیق اور گہرے مطالعہ کے بھی معترف ہیں اور خصوصاً ان کی مشہور زمانہ کتاب
خلافت و ملوکیت کے آخری حصوں اور ابواب کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر وہ
عرق ریزی کے بعد اور کئی صفحات سیاہ کرنے کے بعد جو اپنے قارئین پر پابندی لگاتے
ہیں کہ مانا کہ علی کے مقابلے میں پسر ہندہ سراسر غلطی اور گناہ عظیم کے مرتکب
ہوئے لیکن چونکہ انھوں نے اسلامی مملکت کو مضبوط کیا۔ بحری بیڑہ بنایا کاتب وحی رہے

بڑا کھنا منا: نہیں مجھے نہیں پتہ کس زمانے میں یہ قرآن لکھنے پر مقرر ہوئے اس لیئے کہ فتح مکہ کے بعد مجبوراً تو ان کے والدین بظاہر اسلام لائے تھے اور فتح مکہ ۸ ہجری میں ہوا حضور کا وصال ۱۱ ہجری میں یہ تین سال میں کتنا قرآن لکھ بیٹھے اور حضور کی نگاہ بصیرت افروز میں ساری عمر اسلام دشمنی کرنے والے باپ بیٹے اتنے معتبر ہو گئے کہ وہ اللہ کی آخری کتاب جو قیامت تک حرف حرف برحق ہے کے کاتب کے منصب پر فائز ہو گئے جبکہ قرآن گزشتہ ۲۰ برس سے نازل ہو رہا تھا اور سابق الاولون صحابہ اور جلیل القدر مخلص فعال و حفاظ قرآن موجود تھے حضور معاذ اللہ کوئی سیاسی رہنما تو تھے نہیں جو کفر کی طرف سے مجبوراً لوٹ کر آنے والوں کو فوراً عصر حاضر کی سیاست والوں کی طرح مختلف ذمہ داریاں اور منصب عطا فرما دیں اور وہ بھی قرآن کی کتابت جیسی عظیم ذمہ داری ایسے شخص کے سپرد کر دیں جس نے گزشتہ ۲۰ برس میں قرآن کی ایک آیت بھی نہیں پڑھی تھی اور اس پر ایمان بھی نہیں رکھتا بہرحال یہ اگر ایسا ہوا بھی تو بھی مولانا کا الٰہی کتاب کے طالب علموں پر یہ پابندی لگانے کا حق نہیں ہے کہ بڑے بڑوں کی بات ہے ان سے کچھ نیکیاں یعنی وسعت مملکت اور بحری بیڑے کا کارنامہ سرزد ہوا ہے اس لیئے ہمیں کچھ نہیں کہنا چاہیے علی اور فرزند ہندہ دونوں کا احترام کرنا چاہیے یہ عجیب منطق ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے ایک عجیب و غریب اصطلاح خطاء اجتہادی کا سہارا لیا تاکہ یہ ثابت کر سکیں کہ شام کے صوبیدار سے علی کے مقابلے میں خطاء اجتہادی سرزد ہوئی ہے اس پر ہم علیحدہ سے کسی دوسرے مقام پر تفصیلی گفتگو کریں گے اور بتائیں گے کہ یہ خطائے اجتہادی کا شوشہ کب کیوں اور کس کے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لیئے چھوڑا گیا ہے۔



# نواں باب

## خطاء اجتہادی کی مضحکہ خیز اصطلاح

یہ ایک عجیب و غریب اصطلاح بلکہ مضحکہ خیز اصطلاح فرزند ہندہ جگر خوارہ کی خانہ ساز فیکٹری میں تیار ہوئی۔ زرخرید مفتیوں کے فتووں کی بھٹی میں ڈھلی خاندان ملوکیت جس کا مخلص بنی امیہ ہے کی گود میں پلی اور پھر جزیرہ نمائے عرب میں وائرس کی طرح پھیلی Power of State اینڈ Power of Wealth اور Power of Communication کی بیساکھیوں سے شام سے چلی مکہ مدینہ بصرہ یمن غرض تمام بلاد اسلامیہ کے کم علم و کم عقل مسلمانوں کے دماغوں میں سرطان کی طرح سرائیت کر گئی اس مکروہ اصطلاح کا تعلق نہ قرآن سے تھا نہ سنت رسول سے نہ عقل سے نہ منطق سے نہ حق سے نہ انصاف سے اہل علم و دانش اور ارباب معرفت سلمان بوذر میثم مقداد حذیفہ یمان وغیرہ اور بہت سے اصحاب حق اس وقت بھی اس خطاء کے خوبصورت فریب میں نہیں آئے۔ اس زمانے کے عرب جہلا کی علمی زبوں حالی کا عالم یہ تھا کہ وہ صفین میں نیزوں پر بلند اینٹ کے ٹکڑوں کو بھی قرآن سمجھتے رہے اور انہوں نے سوائے مذکورہ بالا چند صاحبان ایمان کے باب علم اور قرآن ناطق علی کی ایک نہ سنی اور یوں یہ فتنہ جس کا قلعہ منافقت فاتح خیبر مسمار کرنے کو ہی تھے ایک مرتبہ پھر بچ نکلا۔ یقین جانیئے کہ اگر صفین میں فرزند ہندہ مسلمانوں کے منتخب خلیفہ راشد علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھوں ختم ہو جاتا تو آج اسلام اور مسلمانوں کی ابتری و

بربادی کا یہ عالم نہ ہوتا اور مسلم امہ یوں ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر Lawrance of Arabia کے بٹھائے ہوئے پٹھوں کے ہاتھ میں کھلونا نہ بنتی اور نہ ہی یہ شرمناک نوبت آتی کہ ایک عرب مسلمان یہودیوں اور مشرکوں کو مدد کی لیئے بلاتے انھیں بیت المال سے شراب اور لحم خنزیر سپلائی نہ کرتے ملت مسلمہ کی رسوائی چار دانگ عالم میں کبھی نہ ہوتی یہ سب اس سازش کا نتیجہ ہے جو آغوش عنود کے پروردہ کی سازش کے تحت صفین میں عمل میں آیا کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

یہ دور بھی دیکھا ہے تاریخ کی آنکھوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

اگر زر خرید ملا اس وقت حق کو حق کہنے کی جرات کر ڈالتے اور خطائے اجتہادی کی بے بنیاد لغو اور بودی اصطلاح کا سہارا لے کر مرکز اسلامی کے باغی صوبیدار کو پناہ نہ دیتے تو چودہ صدیوں میں اسلام اور شریعت کے گلے پر ابوسفیان کے خنجر نہ چلتے اور ہر بدقماش اور فاسق و فاجر شریعت دشمن بادشاہ کو ظل الہی و گیتی پناہ کے لقب سے نہ نوازا جاتا King Does no Wrong کی فرنگی اصطلاح کی بدعت مسلم امہ میں رائج نہ ہوتی۔ اسی غلط اور لغو اصطلاح کی نیرنگیاں اور خرابیاں ملاحظہ ہوں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی از تحفہ اثنا عشریہ اسی خطائے اجتہادی کی وکالت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم اہلسنت تسلیم کرتے ہیں کہ حضور اکرم کے فرمان کے مطابق حق علی کے ساتھ ہیں اور علی حق کے ساتھ ہے وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ صفین میں شام کا باغی صوبیدار غلطی پر تھا اور اسکی صحت کے لیئے کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ بقول محدث دہلوی کے کہ اس نے قرآن کے ترجمے اور تاویل کو سمجھنے میں غلطی کی مگر اس سے اس کا فسق و فجور یا کفر ثابت نہیں ہوتا گویا قرآن کو غلط سمجھنے اور غلط تاویل کرنے والا بھی موصوف کے نزدیک کافر نہیں۔ پھر کیا خیال ہے اس دہشت گرد تنظیم



کا جو ہمیں کافر کافر کہہ کر اپنے آقاؤں کا حق نمک ادا کر رہی ہے جبکہ ہم تو قرآن کی تفسیر اور تاویل بھی ان معصوم ائمہ علیہم السلام سے لیتے ہیں جو قرآن ناطق ہیں یاد رہے کہ محدث دہلوی نے اس حدیث رسول کو بھی صحیح مانا کہ یا علی میں نے تنزیل قرآن پر جنگ کی اور تم تاویل پر جنگ کرو گے اور ساتھ ساتھ ایک صحابی کے لیئے یہ بھی فرما گئے کہ اے عمار یاسر تمہیں ایک باغی گروہ قتل کریگا اب آپ خود فیصلہ کریں ر شخص نگاہ رسالتماب میں باغی ہو اسے خطاء اجتہادی کے ملعون پردے میں چھپا کر ک اور پوتر اور گنگا اور جمنا میں نہایا ہوا ثابت کرنا کیا براہ راست اسلام دشمنی اور کذیب رسالت نہیں اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ جو جب بھی جہاں بھی جس دور میں بھی تکذیب رسالت کرے وہ منکر قرآن ہے اور دائرہ اسلام سے خارج بھی۔ منکر سلام اس لیئے کہ حضور وحی الہی کے بغیر گفتگو نہیں کرتے چاہے لب مبارک پیغمبر لیہ السلام پر آیت جاری ہو چاہے حدیث حق حق ہے اب کیا فرماتے ہیں کافر کافر کہنے الے کہ کون کیا ہے؟

سلطاء اجتہادی کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اہل حق کے مقابلے میں ہر دور میں فاسق و فاجر بادشاہوں کو مادر پدر آزادی دیدی کہ وہ جس طرح چاہیں صحابہ کرام تابعین عظام طبع تابعین اولیاء اللہ اہل معرفت کی کھالیں ادھیڑتے رہیں۔ مسلمان مؤمنین و مجاہدین ASS کی کھال میں سلوائے جائیں محلات میں شراب خواروں اور بت عصب سے لبالب حوض میں حوا کی بیٹیوں کی عصمت و حرمت کی دھجیاں اڑاتے رہیں۔ قرآن پر تیر برساتے رہیں بندروں سے کھیلتے رہیں۔ رقص و سرود کی محفلیں سجاتے رہیں بھرے دربار میں بے ہودہ اور اخلاق سوز شعر و شاعری فرماتے رہیں۔ کنیزیں رقص کرتی رہیں حجاج بن یوسف جیسے والی مدینہ مقرر ہوتے رہیں جس کی جیل کی کوٹھریوں سے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کے ڈھانچے برآمد ہوتے رہیں دور بنی امیہ

بحوالہ بخاری شریف یا علی انت منی وانا منک ☆ کی مسند پر فائز علی پر ۷۰ برس تک سب و شتم جاری رہے اور بقول مولانا مودودی کے یہ مکروہ رسم وہ تھی کہ جس کے موجد اور بانی خود شام کے باغی صوبیدار تھے جو یہ اخلاق سے گھٹیا اور کمینگی کا تحفہ اپنی باقیات صالحات میں یزید سمیت چھوڑ گئے بھلا یزید کیا کم نطفتی تھا باپ کی ناسوری ایمانداری اور اسلامی دوستی ثابت کرنے کے لیئے جو سب و شتم کی بیہودہ اور مکروہ رسم رائج کر گئے یاد رہے قارئین کرام کہ یہ سب مکروہ و مذموم کھیل خطاء اجتہادی کے مچان پر بیٹھ کر کھیلے گئے اگر ریاستی اختلاف اور انتقام خون عثمان کے ثبوت اور بودے دعوے وجہ اختلاف مان بھی لئے جائیں تو بھی اہل ایمان کو لرزا دے کے لیئے یہی حدیث رسول کافی تھی کہ "یا علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں" انھیں سوچنا چاہئے تھا کہ یہ گالی یہ بے ہودگی یہ دریدہ دہنی صرف علی کے لیئے نہیں ہو رہی تھی بلکہ بات بیٹیں۔ طٰہٰ۔ مزمل و مدثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جا رہی ہے اب فرمائیں اہل انصاف کہ پہلا شاتم رسول زیادہ مجرم ہے یا رنگیلا رسول کا ناشر مشرک مصنف یا Satanic Verses کا بدنام زمانہ کیمونسٹ بے دین اور واجب القتل شیطان رشدی تو پھر کیا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ رنگیلا رسول کا مصنف اور شیطان رشدی سے بھی خطاء اجتہادی سرزد ہوئی۔ تفو برتو اے چرخ گرداں تفو۔ یہ خطاء اجتہادی نامی اصطلاح کی تبری اور قہقہے لگانے یا ماتم کرنے کی حد تک تعریف و حظ ہو۔ اہل حق بلکہ مجسم حق علی سے لڑنے والوں ان کے صحابہ کو جو رسول اللہ کے بھی صحابی تھے اور رسول کے آزاد کردہ غلاموں یعنی ابوسفیان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب دے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۳۔ یہ سب خطاء اجتہادی کا کارنامہ ہے جس کے نتیجے میں دور بنی امیہ اور دور بنی عباس سے مغل ایمپائر تک شیعان علی کو جرم محبت علی میں بے دریغ تہ تیغ کیا گیا۔



تاریخ کے اوراق شاہد ہیں ایک رات میں دس دس ہزار شیعان علی و محبان اہل بیت کو تہ تیغ کر کے ان کی لاشوں پر قالین بچھا کر شباب و شراب کے ساتھ رات کا کھانا بادشاہوں نے اپنے گماشتوں اور زرخرید ملاوں کے ہمراہ زہر مار کیا۔

۵۔ خطاء اجتہادی کا پانچواں مذموم کارنامہ یہ ہے کہ اولاد رسول میں گیارہ ائمہ معصومین علیہم السلام کو قید و بند زنجیر و سلاسل خنجر و تیر و تفنگ اور زہر کے پیالوں سے نوازا گیا خلفائے اجتہادی کے علمبردار نے رسول کے اس ایک بھائی اور دس معصوم بیٹوں کو نشانہ ظلم بنایا جو امام دو جہاں تھے معصوم عن الخطا تھے لنگر کون و مکاں تھے وارث مسند پیغمبر تھے شجرہ ابراہیم و اسماعیل کا پاکیزہ ثمر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منجانب اللہ علمبردار تھے خدا کے مصطفیٰ تھے پروردگار کے مجتبیٰ اور مرتضیٰ بندے تھے سورہ آل عمران کی جان تھے عابد شب زندہ دار تھے قائم اللیل اور صائم الدہر تھے فاقوں اور مصیبتوں میں صابر نہیں شاکر تھے کیونکہ صبر مجبوری پر اور شکر نعمت پر ہوا کرتا ہے۔ ان ظالم بادشاہوں نے سب سے پہلا تحفہ خطاء اجتہادی کے کفن میں لپیٹ کر جو رسول العالمین کی خدمت میں ارسال کیا وہ رسول کی بتول بیٹی حضرت سیدۃ النساء العالمین علیہا السلام اپنا زخمی پہلو اور معصوم محسن کی لاش لے کر اپنے بابا کی خدمت میں پہنچیں۔ پھر علی حالت سجدہ میں کیفیت نماز میں ۱۸ رمضان المبارک کو وقت نماز فجر شامی صوبیدار کی سازش کے تحت ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں ضربت کھا کر خدمت پیغمبر اسلام میں پہنچے پھر حسن زہر کا پیالہ پی کر اپنے بھائیوں کے کاندھوں پر جنازے کی صورت میں نانا کی قبر کے قرب میں جگہ لینے گئے تو خطاء اجتہادی کے تیروں سے جنازہ حسن کو چھلنی کر دیا گیا یہ جناب حمزہ کی لاش کی بے حرمتی کے بعد جو ہندہ نے کی تھی دوسری مکروہ اور قابل نفرت حرکت تھی جو اسی باغی صوبیدار کی شہ پر سرزد ہوئی اور تاریخ ماتم کرتی رہ گئی اسلام گریباں چاک کرتا رہ گیا کعبہ تڑپتا رہ گیا۔

قبر رسول لرز کر رہ گئی اور بالآخر حسینؑ کے تدبر نے مدینہ میں کربلا نہیں بننے دی اور غریب بھائی کو غریب ماں کے پہلو میں دفن کر دیا یہ تیسرا تحفہ تھا جو خلفاء اجتہادی کی آڑ میں مسلمان ظالم حکمراں نے اپنے رسول کی خدمت میں بھیجا اور تو اور شام کے والی صوبیدار کے بدنام زمانہ بیٹے نے کربلا میں اپنے ماموں نانا اور ان اعزا کا بھرپور بدلہ لیا جو بدر و احد میں حکم رسول سے حسین کے عظیم بابا علی مرتضیٰ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے تھے اور اس کا اقرار خود یزید بد نہاد نے ببانگ دہل دربار شام میں کیا۔ یہ ناسور اسلام کی تاریخ کے اوراق میں موجود ہے ۹۰ برس کے بوڑھے سے لے کر چھ ماہ کے بچے تک کو تیر و تفنگ و خنجر و گرز و شمشیر کا نشانہ بنایا گیا یہ بربریت اور حیوانیت کی انتہا جو خاندان ہندہ کو ورثہ میں جنگ احد سے ملی تھی۔ شہادت حضرت حمزہ سے لیکر علی اصغر تک آپ کو صرف خاندان رسالتمآب کے خلاف ملے گی۔ اس کے بعد چار سے پہل کے باب احراق فاطمہ کی اولاد کے خیموں میں آگ لگائی سروں سے چادریں چھینیں مال و اسباب لوٹا بے کجاوہ اونٹوں پر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام شام سے دربار شام دربار سے زنداں۔ ۱۲۰۰ میل سربرہنہ پھرایا شہر سجائے گئے آئینہ بندی کی گئی مسلمان تماشائی اکٹھے کیئے گئے جشن منائے گئے پتھروں سے استقبال کیا صدقہ کے خرمے جو آل رسول پر حرام تھے پھینکے گئے آل رسول کے بچوں کو پانی دکھا دکھا کر ایک صحابی سعد ابن ابی وقاص کے بیٹے عمر بن سعد کے حکم پر شمر ملعون نے گھوڑوں کو چلایا اور جو بچا وہ بہا دیا۔ رسول زادیوں کے ہاتھ پس گردن باندھ دیئے گئے گنج شہیداں سے گزارا گیا یہاں اپنے پیاروں کا ماتم بھی نہ کر سکیں کوئی بچہ روتا تو طمانچہ لگتا کوئی بیمار فریاد کرتا تو تازیانہ سے استقبال کیا جاتا خانوادہ رسالت کے لٹے ہوئے قافلے کی تشہیریں کی گئی کہ آگے آگے نیزوں پر حسین اور ان کے ساتھیوں کے سر پیچھے سیدانیوں اور ماں بہنوں کے بے محمل و بے کجاوہ اونٹوں کی سواریں سید



سجاد کے ہاتھ میں دے دیں آگے آگے منادی ندا دیتا اور کہتا مسلمانو پتھر مارو یہ بادشاہ کے باغی ہیں اور پھر پتھروں کی بارش ہو جاتی کسی کا سر زخمی ہوتا کسی کی پیشانی یہ سب مظالم خلفاء اجتہادی کی بیساکھیوں پر کھڑے ہو کر کیئے جا رہے تھے عالم اسلام گنگ مفتی خموش ملاں مہر بلب۔ اسی لیئے تو اختر چنیوٹی مرحوم نے کہا تھا۔

بے پردہ حرم ہیں ساتھ نیزے پہ کسی دلیں پڑا ہے
سجاد خدا معلوم تجھے اسلام کہاں لے آیا ہے

ہم کربلا پر کہاں تک لکھیں کہ ۶۰ ہجری سے اب تک کربلا پر جتنا لکھا گیا اتنا کسی موضوع پر نہیں لکھا گیا اپنوں نے بیگانوں نے کافروں نے مسلمانوں نے ادبا نے افسانوں نے نثر نگاروں نے قلم کاروں نے شعراء نے ارباب مقاتل نے خطباء نے ادیبوں نے فصیحوں نے بلیغوں نے خطیبوں نے حساس دل رکھنے والوں نے جن میں ذرا بھی حمیت اور انسانیت تھی لکھا اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا دنیا سوچتی رہے گی یہ حسین کون تھا کیا تھا جو صرف ۷۲ شہید کرا کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو بچا گیا توحید و نبوت و قرآن کو جام بقا دے گیا ابھی حسین پر سوچا جا رہا ہے چاند سورج مسخر کرنے والے سائنسدانوں سے زیادہ تعداد ان اپنے پرائے مصنفین و اسکالرز کی ہے جو اب تک حسین سوچ رہے ہیں حسین کہہ رہے ہیں حسین لکھ رہے ہیں۔

دنیا یہ نہ ہو گی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہرحال ترا نام رہیگا

اہل علم و ارباب بصیرت ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہیں کہ یہ بدبخت اصطلاح (خلفاء اجتہادی) صرف خاندان رسالت کے خلاف کیوں استعمال کی گئی آیئے ہم آپ کو اس کی اصل حقیقی اور منطقی وجہ بتائیں۔

سب سے پہلے یہ اصطلاح خاندان رسالت کے پہلے امام برحق کے مقابلے میں رائج کی گئی یہاں سے نام نہاد باب اجتہاد کھلا اور جب تک خاندان رسالت کا ایک بھی معصوم امام اس دنیا میں رہا ان پر مظالم روا رکھنے کے لیئے امامت منصوص من اللہ کے مقابلے میں اجتہاد کا دروازہ کھولا گیا ابو سفیان کی نسل سے مجتہد امام کر لائے گئے حالانکہ امام معصوم کے مقابلے میں مجتہد اور اجتہاد کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیا رسول اللہ نے کبھی اجتہاد فرمایا نہیں ہمیشہ امر کیا حکم دیا اور ان کا فرمان ہی حجت رہا ان کی حیات مبارک میں کسی کو دعوی اجتہاد کی جرات نہیں ہوئی۔ ادھر رسول الثقلین کی آنکھ بند ہوئی ادھر اجتہاد کے دروازے چاروں چٹ کھول دیئے گئے فتووں کا بازار گرم ہوا امام حسن علیہ السلام کے زمانے میں بھی اجتہاد فرمایا گیا معاہدہ نہیں سے تو عورتوں تک سے فتوے لیئے گئے حسین علیہ السلام کے قتل اور ان کے خاندان کو تباہ کرنے کے لیئے ایک دو نہیں ساڑھے سات سو مفتی راتوں رات خریدے گئے تاکہ فاسق و فاجر و بدقماش امیر سلطنت یزید بن معاویہ بن ہندہ جگر خوارہ کے خلاف جہاد کرنے والے کو باغی ثابت کیا جائے اور

اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم☆

کی آیت پر تخت چڑھایا جائے ہر بادشاہ معاذ اللہ اولی الامر ہے تم معاذ اللہ اسکی اطاعت ایسی ہی واجب ہے جیسے اللہ اور رسول کی۔ آیت اولی الامر کا استعمال صرف خاندان رسالت کی مکمل بربادی اور تباہی تک کیا گیا اس کے بعد حکمرانوں کے خلاف اپوزیشن بھی قائم ہوئی۔ حزب اختلاف بھی ابھری لڑائیاں بھی ہوئیں خون کی ندیاں بھی بہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے مسلمان کا قتل عام بھی ہوا پھر کسی کو اطاعت اولی الامر کا خیال نہیں آیا اور عجب یہ ہے کہ جیسے ہی رسول کے گیارہ اماموں کا ان کے خاندانوں سمیت اللہ اجتہادی کی آڑ میں ستایا گیا اور رسول کا آخری جانشین یعنی ہمارا



بارہواں امام حجت خدا پردہ غیب میں تشریف فرما ہوا آپ نے خود باب اجتہاد بند کر دیا اب تک دی ۱۲۳۴ سو برس پرانے فتووں پر عمل ہو رہا ہے جبکہ مذہب اثنا عشریہ امامیہ جو حقیقی معنی میں مذہب حقہ ہے حکم امام معصوم سے آپ کی غیبت کبریٰ میں جانے کے بعد امت کی راہنمائی کے لیئے باب اجتہاد کھلا رہا اور الحمد اب تک کھلا ہے یاد رہے حضرت علی سے لے کر امام عسکری علیہ السلام تک کی حیات ظاہری میں ہمارے یہاں اجتہاد و مجتہد و تقلید کا کوئی تصور نہیں تھا کیونکہ ہمارے یہاں امام معصوم حجت خدا ہوتا ہے مجتہد نہیں بس یہی فرق ہے کہ امام معصوم مجتہد نہیں ہوتا وہ پیدائشی عالم علم لدنی ہوتا ہے اسی طرح کوئی بھی مجتہد کسی پائے کا ہو وہ امام نہیں ہو سکتا غیبت امام میں عوام کی لیئے بحکم امام تقلید کا حکم ہے اور انہیں بھی جبر نہیں ہے کہ کسی ایک مخصوص مجتہد کی تقلید کرو بلکہ اپنی صوابدید اور عقل و علم کے مطابق کسی بھی مجتہد جامع شرائط کی تقلید وہ بھی فروع دین میں کی جا سکتی ہے ہمارے مذہب میں نہ دعوی ہے نہ زبردستی نہ برہمن ازم ہے نہ POPISM بلکہ ۱۴ کو اولی الامر☆ ہمارے مذہب کی بنیاد ہے ہاں ہمارے یہاں اصول دین ہیں۔ توحید عدل نبوت امامت قیامت فروع دین ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ خمس۔ جہاد۔ تولا۔ تبرا۔ وہ ناقابل تردید مسلمات ہیں جن میں قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور اصول و فروع دین کسی مجتہد کے جمع کردہ نہیں ہیں بلکہ از روئے قرآن و مذہب رسول اور ان کے بارہ معصوم جانشینوں کے قائم کردہ ہیں اور ہم اس اٹل قانون پر عمل پیرا ہیں کہ

حلال محمد حلال الی یوم القیامۃ و حرام محمد حرام الی یوم القیامۃ☆

محمد مصطفیٰ کا آخری جانشین جو لشکر کون و مکاں اور مسند نشین ختم نبوت ہے جب خانہ کعبہ سے ظہور فرمائے گا اس وقت اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے امام استغاثہ بلند کریں گے اور کائنات کا ذرہ ذرہ آواز امام پر لبیک کہے گا زہے نصیب ان کا

جنھیں اپنی زندگی میں یہ سعادت نصیب ہو پھر یہ چھوٹی موٹی سیاہ حشرات الارض کی طرح جلال امامت کی تیز و تند آندھیوں میں تحلیل ہو جائے گی صرف لشکر امام زمانہ ہو گا۔ فسق و فجور سے لبریز انسانی معاشرہ قیادت فرزند مصطفیٰ امام منصوص من اللہ

میں عدل و انصاف اخوت و محبت کی آماجگاہ بن جائیگا ایک عورت مشرق سے سونے چاندی میں لدی ہوئی روانہ ہو گی اور مغرب تک اسے کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا نہیں ہو گا ایسے پاکیزہ عادلانہ معاشرہ کو شریعت کا معاشرہ کہا جائیگا۔ اس وقت نہ اجتہاد ہو گا نہ خطاء نہ مقلد ہوں گے نہ مسئلہ تقلید نہ فتوی ہو گا نہ تفسیر بالرائے۔ زمین فرزند ابو تراب کے حضور اپنے راز اگلے گی اپنے دفینے اور خزینے امامت کے روبرو پیش کرے گی علماء سو جو سیکڑوں کی تعداد میں ہوں گے علی کی ذوالفقار کا ترنوالہ بنیں گے جہاد واجب ہو گا جمعہ اور نماز جمعہ کا حقیقی فلسفہ ابھر کر سامنے آئیگا کا پاک دل پاک طینت اور محبت محمد و آل محمد سے لبریز روحیں مردہ جسموں میں لوٹائی جائیں گی سب امام زمانہ کی آواز پر لبیک کہیں گی اور منافقین مشرکین کافرین متکبرین کا قلع قمع ہو گا مستضعفین طاقتور ہوں گے اور اللہ کے وعدے کے مطابق انھیں زمین پر تمکین اور وقار عطا ہو گا انشاء اللہ۔۔۔۔۔۔۔لاکھ سپاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ میں عیسی جیسے جلیل القدر نبی اللہ اور خضر و ادریس جیسے رہنما نیابت معصوم کا حق ادا کریں گے آیہ میثاق کی منہ بولتی تفسیر ہو گی دین حق غالب ہو کر رہے گا چاہے مشرکوں اور کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے یہ قرآن کا وعدہ ہے اور ہمارا قرآن کے ایک ایک حرف پر یقین ہے امام زمانہ نہ صرف اس دور کے مشرکین و کافرین و منافقین کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے بلکہ دشمنان آل محمد اور بالخصوص قاتلان حسین ابن علی سے انتقام لیں گے اس کے لیئے ان کی ہڈیوں کو بحکم خدا جمع کر کے انھیں زندہ کر کے ایک ایک ظلم کا حساب لیں گے کیونکہ یہ عدل امامت کا تقاضہ ہے اور



فیصلہ قرآنی کے عین مطابق ہے۔ خدا وارث مسند پیغمبر کو جلد از جلد اذن ظہور عطا فرمائے۔ آمین تاکہ قرآنی وعدوں اور فرمودات سرکار رسالت کی تکمیل ہو۔

# دسواں باب

## E.C.G کا ASS

اب ہم اپنے معزز قارئین کے شاداب اور پاکیزہ ذہنوں کو ایک انتہائی اہم حساس اور چونکا دینے والے مسئلے کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں قرآن حکیم نے سورہ بقرہ میں کچھ گروہوں کی نشان دہی فرمائی ہے جو زمانہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے آمادہ فساد رہے انہوں نے بظاہر خدمت پیغمبر میں حاضری بھی دی صحبت پیغمبر کا موقع بھی انھیں میسر آیا۔ کلمہ بھی پڑھا یوم آخرت پر ایمان لانے کے یہ لوگ دعویدار بھی تھے مگر قرآن نے اپنے حبیب کو مطلع فرمایا کہ میرے حبیب یہ جو تمھاری بزم میں آ کر کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے یہ حقیقت میں ایمان نہیں لائے یہ مومن نہیں ہیں یہ دھوکے باز ہیں یہ اپنے زعم ناقص میں اللہ مومنوں کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ یہ اللہ اور مومنوں کو کبھی دھوکہ نہیں دے سکتے حقیقتاً۔ یہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں مگر انھیں اس کا شعور نہیں ہے ان کے دلوں میں بیماری ہے اور اللہ نے ان کی بیماری (نفاق) میں اضافہ کا فیصلہ کر ہی لیا ان کی دلوں پر مہریں لگا دیں پروردگار عالم نے اپنے حبیب کو ان منافقین و مفسدین کی نشانیاں بتاتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ بدنصیب ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ تو یہ بڑی چالاکی سے کہتے ہیں کہ ہم فساد نہیں پھیلا رہے ہیں بلکہ ہم تو اصلاح احوال کا مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں اور جب یہ اپنے شیطانوں سے تخلیہ کرتے



ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو حقیقتاً تمھارے ساتھ ہیں اور تمھارے ہی مشن کی تکمیل کر رہے ہیں مومنوں سے تو ہم ان میں داخل ہو کر ہنسی ٹھٹھہ مذاق کر رہے ہیں یہ مکمل اور جامع تعریف ہے جو قرآن نے مفسدوں اور منافقوں کی کی ہے اور مندرجہ ذیل نشانیاں بتائیں!

نمبر۱ وہ بزم رسالت میں آ کر اقرار توحید و اقرار یوم آخرت کرتے ہیں

نمبر۲ اس کے باوجود وہ مومن نہیں ہیں بلکہ دشمن یعنی حرب کے بیٹے کے ایجنٹ ہیں اور اسی کی ایما پر مومنوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے فساد کرانے اور قلعہ اسلام میں نقب زنی کرنے کا مکروہ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

نمبر۳ یہ مفسدین حقیقتاً، منافقین ہیں فساد فی الاسلام ان کا ٹارگٹ اور حربی و اموی مکاری ان کا مینڈیٹ ہے۔

نمبر۴ مگر یہ فساد بنام اصلاح کرتے ہیں جس سے کم عقل اور سادہ لوح انسان اکثر دھوکے میں آ جاتے ہیں۔

نمبر۵ ان کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف مومنوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنا ہے ان مکروہ اور گھناؤنے عزائم کی تکمیل کی لیئے انھیں حربی خاندان سے سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے یعنی یہ طے ہو گیا کہ فساد جب بھی ہو گا مسلمانوں کے درمیان تو اس کے ڈانڈے ابوسفیانی سیاست اور اموی دولت سے ملیں گے آپ چودہ سو برس کی مکمل تاریخ اسلام کو اٹھا کر دیکھ جائیں مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں حیات نبی کریم سے لے کر وفات سرکار رسالت تک وہاں سے صفین و جمل و نہروان تک وہاں سے کربلا تک کربلا سے کوفہ بغداد کی تاراجی تک وہاں سے مغل ایمپائر کے خونی دور تک مغل ایمپائر کے زوال سے میر جعفر و میر صادق کی غداری تک ٹیپو سلطان شہید سے سقوط حیدر آباد کی تک۔ رضیہ سلطانہ سے چاند بی بی تک جو کچھ بھی المناک اور

شرمندہ تاریخ ہمارے سامنے ہے وہ انھیں افراد کی وجہ سے ہے جنھیں قرآن نے منافق اور مفسد کہا۔ چہرے بدلتے رہے چولے تبدیل ہوتے رہے مگر ابو سفیان کے گھرانے کا دیا ہوا مینڈیٹ مختلف حوالوں سے مختلف ادوار میں مسلم امہ کے اتحاد کی جڑوں پر شر کا خنجر چلاتا رہا اور ہمیں افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ مسلم امہ کے اتحاد کے تار و پود بکھرنے کی ہر سازش کی ہر کڑی میں نام نہاد ضمیر فروش علماء کا کردار ہراول دستے کا سپاہی یا جرنیل کا رہا جس کا خلاصہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دین ملاں فی سبیل اللہ فساد کہہ کر دیا پھر کچھ یوں ہوا کہ گزشتہ عشرے میں ایک مرد قلندر اور رجل فقیہ سرکار آیۃ اللہ خمینی کی قیادت میں اس صدی کا سب سے بڑا اور عظیم اسلامی انقلاب برپا ہوا جس نے بادشاہت اور ملوکیت کے دامن کی دھجیاں اڑا کر اسلام اور شریعت محمدی کے صحیح خد و خال سجائے سنوارے اور مسلمانان عالم کو منافقین۔ مفسدین۔ متکبرین اور اسلام دشمن قوتوں کے ناپاک ارادوں سے آگاہ کیا ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت کے نیست و نابود ہو جانے کے بعد OF ARABIA LAWRENCE کے پٹھوؤں اور ان کے گماشتوں کو انگاروں پر کروٹیں لینے پر مجبور کر دیا۔ لا شرقیہ لا غربیہ اسلامیہ جمہوریہ☆☆ کے حقیقی اسلامی نعرے نے ایران کے عظیم الشان رہنما کی قیادت نے جہاں ایک عالم کو اپنی طرف متوجہ کیا حقیقی روح اسلام سے آشنا کیا وہاں دوسری طرف سپر طاقتوں کے D.S.P. رینک کی بادشاہوں کے محلات میں زلزلہ آ گیا انھیں اپنی بادشاہتیں خطرے میں نظر آئیں سپر طاقتوں کو اس صدی میں پہلی مرتبہ اگر کسی نے بہ بانگ دہل للکارا اور امت مسلمہ کو اتحاد کا عملی پیغام دیا حسن اتفاق سے وہ اس سرزمین سے تعلق رکھتا تھا جو محمد و آل محمد علیہم السلام کی عظیم تعلیمات کے چراغ سے روشن تھی انقلاب اسلامی ایران نے جہاں ایک عالم کو متاثر کیا وہاں لامحالہ ایران کے ہمسایہ ممالک میں ریاستی سطح پر نہ



سہی عوامی سطح پر ہندوستان پاکستان افغانستان لبنان اور اب روس کی ریاستوں مقبوضہ کشمیر کے مجاہدین آزادی کے جذبوں کو مہمیز کیا مسلمانوں نے خواب غفلت سے کروٹ لی۔ سرکار آیۃ اللہ خمینی کی فکر اور ان کا فلسفہ انقلاب انسانی نفسیات میں امرت بن کر اترتا چلا گیا جس کے اثرات الحمد للہ اب محسوس کیئے جا رہے ہیں عالمی ایوانوں میں اور نام نہاد سپر طاقتوں میں جو ہلچل ہے اس کے پس منظر میں صرف اور صرف انقلاب اسلامی ایران کی باطل شکن تاج شکن اور حکومت شکن ناقابل شکست قوتیں شامل ہیں۔ سپر طاقتوں کے D.S.Ps نے اپنے آقاؤں کے اشارے پر اس عظیم انقلاب کی تند و تیز موجوں پر بند باندھنے شروع کر دیئے صرف اس خوف سے کہ کہیں رہبر انقلاب اسلامی کا فکر و فلسفہ اور نظریات اسلامی اپنی سرحدوں سے نکل کر طوفان نوح کی شکل اختیار نہ کر لیں اور پھر یہ چھوٹے چھوٹے نمرودوں کی خدائی اس طوفانی انقلاب اسلامی میں خس و خاشاک کی طرح نہ بہہ جائیں اس خوف اور سراسیمگی کے عالم میں ملوکیت اور اس کے اتحادیوں نے خزانوں کے منہ کھول دیئے پہلے تو ایران کے انقلاب اسلامی کو ناکام بنانے کی مکروہ سازش کی گئی وہ قوم جو ابھی لاکھوں جانوں کا نذرانہ دے کر بادشاہت کو ملیامیٹ کر چکی تھی وہ مجاہدین جو آمریت عصری بربریت و ظلم کا ہر نشان تاریخ کے اوراق سے حرف غلط کی طرح کھرچ کر بہشت زہرا میں اپنے سینوں پر ہزاروں نشان حیدر سجائے شہادت کی ریشمی اور جنت نظیر نیند سو رہے تھے اس پر ایک عرب ملک کے ذریعے جارحیت کرائی خزانوں اور اسلحہ و گولہ بارود کے انبار لگا دیئے حقیقی اسلام پیش کرنے کے جرم میں مسلمانوں نے خرم شہر جیسے درجنوں شہروں کو خاک و خون میں شہریوں سمیت غلطاں کر دیا پارلیمنٹ اڑا دی گئی صدر و وزیراعظم قتل کر دیئے گئے مگر سبحان اللہ بقول علامہ اقبال:-

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱۰ سال تک مسلسل ساری اسلام دشمن قوتیں ایک طرف اور ایران ایک طرف بالآخر جارح کو ایک نہ ایک دن دیر ہی سے سہی حال ہی میں ماننا پڑا کہ وہ غلطی پر تھا۔ علی ولی اللہ کے ماننے والے جھکنا نہیں جانتے حسین ابن علی کے غلام سر جھکانے کے عادی نہیں اور ویسے بھی یہ تو قرآن کا وعدہ ہے کہ حق قائم ہو کر رہتا ہے اور باطل کی قسمت میں مٹ جانا ہوتا ہے سو وہ ہو کر رہا اور سفیان کے کارندوں نے اس محاذ پر شکست و مکمل ناکامی کے بعد افغانستان۔ لبنان۔ ہندوستان اور خصوصا۔ پاکستان کو اپنا ہدف قرار دیا اور یہاں بسنے والے مسلمان بھائیوں کے درمیان فرقہ وارانہ فسادات کی فضا بنانا شروع کی تاکہ اپنے آقا کی پرانی پالیسی پر عمل کر کے اپنے مقاصد پورے کیئے جائیں بد قسمتی سے پاکستان میں ان سفیانی ایجنٹوں کو زیادہ کھل کر مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کا موقع میسر آیا کیونکہ اس زمانے میں ہمارے ملک کے ریاستی حالات اور سیاسی مطلع پر مارشل لاء اور اللہ کے نام پر سیاست میں ملائیت کے جراثیم خاصی حد تک سرایت کر چکے تھے سامان تو وہی تھا جو بعثت رسول سے لے کر فتح مکہ تک حربی خاندان نے فراہم کیا تھا صرف وہ کردار اور ہتھیارے وار بدل گئے مقاصد ہدف اور میثیت وہی رہا جو دور رسالت میں مسز ابوسفیان دے کر گئی تھیں اور تحریک پاکستان کے مخالفین اسکول آف تھاٹ کو ۱۱ سالہ دور مارشل لاء میں کانگریس کا حق نمک ادا کرنے کے خاصے مواقع ہاتھ آئے جدیدہ ہاتھوں کی سرپرستی نے بلوں میں چھپے ہوئے سانپوں کو دودھ پلا کر اژدھوں کی صورت میں تیار کیا ور صوبائی لسانی علاقائی اور بالخصوص فرقہ وارانہ سرد جنگ Cold War جو ویسے تو چودہ صدیوں سے جاری تھی اب گرم پانی کی دولت کے نتیجہ میں Hot War میں تبدیل ہو گئی۔ طے شدہ منصوبے کے تحت ایران کے عظیم انقلاب اسلامی کو ناکام کرنے کی شرمندگی مٹانے کے لیئے پاکستان کے مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی گئی ہدف وہی شیعان علی



رہے ۸۰ء کے بعد سے فرقہ وارانہ فسادات شروع کرائے گئے شیعہ بستیاں لیاقت آباد کے کوفہ میں جلائی گئیں مساجد اور ان میں رکھے ہوئے قرآن پاک کے مقدس نسخوں کو نذر آتش کر کے بہیمت اور ظلم کے ڈانڈے چودہ صدیوں سے ملائے گئے پتہ نہیں ابوسفیان کے پوتے نے کون سا ظلم کربلا میں باقی چھوڑا تھا جس کا باقی حصہ کراچی سے خیبر تک یعنی لاہور کوئٹہ ڈیرہ غازی خان ڈیرہ اسماعیل خان جھنگ سرگودھا اور دیگر شہروں اور دیہاتوں میں حسینی عزاخانوں کو نذر آتش کر کے فساد فی الارض کی صورت میں پورا کیا گیا پہلی تنظیم سواد اعظم کے نام سے کراچی میں بنی جس نے عروس بلاد کراچی کے ماتھے سے باہمی محبت و اخوت کا جھومر نوچ لیا نفرتوں کے بیج بوئے گئے جلوس و علم حضرت امام حسین علیہ السلام کے راستے روکنے کی مذموم اور ناکام کوششیں کی گئیں۔ سلام ہو شہزادہ علی اکبر کی فوج کے ان ماتمی نوجوانوں پر جو یہ کہہ کر آگ و خون کے دریا عبور کرتے ہوئے عباس غازی کا علم بلند کرتے رہے کہ۔

راستے بند کیئے دیتے ہو دیوانوں کے
ڈھیر لگ جائیں گے بستی میں گریبانوں کے

دور آمریت کے کوڑے سزائیں جیل گولی دھمکیاں احراق محفل خراسان کراچی سے لے کر اسلام آباد کے تاریخی کنونشن تک علی کے دیوانوں کا راستہ نہ روک سکیں سلام ان ماؤں پر جنھوں نے دودھ کی مقدس دھاروں میں علی و اولاد علی کی ولایت ملا کر اپنے بیٹوں کا جزو بدن بنا دیا وہ سمری ٹرائل کی عدالتوں کے ظالمانہ فیصلوں کے نتیجے میں اپنی پشت پر لگنے والے ہر کوڑے کو سید سجاد کے قدموں کی دھول سمجھ کر اپنی پشت پر پھول بنا کر سجاتے رہے احمق حاکم کو کیا خبر کہ جو قوم عبادت سمجھ کر زنجیر کا ماتم کرتی ہے اسے بید کی چھڑی صراط کربلا سے کیسے دور کرے گی ظالم حکمراں اپنے منطقی انجام کو پہنچے گا۔

نام حسین نقش ہے حبل الورید پر
لعنت برس رہی ہے ابھی تک یزید پر

سواد اعظم نامی تنظیم کے سارے منصوبے اس وقت دھرے کے دھرے رہ گئے جب کراچی کے بلدیاتی اداروں کے انتخاب میں شکست فاش ان کا مقدر بنی اور کراچی کے غیور مسلمانوں نے ان منصوبوں کو اور ان کے مکروہ عزائم کو جان لیا۔ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ یہ مفسد ٹولہ مرا تو نہیں مگر مفلوج ہو کر سسک ضرور رہا ہے ایسے میں جھنگ پنجاب سے ایک اور دہشت گرد تنظیم ایک کفر ساز فیکٹری اپنے سر پہ لیے ASS کے نام سے ابھری بھڑکی گرجی برسنے کی نوبت تو نہ آئی اور نہ آ ہی سکتی ہے کیونکہ قربانی کا جذبہ صرف کربلا عطا کرتی ہے اور اس تنظیم کی بنیاد ہی کربلا دشمنی اور یزید دوستی پر ہے اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ مجالس حسین اور جلوس ہر لمحہ ہر لحظہ ہر آن ہر وقت ہر سال ضروری اور لازم ہیں تاکہ جب کوئی یزیدیت کا کیڑا کسی گندی نالی سے سر اٹھائے تو اسے صرف ماتم کی دھمک سے ختم کر دیا جائے اور انشاء اللہ ہم اپنے اس عزم فروغ عزائے حسین اور بقائے عزاداری پر اس وقت تک ثابت قدم رہیں گے جب تک اس عزاداری کا حقیقی وارث سرکار ولی العصر ظہور نہ فرمائیں اور غم حسین کی یہ امانت اور اپنی عظیم ترین عبادت یعنی عزاداری ہم سرکار ولی العصر کی خدمت میں بصد ادب پیش کر کے سرخرو نہ ہوں آمین۔

آیئے قارئین تھوڑی دیر کے لیے اس ASS نامی دہشت گرد تنظیم کا E.C.G. کر لیں اور اس کی دیانتدارانہ میڈیکل رپورٹ آپ کے سامنے پیش کر دیں تاکہ مملکت خداداد پاکستان میں بسنے والے دس کروڑ مسلمان اس اموی کینسر کے مہلک اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

مارشل لائی دور کے تقریباً اختتامی مرحلوں میں ابھرنے والی یہ دہشت گرد تنظیم ASS



کی طرح نادیدہ بیساکھیوں کے سہارے اٹھی اس تنظیم کا نہ کوئی دستور نہ منشور نہ شجرہ نہ حسب نہ نسب نہ نعرہ MANIFESTO نہ علمی پس منظر اس دہشت گرد تنظیم کی اصل سفیانیت نسل معاویت کردار یزیدیت عمل شیطنت مشغلہ فتنہ و فساد تبلیغ کفر و الحاد گفتگو بے ہودہ گوئی نعرے کافر کافر۔ سارے فاسق و فاجر سارے مکار و شاطر ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ تنظیم کے عقائد دنیا بھر میں بسنے والے ایک ارب مسلمانوں سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتے اس تنظیم سے وابستہ بدنصیب لوگ نہ فلسفہ توحید سے آشنا نہ شان رسالت سے آگاہ۔ نہ ہدایت و گمراہی کے مابین تمیز رکھنے والے نہ ولایت الٰہی و امامت معصوم و مقام اہلبیت علیہم السلام سے آشنا نہ ہی عظمت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے واقف اس ابو جہل کے ٹولے کے جرنیل رموز قرآن سے نابلد حقیقت شریعت سے بے بہرہ۔ طریقت ولایت سے ناواقف۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقدس فریضے سے کوسوں دور عقل میں خلل دماغوں میں فتور دلوں پر منجانب اللہ مہریں۔ صم بکم عمی فھم لا یرجعون ☆ کی جیتی جاگتی تصویر اس مکروہ و ملعون گروہ اور حربی گماشتوں کی بنیاد اگر صرف شیعہ دشمنی پر ہوتی تو ملکی مفاد اور وحدت ملی کے اعلیٰ مفاد میں اس سے درگزر کیا جا سکتا تھا مگر ستم یہ ہے کہ ان کی ساری مذموم و مسموم کوششیں اور جدوجہد کا ہدف خاتم النبیین اور ان کے اہل بیت علیہم السلام اصحاب مخلص اور جمیع مسلمین ہیں یہ اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں مانتے اپنے علاوہ کسی کو مومن نہیں گردانتے ان کے عرصہ پیدائش کو ابھی دو سو برس مکمل نہیں ہوئے جبکہ الحمد للہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر فقہی اور علمی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے لیے حسن ظن رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے چلے آ رہے ہیں آج تک کسی علمی سطح پر کسی مکتبہ فکر نے براہ راست مسلمات دین کے قائل کو کافر کافر نہیں کہا سب کا اللہ وحدہ لاشریک نبی خاتم الانبیاء

کعبہ ایک قرآن ایک اور مسلمات دینی کی ریشمی ڈوری میں پروئے ہوئے سارے مسلمان **انما المومنون اخوہ** ☆ کی تسبیح کی طرح ہیں۔ پانچ وقت کی نمازیں۔ ماہ صیام کے روزے زندگی میں حسب استطاعت ایک مرتبہ حج بیت اللہ اجازت معصوم سے جہاد از روئے آیہ قرآنی خاندان رسالتماب (یعنی سادات عظام) کے حق خمس کی ادائیگی۔ حق بندگان خدا اور امت مسلمہ یعنی زکوۃ عید الفطر عید قرباں۔ شب برات لیلۃ القدر جشن نزول قرآن حرمت کعبہ تقدس مکہ معظمہ احترام مدینہ منورہ وظیفہ درود سلام بر محمد و اہل بیت محمد معصوم مشکل کشا اور مقرب بارگاہ الہی وہ اولیاء اللہ جنکی انتہا منفقہ طور پر سید الاولیاء حضرت علی علیہ السلام پر ہوتی ہے ان کے وسیلے سے از روئے قرآن و **ابتغوا الیہ الوسیلہ** ☆ کے تحت اللہ سے امداد اور اعانت طلب کرنا **یو فون الا خرہ** ☆ (سورہ دھر کی روشنی میں) جو سارا کا سارا پنجتن پاک علیہم السلام کی شان میں نازل ہوا منتیں ماننا نذر کرنا کھانا کھلانا شعائر اللہ کی تعظیم کرنا چاہے وہ حجر اسود ہو یا صفا و مروہ ہو روضہ رسول ہو یا جنت البقیع میں قبر بتول ہو یا قبور آل رسول یا شہدائے بدر و احد کے مزارات مقدس ان سب کی تعظیم کرنا تعظیم کا حکم دینا اور احترام کرنا دلیل تقویت ایمان ہی رہا کربلا کا معاملہ اور شہدائے کربلا کی عظمت تو اظہر من الشمس ہے اس لیئے کہ کربلا کے شہید قیامت تک آنیوالوں کے سرخیل رہیں گے اور کربلا تو ہے ہی معلی جسکی خاک شفا اس لیئے کہلائی کہ یہ کائنات الہی کی واحد دھرتی ہے جس میں خون رسول اور شیر علی و بتول جذب ہے اور یہ مقدس ترین خون مال غنیمت و کشور کشائی کے لیئے نہیں بلکہ شیطانیت کے خونی پنجوں اور یزیدیت کے زہریلے جبڑوں سے قیامت تک اسلام و شریعت کی نجات کے لیئے بہایا گیا یہ سوار دوش رسالتماب کا مقدس لہو تھا جس کی بوند بوند سے کلمہ توحید گلاب بن کر پھوٹتا رہا ورنہ ابوسفیان کے بیٹے سے منسوب یزید نامی فرعون نے تو انکار قرآن



و وحی بھی کر دیا تھا اور انکار عظمت و احترام رسالت بھی اور یہ انکار کی لاکھ مربع میل میں بسنے والے مسلمانوں نے سنا تھا مگر سب گونگے بہرے ہو گئے تھے یا تشکیک و یقین کے پل صراط پر کھڑے اب گرے اور جب گرے کا انتظار کر رہے تھے ایسے میں علامہ اقبال نے فرزند رسول الثقلین دلبند فاتح بدر و حنین امام المشرقین و المغربین حضرت امام حسین علیہ السلام کے سجدہ آخر کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا۔

آنکہ بخشد بے یقینی را یقیں
آنکہ لرزد از سجود او زمیں
آنکہ زیر تیغ گوید لا الہ
آنکہ از خونش بروید لا الہ

ترجمہ: وہ حسین جس نے بے یقین مسلمانوں کو یقین بخشا۔ وہ حسین جس کے سجدے سے زمین میں زلزلے آ گئے

وہ حسین جس نے زیر خنجر بھی اعلان توحید کیا

وہ حسین جس کی رگ گردن سے نکلنے والے خون کے ہر قطرے سے کلمہ توحید پھوٹا یزید نامی فرعون کے دور حکومت کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک مقام پر شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی نے پوری تاریخ چھ مصرعوں میں سمیٹ دی اور جو ان چھ مصرعوں کو تعصب اور بغض اہل بیت کی عینک اتار کر پڑھ لے تو وہ خود فیصلہ کریگا کہ کافر کون؟

لرزاں رہے تھے بام تمدن پہ وہ علم
جن کے جلو میں صاعقہ جنگی ہوا میں سم
جسکا نبی نفاق تھا جسکا خدا درم

وہ منبر رسول پر رکھنے کو تھا قدم
اور تاج مل رہا تھا شہ مشرقین کا
منہ تک رہی تھی گروش دوراں حسین کا
اور پھر یہی مقدس کربلائے معلی ہے جسکے لیئے علامہ اقبال نے پھر کہا اور خوب کہا
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

وہ خون جس نے رسالتماب کے مقدس خون سے جو حسین منی و انا من الحسین☆ کے حوالے سے علی و بتول کے مقدس وسیلے سے سورہ کوثر کی تفسیر بن کر حسین کی رگوں میں گروش کر رہا تھا کربلا کے جلتے جھلتے صحرا پر عصر عاشور ۶۱ ھ نقش دوام عطا کر گیا اور یہ مقدس خون رسالتماب جو ہزاروں زخموں کے نتیجہ میں حسین کے جسم اقدس سے کلمہ توحید کو زندگی اور دوام عطا کر رہا تھا وہی امت رسول کی نجات و سر خروئی و سربلندی کا سامان اور وسیلہ بن گیا یہی وجہ ہے کہ کائنات کے کسی قبرستان یا گنج شہیداں کی خاک کو خاک شفا کا درجہ عطا نہیں ہوا اور نہ ہی بلاد اسلامیہ کے کسی مقدس ترین شہر کی مٹی کو یہ شرف عطا ہوا کہ وہ سجدہ گاہ بھی قرار پائے اور اس پر سجدہ کرنا معراج عبادت قرار پائے۔ قارئین! یہ وہ مسلمات ہیں جن پر بالیدہ فکر مسلم۔ مفکرین و مفسرین و محدثین نے نہ تو کبھی کفر کے فتوے دیئے اور نہ ہی بدعت بدعت کی بے ہودہ رٹ لگائی سوائے چند زر خریداران خاندان ابوسفیان نے کہ جنھوں نے اپنے عباسوں کے پیچ اور عبائی شکن کی طرح لیلی زلف شریعت کو بھی شکن در شکن الجھائے رکھا ہے۔ مسلمان نسلوں کے ذہنوں کو مسموم کر دیا اس دور یزید میں تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ شام کو قتل حسین کے جواز پر مہر لگانے سے انکار والے خامے قد آور عادل جج کو صرف اکیلے یزید کے مقابلے میں حسین کے قتل نامے پر



دستخط کر بیٹھے کہ سفیانی کارندوں نے ورجنوں ASS (خچر) سونے چاندی سے بھر کر ان کے ضمیر و ذہن کی بولی چکا دی تھی۔

سینکڑوں تاجروں کے علاوہ سو یعنی فتوی فروش شریعت دشمن کی دھلیز پر پہنچا دیئے جسکے نتیجے میں بادشاہت اسلام کہلائی اور شریعت اموی و عباسی گماشتوں کے ہاتھوں کھلونا بن گئی۔ لیکن جیسے جیسے ظرف و شعور بشر نے ارتقائی منازل طے کیں۔ تاریخ تجسس کی سرحد سے گزری فکر مسلم نے حد بلوغت اور سرحد عدل و انصاف میں قدم رکھا کربلا نور حق اور دعائے رسول بن کر نکھرتی چلی گئی کربلا ہر دل میں اتری ہر آنکھ میں سمائی بلکہ یوں کہوں کہ کربلا کے بہتر پیاسوں کی یاد میں ہر صاحب دل مسلمان اور ہر غیرت مند انسان خواہ اس کا تعلق کسی مکتب سے ہو کی آنکھ فرات بن گئی جتنے آنسو کربلا کے پیاسوں کی نذر ان چودہ صدیوں میں ہوئے ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں اگر ان کو اکٹھا کیا جائے تو سینکڑوں دریائے فرات بنائے جا سکتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ مسلمہ طور پر امت مسلمہ کی نظر میں اور اقوام عالم کی نگاہ میں نام یزید داخل دشنام ہو گیا۔

ASS قسم کے فکری گدھے اور ذہنی خچر عرب کے بدوں کی دولت کے سہارے شر کا خنجر آستین میں چھپائے مسلمانوں اور حسینیوں کی صفوں میں گھس آئے اس لیئے کہ نیکی و بدی خیر و شر کی قوتیں تا حشر جاری رہیں گی بقول علامہ اقبال۔ موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید۔ ان دو قوت از حیات آمد پدید

جیسا کہ ہم نذر قارئین کر آئے ہیں کہ اس قسم کی دہشت گرد اور فرقہ وارانہ تنظیموں کا کوئی مقصد اور منزل نہیں بلکہ وہ صرف اختلاف بین المسلمین کے لیئے نادیدہ قوتوں اور اسلام دشمن عناصر کے S.H.Os کا کردار ادا کرنے کے لیئے وجود میں آئی ہیں حالانکہ اگر ان کا E.C.G کیا جائے تو ان کے دل کی شریانوں میں منافقت کا Clostral جمع ہو گیا ہے ان کے دل کے کم از کم تین والیو خراب ناکارہ اور مردہ ہو

چکے ہیں اس لیئے ضروری ہے کہ ان کا بائی پاس کرایا جائے تا کہ تینوں ناکارہ والیو کو تبدیل کیا جا سکے تب شاید کچھ اچھا خون پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے ورنہ حقیقتاً یہ مرض ہے ہی لاعلاج فزادھم اللہ مرضا کی آیت اسکا بین ثبوت اور ناقابل تردید برہان ہے۔ خارجیت ناصبیت نجدیت وہابیت دیوبندیت اہلحدیث منافقت وغیرہم۔ حقیقتاً ایک ہی شجرہ خبیثہ کے زہر آلود ثمر ہیں جنکا ذائقہ تلخ جنکی تاثیر ہلاکت جنکا تخم فسادفی الارض جنکا مقصد اور ہدف مسٹر اور مسز ابوسفیان کے مقتولین بدر و احد کے اعزا کا انتقام اسلام اور رسول اسلام سے لینے کے سوا کچھ بھی نہیں اور ظاہر ہے کہ خاندان بنی امیہ کے سربر آوردہ افراد اور ان کے اتحادیوں اور حلیفوں کی ناک پر صرف اور صرف علی کی تلوار کے زخم کے نشان ہیں اس لیئے اس دشمن اسلام خاندان کے پیغام انتقام جو ۶۰ ھ میں بزبان یزید پلید جاری ہوا کے نتیجے میں کربلا کا عظیم انقلاب برپا ہوا اور حسین ابن علی نے ابوسفیانی طوفان و طغیان کی سرکش موجوں کے سامنے اپنے مقدس لہو کا بند باندھ کر اسلام دشمنی کے اس فتنے کو کچل کر رکھ دیا۔ بقول کسی شاعر کے

وہ تو کہئے آگیا آڑے ابوطالب کا خوں
ورنہ یہ سفیان کو چھتے نبوت کے لیئے

مندرجہ بالا مختلف الاسم فرقے اگر آپس میں ملا دیئے جائیں تو صرف ایک لفظ میں تاریخ مکمل ہو جائے اور وہ لفظ ہے یزیدیت بدر سے لے کر کربلا تک کے سارے سفیانی لشکر جمع کر دیئے جائیں تو ایک لفظ بنے گا ASS

ASS نامی دہشت گرد تنظیم کے لچر اور بے ہودہ طرز عمل کو کوئی بھی صاحب علم فرد توجہ اور دلچسپی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اس قسم کے فتنوں کے کس بل نکالنا۔ خارجیت و ناصبیت کی چولیں ڈھیلی کرنا ہمارے لیئے اس وجہ سے ضروری ہو گیا کہ کہیں یہ داغ



حرف ملامت بن کر یزیدیت کی طرف سے امت مسلمہ کے صاف اور شفاف دامن کو آلودہ نہ کر دے ورنہ ہم شیعیان حیدر کرار نے تو چودہ صدیوں میں آگ و خون کے اسے سمندر یا علی کہہ کر عبور کیئے ہیں کہ روئے زمین پر کسی بھی مذہب و مکتب فکر رکھنے والی کوئی قوم ہماری ہمسری کا دعوی کرنے کی جسارت نہیں کر سکتی۔ ہم نے اپنے مذہب حقہ کو درباروں سے شرمندہ نہیں کیا خون مسلم سے نچوڑے ہوئے شاہی بیت المال میں ہم نے حسینیت کو کبھی گروی نہیں رکھا۔ بزدلی ہم نے سیکھی نہیں۔ پیچھے ہٹنا ہم نے جانا نہیں سر جھکانا ہماری عادت نہیں ظالم و مظلوم کو ایک سمجھنا ہماری سیرت نہیں۔ قاتل و مقتول کو ایک ہی ترازو میں تولنا ہماری سیرت نہیں۔ توحید و عدل و امامت و نبوت و قیامت پر شک کرنا ہماری سرشت نہیں! نماز و روزہ و حج و زکواۃ و جہاد و خمس و تبرا و تولا جیسی عظیم پاکیزہ و متبرک باشان عبادتوں سے دست بردار ہونا ہماری روایت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ظلم و بربریت کے آسمان پر ابھرنے والے دشمنان اہل بیت بادشاہوں کے سینکڑوں چاند اور سورج خون حسین کی صداقت سے ابھرنے والی سرخی شفق کی تاب نہ لا کر خود کشی پر آمادہ ہو گئے۔ سفیانی نسل کے بد قماش بادشاہ کے نام تک تاریخ نے اپنے حافظے سے کھرچ ڈالے۔ ابوتراب کے دشمن بادشاہوں کی قبروں کے نشان تک ناپید ہو گئے مگر الحمد للہ! ہم تاریخ اسلام کی ہر ورق پر اور کائنات اسلام کے ہر افق پر تازہ تراشے ہوئے جوہر کی طرح چمک رہے ہیں اور چمکتے رہیں گے۔ انشاء اللہ!

ہمارے خیال میں ہمارے معزز قارئین کے لیئے ASS کا یہ مختصر لیکن مدلل .E.C.G کافی ہو گا ویسے ملت جعفریہ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے نوجوان چوکنا رہیں لیکن مشتعل نہ ہوں "پرجوش رہیں مگر ہوش و علم کی تمام نفاستوں کے ساتھ اسلیئے کہ دشمن بزدل بھی ہے اور کینہ بھی! صفین و جمل کا مارا ہوا کسی وقت بھی شب خون مار

سکتا ہے اسلیئے جاگتے رہنا دلیل فراست ہے ویسے .A.S.S کے یہ مجر مینگ تو سکتے ہیں دولتیاں چلا تو سکتے ہیں۔ اپنے قدو قامت اور وزن سی زیادہ بوجھ تو اٹھا سکتے ہیں لیکن گدھے کبھی میدا ن جنگ میں آکر داد شجاعت نہیں لیا کرتے۔

نہ تخنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

جس شجر ملعونہ سے یہ دہشت گرد تنظیم تعلق رکھتی ہے اسکی فکر اور اس کے نام نہاد مذہبی عقائد مسلمانوں کے کسی بھی مسلک اور صحیح العقیدہ مکتبہ فکر سے میل نہیں کھاتے ان کا خدا مجسم ہے ان کا خدا مسکراتا ہے ان کا خدا چوتھے آسمان پر اترتا ہے ان کا خدا روتا ہے تو بارش ہوتی ہے ان کا خدا تخت نور پر بیٹھے گا تو وہ چرچرائے گا ان کا نبی (معاذ اللہ) ان جیسا بشر عناصر اربعہ کا مجموعہ سہو و نسیان میں مبتلا چالیس برس تک بغیر نبوت کے تھا پہلی وحی کے نزول پر پریشان پڑھنے سے قاصر لکھنے سے معذور اقراء کی آیت نازل ہونے کے باوجود بھی اسکا علم ایک عیسائی عالم ورقہ بن نوفل سکی سے کم۔ اس تنظیم کے افراد لا الہ الا اللہ☆ کہہ کر توحید کا اقرار تو کرتے ہیں مگر اس کے عدل کے قائل نہیں ظاہر ہے ابلیس بھی بہت بڑا توحید پرست تھا مگر خلقتنی من نار و خلقتہ من طین☆ کہہ کر وہ عدالت الہٰی کا منکر ہوا اور وہیں سے اس کی مردودیت اور ملعونیت کی ابتداء ہوئی جبکہ الحمدللہ ہم اپنے اصول دین میں بہ اعتبار ترتیب عدل کے قائل ہیں پھر نبوت و امامت پھر قیامت۔ ہمارے آئمہ معصومین علیھم السلام نے اصول دین کی ترتیب کا یہ عادلانہ اہتمام اسلیئے فرمایا کہ ہماری توحید پرستی ابلیس کے اعتقادی توحید سے جدا ہو جائے اب پتہ نہیں کافر کون ہے؟

بات ہو رہی تھی مذکورہ دہشت گرد تنظیم کی مختصرا انکا ایمان بالقران بھی پڑھ لیجئے۔ بلاشبہ کہ تعریف قران میں جو قول قرآن ہے یہ احتراز ہے بسم اللہ سے کیونکہ اس میں



شبہ ہے اسی لیئے اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جا سکتا اور اس پر نماز میں اکتفا جائز نہیں اور اسکی تلاوت جنب حیض و نفاس میں حرام نہیں۔ زیادہ صحیح یہی ہے کہ بسم اللہ قران کا جز ہے مگر پھر بھی بسم اللہ کے منکر کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس کے صحیح ہونے میں شبہ ہے! حوالہ کتاب نور الانوار ۹ مطبوعہ مجتبائی)

ایمان بالقرآن کے دعویداروں کو بسم اللہ ہی میں شبہات شروع ہو گئے اب اختتام قرآن کے متعلق سن لیجئے سورہ فلق اور سورہ والناس کے متعلق فتاوی قاضی خان ص ۸۸۲ پر یہ فتوی موجود ہے کہ جس شخص نے یہ زعم کیا کہ قرآن مجید کی آخری دو سورتیں سورہ فلق اور سورہ والناس قرآن نہیں ہیں امام محمد کے شاگرد رشید امام محمد حنیفہ نے کتاب نوازل میں ذکر کیا ہے کہ وہ کافر نہیں ہے قصر خارجیت کی بنیادیں ہلانے کے لیئے ہمارے خیال میں یہ دو حوالے ہی کافی ہیں۔ جنکی بسم اللہ ہی مشکوک ہو جو کہ آغاز قرآن ہے اور جنکے یہاں سورہ فلق اور سورہ والناس داخل قرآن نہ ہوں اگر وہ مسلمان نہ ہوں گے تو کیا ہم ہوں گے؟ کہ جنکا الحمد کے الف سے لے کر والناس کی سین تک ایمان راسخ ہے کہ یہ سب کا سب قرآن ہے اور جو کچھ موجودہ قرآن میں ہے اس میں کچھ بھی غیر قرآن نہیں ہے۔ بخاری و مسلم سے قرآن جلانے کے قصے سنن ابن ماجہ سے بکریوں کے چرانے کے واقعات الطبری سے قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کی داستانیں مروج الذھب سے قرآن کو نیزوں کا نشانہ بنانے کی کہانیاں اور فتاوی قاضی خان سے قرآن کو خون و پیشاب سے لکھنے کے فتوے اس کے علاوہ ہیں جنھیں تفصیلا تحریر کرنے کی ہم میں نہ تاب ہے اور نہ ہی جسارت۔

یہی چند جملے تو ہیں جو قرآن پر ایمان کے ٹھیکیداروں نے اپنی کتابوں کے اوراق میں شمر کے خنجر کی طرح پیوست کیئے ہوئے ہیں انہیں تو نقل کرتے ہوئے بھی کلیجہ منہ کو

آتا ہوا محسوس ہوتا ہے حالانکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ نقل کفر کفر نہ باشد! تحفظ عظمت صحابہ کے یہ نام نہاد علمبردار اپنے چوتھے خلیفہ راشد علی ابن ابی طالب پر ستر برس تک برسرعام سب و شتم کرنے والے پسر ہندہ و یادگار ابوسفیان اور اسکی باقیات کو عزتوں کے تاج عطا کرتے ہیں یہ تحفظ عظمت صحابہ کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ہمارے خیال میں یا تو علی صحابی نہیں یا پھر صحابہ کرام پر سب و شتم کرنا دوہرے ثواب کا موجب ہے

**معاذ اللہ ثم معاذ اللہ☆☆**



# گیارھواں باب

## تحریک پاکستان میں ASS کے اکابرین کا "کردار"

ASS کے مکمل Ultrasound اور مدلل ECG کے بعد ضروری ہے کہ ہم اپنے معزز پڑھنے والوں کو ان لوگوں کے شرمندہ ماضی کے دریچوں سے بھی کچھ جھلکیاں دکھاویں تاکہ محب وطن پاکستانیوں کی وہ نسلیں جنہوں نے بنا بنایا پاکستان دیکھا وہ سب کچھ نہیں دیکھ پائے جو تقسیم ہند کے پس منظر میں رونما ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لٹیروں نے تاجروں کے روپ میں برصغیر کی دھرتی پر قدم رکھا یاد رہے کہ یہ وہ وقت تھا جب مغل بادشاہت کے چراغ کا تیل ختم ہو رہا تھا۔ شہنشاہیت کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں اور ملوکیت جسکا آغاز اولاد ابوسفیان سے ہوا اور جسکی بنیادوں میں اولاد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس خون کے علاوہ سینکڑوں اولیاء اللہ مومنین و متقین و صالحین شہید ثالث رحمتہ اللہ جیسے جلیل القدر فنافی الحسین افراد بھی شامل تھے سلطنت کو اپنے منطقی اور عبرت ناک انجام تک تو پہنچنا ہی تھا۔ اس لئے کہ

زمانہ یوں تو کسی پر نظر نہیں کرتا
لہو کی بے ادبی۔ درگذر نہیں کرتا

اس منحوس ملعون بادشاہت نے خون مسلم کو اس بے دردی اور اس بے رحمی سے بہایا ہے کہ تاریخ اسلام کی آنکھوں سے آج بھی پانی کی جگہ خون بہہ رہا ہے۔

بہرحال

متعصب بنیوں نے جنکا اوڑھنا بچھونا رام رام جپنا پرایا مال اپنا تھا اور ہے فرنگی سامراج سے ساز باز کی حالانکہ مغل بادشاہ اکبر نے ہندوستان میں اپنی محبوبہ بیوی جودھا بائی کی خوشنودی کی خاطر مسلمان ہونے کے باوجود ہندو ازم کی دل کھول کر سرپرستی کی۔ ہولی۔ دیوالی کے تہوار مسلمانوں کے مقدس تہواروں کی طرح شاہی سرپرستی میں منائے گئے کشن مہاراج کا جھولا بھی جھلایا ماتھے پر تلک بھی لگایا پرشاد بھی کھایا پتھروں کی بنی ہوئی مورتیوں کے آگے سر سجود بھی ہوا ہندو عورت کی بطن سے مسلمان شہزادہ بھی پیدا کرایا دین اکبری کو دین الٰہی کے نام سے منوانے کی سعی مذموم بھی کی مان سنگھ نامی غیر مسلم کو اپنی سلطنت کا مدارالمہام بھی بنایا مندر بھی تعمیر کرائے ہندوں کو جاگیروں سے بھی نوازا اس بے پڑھے لکھے انگوٹھا چھاپ بادشاہ نے وہ سب کچھ کیا جو حمیت اسلام کے خلاف اور شریعت مصطفوی سے کھلا اعلان بغاوت تھا مگر ہندو تعصب میں کمی نہ آئی نفرتیں بڑھتی گئیں اور اس بدنصیب بادشاہ کو

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ اودھر کے رہے

اسی ہندو عورت (جودھا بائی) کے پیٹ سے پیدا ہونے والے شہزادہ سلیم کی نسل سے کہیں عالمگیر صاحب پیدا ہوئے جن کی ایما اور اشارہ پر فتویٰ فروش مولویوں نے شریعت محمدی کا کام فتاوائے عالمگیری رکھدیا۔ قارئین آپ خود اندازہ فرمائیں کہ ہندو ماں سے جنم لینے والے اور آدھے ہندو اور مسلمان اکبر بادشاہ کے ذریعے دنیا میں تشریف لانے والے وہ دوران سلطنت مغلیہ کا عطا کردہ ضابطہ شریعت بکاؤ مولوی کی مہر سے مسلمان تو نہیں ہو جاتا شراب کی بوتل پر آب زم زم کا لیبل لگانے سے شراب حلال تو نہیں ہو جاتی جہاں ولادت اور حسب نسب ہی میں حلت و حرمت کا مسئلہ مشتبہ ہو وہاں شریعت مطہرہ کا گذر کہاں پتہ نہیں کتنی مشین ولدالاحرام کو ولدالاحلال بنے



میں لگ جاتی ہیں۔ بہرحال اسی سلسلے کی آخری کڑی بہادر شاہ ظفر صاحب تھے جو نہ کسی کی آنکھ کا نور تھے نہ کسی کے دل کا قرار تھے۔ جو کسی کے کام نہ آسکے وہ ایک مشت غبار تھے۔

فرنگی سازشوں کے سامراجی پٹھوؤں جن میں ہندوں کی غالب اکثریت ان کے ساتھ تھی کی چالاکیوں اور مکاریوں کی تند و تیز آندھی میں یہ مشت غبار باسانی گردش دوراں کی نذر ہو گئی اور ۲۰۰ برس کے لئے انگریزوں کی غلامی کا طوق مسلمانوں کی گردنوں میں ڈال کر یہ شاعر بادشاہ رنگون کے قید خانے میں دم توڑ گیا۔ مغلیہ سلطنت کے آخری چراغ کا بجھنا تھا کہ ہندو رجواڑوں کے تعاون سے انگریز بہادر نے اسلامی تہذیب و تمدن کی دھجیاں اڑانا شروع کیں قریہ قریہ گاؤں گاؤں بستی بستی مسلمان نسلوں کا ناطقہ بند کر دیا سوائے چند ضمیر فروش مسلمان جاگیرداروں کی برصغیر میں بسنے والے کروڑوں توحید پرستوں کو تثلیث کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ ہندو انگریز گٹھ جوڑ کے ذریعے مسلمان نسل کو جہالت کے اندھیرے غاروں میں دھکیل دیا گیا تعلیم و تعلم کے دروازے برصغیر کے مسلمانوں پر بند کر دیئے گئے۔ معاشی۔ سیاسی۔ سماجی ثقافتی اقدار کو ملیامیٹ کر دیا گیا اکا دکا مسلمانوں کو انگریز کے پٹھو مسلمانوں کی سفارش پر زیادہ سے زیادہ دیوان جی کے منصب کا اہل قرار دیا گیا انگریز کی بدمعاشی پر مبنی معاشی پالیسیوں نے مسلمانوں کو اپنے ہی ملک میں غریب الوطن اور نان شبینہ کا محتاج کر دیا۔ اور مسلمان دانشور زیادہ سے زیادہ اپنی عظمت رفتہ کا ماتم کرتے ہوئے یہی کہتے نظر آئے کہ

ہمارے سر کی پھٹی ٹوپیوں پہ مت جاؤ
ہمارے تاج عجائب گھروں میں رکھے ہیں

فرنگی سامراج کے اس ریاستی تشدد اور اونچی ذات کے ہندوں کی تنگ نظری سے تنگ آ

کر مسلمان علمی خودکشی پر آمادہ ہو گیا اس نے درجہ چہارم تک پڑھنا اپنا مقدر سمجھ لیا جبکہ انگریز کی حلیف جماعت میں شامل ہندو اکابرین نے علمی۔ سیاسی۔ سماجی۔ ثقافتی اور معاشی میدان میں مسلمانوں کو منہ کے بل گرانا شروع کر دیا ایسے میں ایک مرد قلندر نے جذبہ ایمانی سے لبریز انگڑائی لے کر علم کا نعرہ مستانہ لگایا وقت کے سقراط نے دشمنوں اور دوستوں مسلموں اور غیر مسلموں اپنے اور پرائے ہاتھوں سے بارہا زہر کے پیالے پیئے۔ مگر اس مرد قلندر نے کبھی نہ مرنے کی قسم کھائی تھی اس نے برصغیر کے مسلمانوں کو حصول علم کی طرف متوجہ کرنے کے لئے علی گڑھ میں ایک علمی دانشکدے کی بنیاد ڈالی اسے قدم قدم پر محرومیوں اور مایوسیوں کے طوفانوں سے ٹکرانا پڑا غیروں سے زیادہ اپنوں کے ماتھے پر پڑی ہوئی شکن کے نشتر اور نفرت کے خنجر اپنے دل میں اتارنے پڑے۔ غریب مسلمانوں نے اس کا بہت ساتھ دیا مگر شرمندگی سے کہنا پڑتا ہے کہ ماسوا چند کے اکثر روساء قوم نے جو انگریز کی غلامی کے سلسلے میں جاگیریں بچائے بیٹھے تھے اس کی براق ڈاڑھی پر عطیہ اور چندہ کے بجائے لعاب دہن کا تحفہ عطا کیا۔ حالانکہ سرسید احمد خان مرحوم کا مقصد ملت مسلمہ کو جدید ترین علوم سے آراستہ کر کے انہیں ہندو انگریز گٹھ جوڑ کے مقابلے میں "بنیان مرصوص" بنانا تھا۔ سر سید احمد خان کی فکر اور فلسفہ یہ تھا کہ انگریز اور ہندو کی غلامی سے آزادی کا واحد راستہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو انگریزی اور دیگر جدید علوم کے ہتھیار سے آراستہ کر دیا جائے جو صدیوں کی کاٹ کھانے والی بے رحم خود غرض اور ظالم بادشاہت کی عیاشیوں کے نتیجے میں پہلے ہی تعلیمی میدان میں پسماندہ رہ گئے تھے بادشاہت چاہے تخت و تاج کی صورت میں ہو یا سرداری نظام کی شکل میں چودھریوں وڈیروں نوابوں راجواڑوں سرمایہ داری عفریت کے صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں حقوق بشری غاصب اور نسل بشریت کی قاتل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا نظاموں میں انسانیت کی سر



بلندی اور حقوق بشر جیسے مقدس رشتوں کی پامالی کو قانون سمجھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ سوئی ہوئی انسانیت اور استحصالی قوتوں کے پنجوں میں جکڑی ہوئی بشریت نے لاطینی امریکہ سے لیکر پسماندہ افریقی ممالک تک کے مظلوم عوام نے مذکورہ انسانیت دشمن نظاموں کو تہہ و بالا کر دیا ہے اور وہ جمہور کی حریت و آزادی کا نعرہ بن چکی ہے۔

سینکڑوں عالی شہنشاہتیں ملیا میٹ ہو کر اور سمٹ سمٹا کر صرف انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے اور وہ بھی اپنی زندگی کے آخری سانس شمار کر رہی ہیں بہرحال اس استحصالی نظام کا خاتمہ ہے۔ اور وہ جلد یا بدیر ہو کر رہیگا۔ بات ہو رہی تھی برصغیر کے علمی طور پر پسماندہ رہنے کی وجوہات پر سید احمد خان مرحوم نے مسلمانان برصغیر کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر علمی دنیا میں قدم رکھنے کا اہتمام کیا۔ اگر مقصد نیک اور نیت مبنی بر اخلاص ہو تو بجلی کے کھمبے کے نیچے کھڑے ہو کر ۳ بے یار و مددگار تہی دست خالی جیب انسان بھی علی گڑھ جیسی عظیم الشان درسگاہ قائم کر سکتے ہیں سر سید احمد خان کا لگایا ہوا یہ علمی پودا اب ماشاء اللہ علم کی ایسی یونیورسٹی بن چکا ہے۔ جس نے بڑے اکابرین و رہنمایان ملت مسلمانوں میں پیدا کئے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب سرسید احمد خان نے انگریزی تعلیم کے ساتھ جدید علوم کے حصول پر مسلمانوں کو آمادہ کیا تو صرف ایک طبقہ جو اپنے آپ کو اسلام کا دعویدار اور شریعت کا ٹھیکیدار سمجھتا تھا وہ کفر کے فتووں کا انبار لئے سر سید احمد خان اور ان کے رفقائے کار پر ٹوٹ پڑا کیونکہ یہ علماء سو بھی اسی استحصالی قوتوں کے آلہ کار ہوتے ہیں جنکی علمی جہالت کا چراغ صرف اندھیری کوٹھڑیوں میں ہی جل سکتا ہے۔ یہ مسلمان قوم کو حصوں فرقوں اور طبقوں میں اسی وقت تقسیم کر سکتے ہیں جب مسلمان علم سے بے بہرہ رہیں ظاہر ہے کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تو ان کی بودی اور مبنی بر منافقت تاویلات کا شکار نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایسا ہو تو مولوی کی قیل و قال کے پیچ اور بند ڈھیلے پڑ جاتے ہیں

علوے ماندے کے حصول کے ذرائع بند ہو جاتے ہیں۔ ملائیت کی بازی گری کا جادو سر پر چڑھ کر نہیں بول سکتا پھر یہ بچارے دو رکعت کے ملا کیا کریں۔ مگر سلام ہو برصغیر کے مسلمان اکابرین پر جنھوں نے سرسید احمد خان کی آواز پر لبیک کہا اور مولویوں کے کفر کے بیہودہ فتووں کو علم کی آندھیوں سے اڑا دیا بقول کسے

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

سرسید احمد خان کا علمی قافلہ رواں دواں رہا برصغیر کے مسلمانوں نے علمی مرحلے طے کرنے شروع کئے۔ ذہن کو بالیدگی ملی۔ شعور کو نور علم عطا ہوا جذبہ حریت نے سر اٹھایا غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں اور علیگڑھ کالج جو بعد میں یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر گیا مسلمانوں کی انگریز اور ہندو کی غلامی سے آزادی کا سبب بنا دراصل اس سے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ مملکت کا تصور واضح ہوا مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کی گرجدار آواز نے ملکہ برطانیہ کے برمنگھم پیلس میں دراڑیں ڈالدیں۔ مفکر انقلاب علامہ اقبال نے دل مسلم کو تڑپ عطا کی راجہ صاحب محمود آباد نے سیرت جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا پر عمل کرتے ہوئے روح آزادی کو مالی تقویت بخشی عبدالرب نشتر شہید ملت لیاقت علی خان راجہ غضنفر علی شیر بنگال مولوی فضل حق نے علیحدہ مملکت کے جذبوں کو مہمیز کیا۔ کراچی کی مقدس دھرتی پر جنم لینے والے عظیم محمد علی جناح نے قائداعظم بنکر قوم کی رہنمائی کی ان کی بصیرت سیاسی تدبر قوت فیصلہ اور جرات مندانہ قیادت نے ایوان کانگرس اور اس کے کاسہ لیس گروہ کی نیندیں حرام کر دیں۔ تاج برطانیہ کی کلغی مرجھانے کے قریب آئی وائسرائے ہند کو جو انگریزی سرکار کا برصغیر میں نمائندہ تھا قائداعظم کے بے لوث تدبر اور بے باک قیادت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے تقسیم ہند کی راہیں ہموار ہوئیں برصغیر کے مسلمانوں نے لاکھوں کی تعداد



۱۹۴۰ء میں مینار پاکستان کے نیچے قرار داد پاکستان منظور کی لفظ پاکستان چوہدری رحمت الہیٰ کی زبانی تخلیق ہوا اور پھر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بمطابق ۲۷ رمضان کرہ ارض پر دنیائے اسلام کی عظیم اور سب سے بڑی مملکت خداداد پاکستان کے نام سے وجود میں آئی حصول پاکستان میں لاکھوں بیٹوں اور بیٹیوں نے عزت جان مال اور ناموس کے نذرانے پیش کئے آباو اجداد کی قبریں چھوڑیں ہندوستان کے جہنم سے نکل کر اپنے پاکستان کی جنت میں آ کر سکون کی سانس لی اس پوری تحریک کے اجمالی جائزے میں ہمیں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ قائداعظم کی عظیم قیادت میں سو فیصد شیعان حیدر کرار نے دامے درمے سخنے قدمے حصہ لیا جبکہ نجدی اسکول آف تھاٹ کے پروردہ بھی سید احمد مرحوم سے لیکر قائداعظم اور علامہ اقبال تک ہر ایک کو کافر کہتے رہے ان میں پیش پیش علماء دیوبند۔ جمعیت علمائے ہند۔ احراری ٹولہ۔ حسین احمد مدنی جیسے علماء اور مولانا مودودی جیسے اکابرین کانگریس کی خوشنودی اور انگریز کی غلامی سے اظہار وفاداری کے طور پر پاکستان کو ناپاکستان اور قائداعظم کو معاذ اللہ کافر اعظم گمراہ بے دین اور نہ جانے کن کن القاب سے اور فتووں سے نوازتے رہے۔ ایک احراری رہنما کا یہ شعر آہنگ زبان زد عام ہے جو اس نے قائداعظم کی توہین میں کہا۔

ایک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائداعظم ہے کہ ہے کافراعظم

(حوالہ محفوظ ہے)

یاد رہے کہ تحریک پاکستان میں کانگریس کی حلیف جماعتیں آج کے ASS کے مہروں کی طرح کافر کافر کے نعرے لگاتی رہیں اور پھر پاکستان بننے کے بعد ابو سفیانی سیاست پر عمل کرتے رہے۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ ☆ کا راگ الاپنے لگیں حالانکہ کسی بھی مستند تاریخی حوالہ سے اور ۱۹۰۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء کی آل انڈیا مسلم

لیگ کے کسی اجلاس کسی ریزولیشن اور قرار داد مقاصد میں اس نعرے کا وجود ہی نہیں ملتا یہ نعرہ صرف پاکستان دشمنی میں پاکستان کو فرقہ واریت تعصب علاقائیت و صوبایت کی لپیٹ میں لانے کے لئے لگایا گیا اور لگایا جا رہا ہے تاکہ یہ حبلی و ابوسفیانی ٹولہ گاندھی جی کا حق نمک ادا کر دے۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ تقسیم ہند کے مخالف کانگریسی علماء آج کس منہ سے ہندوستان کو گالیاں دیتے ہیں اور دہلی کے لال قلعے پر پرچم لگانے کی ڈینگیں مارتے ہیں قارئین ہماری بات غور سے پڑھیں یہ سب کچھ پاکستان دشمنی میں ہو رہا ہے تاکہ ہندوستان کو اشتعال دلا کر پاکستان میں جارحیت کرا کے یہاں بھی خدانخواستہ مشرقی پاکستان جیسی صورت حالات پیدا کی جائے۔ ASS نامی دہشت گرد جرنیل اسی منصوبے پر عمل کر رہے ہیں جو منصوبہ آج سے چودہ سو برس پہلے فتح مکہ کے بعد کلمہ پڑھ کر اسلام کی بیخ کنی کے لئے مسٹر اور مسز ابوسفیان نے بنایا تھا۔ ملت ہوشیار رہے آنکھیں کھلی رکھے نیا جال لائے پرانے شکاری۔ پاکستان میں ایسے بھی لیڈر موجود ہیں جنہیں آجتک بابائے قوم کی قبر پر فاتحہ خوانی کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور وہ رہے ہیں قائداعظم کے پاکستان میں بالکل اسی طرح جیسے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوتیوں کے صدقے میں بادشاہتوں کے تاج سر پر رکھنے والے کل کے شیروں اور آج کے نخل الہی ملوک کو روضہ اقدس پیغمبر خاتم پر حاضری کی سعادت حاصل نہیں ہوئی مہذب قومیں خواہ لادین ہی کیوں نہ ہوں اپنے محسنوں کی یادگاریں قائم کرتی ہیں اور یہ غیرت دار مسلمان اپنے رہنماؤں اور اکابرین کی قبروں کے نشان مٹا کر حق نمک ابوسفیان ادا کر رہے ہیں۔ ان کانگریسی باقیات کا ہدف جو صرف پاکستان شکنی کے لئے پاکستانی بنے ہوئے ہیں ملک میں فرقہ واریت کے زہر کو پھیلا کر وحدت مسلم امہ پر شر کا خنجر چلانا ہے۔ جس دن خدانخواستہ ان کا یہ مقصد پورا ہو گیا۔ تو یہ اپنے اصل دین کی طرف پلٹ جائیں گے لہذا ضروری ہے کہ



اس قسم کے پاکستان دشمنوں اور اسلام دشمنوں کو پہچانا جائے انکے چہروں سے نقاب اتاریں تو ان کا اصل چہرہ سامنے آ جائیگا یاد رکھو مسلمانو خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول برحق ہے کہ

گفتار خارجی را باور مکن اگرچہ
قالت رسول گوید کذب است قیل و قالش

ترجمہ۔ خارجی کی بات کا کبھی یقین نہ کر اگر وہ یہ بھی کہے کہ یہ رسول کا قول ہے۔ کیونکہ منافقین کی تعریف مولائے علی نے یہ فرمائی ہے کہ اگرچہ اسکا قول حق ہوتا ہے مگر اسکا ارادہ اور نیت باطل ہوتی ہے۔
خدا ہمارے عظیم ملک پاکستان کو دشمنان پاکستان کانگریسی ایجنٹوں اندرونی اور بیرونی دشمنوں اور بالخصوص ASS جیسی دہشت گرد تنظیموں کے ناپاک عزائم سے پاک رکھے آمین کیونکہ ہماری پیاری دھرتی ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔

ہم نے خیرات میں یہ پھول نہیں مانگے ہیں
خون دل ہم نے دیا ہے تو بہار آئی ہے
قیمت شوق چراغاں کوئی ہم سے پوچھے
یعنی گھر پھونک کے دیکھا ہے تماشہ ہم نے

انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ پاکستان کو نہ ماننے والوں کو پاکستان سے نکل جانا چاہیئے انہیں پاکستان کا نمک کھانے کا کوئی حق نہیں یہ فتنہ جو نمک حرام کبھی اکثریت کا سہارا لے کر کبھی شریعت بل لیکر کبھی طبقہ نسواں کی آڑ میں اپنی خود ساختہ خواہشات نفس کی زنجیروں میں جکڑ کر کبھی بڑی طاقتوں کی کاسہ لیسی کر کے اس ملک کو پارہ پارہ کرنے کی سعی مذموم میں مبتلا ہیں کانگریسی ایجنٹ جانتے ہیں کہ پاکستان صرف ایک صورت میں خدانخواستہ ٹوٹ سکتا ہے جب اسے طبقاتی لسانی صوبائی تعصبات کی زہریلی ہوائیں

چلا کر بھسم کر دیا جائے یہ فرقہ واریت اور مذہبی انتہا پسندی خنجر ابو سفیان ہے جو پوری ملت واحدہ کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے اس نے ان سارے اہداف کی تکمیل کے لئے ASS نامی بدنام زمانہ دہشت گرد تنظیم کے ہاتھوں میں بانیان پاکستان کے خلاف کافر کافر کا پرچم تھما دیا ہے روپیہ پیسہ سیلاب کی طرح آ رہا ہے۔ خدا اس فتنے سے ملت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔



# بارھواں باب

## صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں

## ہمارا نقطہ نگاہ!

تمسک بالقرآن و اہل بیت کے فیض سے الحمدللہ پوری ملت مسلمہ میں ہم شیعان علی اس اعتبار سے ممتاز و منفرد ہیں کہ عظمت شعائر اللہ احترام بزرگان مقدس اولیاء اللہ اور معرفت الٰہی رکھنے والی تمام شخصیتوں سے خواہ انکا تعلق متقدمین سے ہو یا متاخرین سے طبقہ صحابہ کرام سے ہو یا تابعین سے۔ قبیلہ اولیاء اللہ سے ہو یا تبع تابعین سے۔ علماء حق سے ہو یا اہل تصوف کے کشف و کرامات سے لبریز اس روحانی سلسلے سے عظمت و بزرگی کا سلسلہ سید الاولیاء مولائے متقیان امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے کسی بھی مستند حوالے سے جا ملتا ہو مخلص ہیں۔ ہم اسلامی اور قرآنی تعلیمات اور ارشاد رسالتماب کی روشنی میں کسی شخصیت کو اسکی بڑی نسبت کے حوالے سے نہیں بلکہ بلندی سیرت و کردار اور اطاعت خدا و رسول تیز پیروی محمد و آل محمد کے آئینے میں دیکھتے ہیں اور اسی کسوٹی پر احترام بزرگان دین کا تعین کرتے ہیں ہمارا یہ محکم اور پختہ یقین ہے کہ عالم اسلام میں خاتم النبیین اور ان کے اہل بیت کے بعد سب سے زیادہ ارفع و اعلیٰ مقام بہ اعتبار فضیلت و بزرگی ان صحابہ کرام کا ہے جنکا اخلاص مثالی جنکا ایمان بالقرآن اور ایمان بالرسالت غیر متزلزل

جنکے قلب خشیہ اللہ اور اطاعت رسول سے لبریز جنکے سینہ علم و آگہی کے گنجینے اور جنکے دل معرفت محمد و آل محمد کے مدینے تھے جنہوں نے شعب ابو طالب کی سختیوں سے لے کر بدر و احد و خیبر و خندق کے ہلاکت خیز اور جاں گسل مراحل میں نبی کریم کے بازوئے شمشیر زن ہونے کا ثبوت دیا جنکے ثبات قدم کو خداوند عالم نے بنیان مرصوص قرار دیا جنکے تقویت ایمان کو قرآن نے **یومنون بالغیب** ☆ کا تاج عطاء کیا جو اصطلاحی اور لغتی کے اعتبار سے نہیں بلکہ سبقت ایمان میں از روئے قرآن **سابقون الاولون** ☆ کے شرف سے مشرف ہوئے جو دشمنان ایمان لشکروں یعنی ابوجہل۔ ابولہب۔ ابوسفیان۔ اور ہندہ کے کافر گماشتوں کے لئے **اشداء علی الکفار** ☆ کے لقب سے ملقب ہوئے جو مومنین مخلصین اور اطاعت گذار مسلمانوں کے لئے **رحماء بینھم** ☆ کے مصداق قرار پائے۔

تاہم! ہم کسی دھونس دھاندلی کے نتیجہ میں دین میں بے دینی اور جبر و اکراہ اور زبردستی کے قائل نہیں کیونکہ یہ سراسر تعلیمات قرآنی کے خلاف ہے ہمارا ایمان ہے کہ ہدایت منجانب اللہ ہے مگر توفیق ایمان کا تعلق اخلاص نیت اور جستجوئے تلاش حق سے ہے ایمان سروں پر مسلط نہیں کیا جاتا اسلام دماغوں میں نہیں ٹھونسا جاتا یہ دونوں نعمتیں تو وہ خاص فضل الٰہی ہیں جو آب کوثر سی دھلے ہوئے پاکیزہ نفوس میں موج سلسبیل کے پاکیزہ اور شفاف پانی کی طرح نور بن کر اترتا ہے اور انسان اس نور ایمان سے روشنی لے کر عمل صالح کی نورانی شاہرہ پر گامزن ہو کر معرفت ایمان کے پائدان طے کرتا ہے کافر پہلے مسلمان ہوتا ہے پھر اسلام پر ثابت قدمی اسے منزل ایمان سے آشنا کرتی ہے۔ ایمان کی پاکیزگی طہارت نفوس کا سبب بن کر انسان کو صدیقین کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے منزل صداقت سے بلند ہو کر انسان عبد صالح کے تاج کا حقدار ہوتا ہے صالحین بلند ہو کر رجل فقیہ کی مسند پر زینت افروز ہوتے ہیں اور



منتہائے ادراک فقہ و اجتہاد کچھ خوش نصیب انسانوں کو تاج شہادت سے سرفراز فرماتی ہے ایسے ہی خوش نصیب لوگ نعلین اقدس رسالتماب کے صدقے میں اور تاج تفاخر جا روب کشی در علی و بتول کے نتیجے میں بے زر سے ابو ذر سلمان سے سلمان بنتے ہیں۔

قارئین! ہمیں آپ چلتے چلتے یہ لکھنے کی اجازت دیں کہ حضور اکرم کے تمام صحابہ کرام میں سلمان فارسی وہ تنہا اکیلے اور یکتا خوش نصیب صحابی ہیں جنہیں زبان رسالت سے ایرانی النسل ہونے کے باوجود عربی النسل صحابہ کرام کے مقابلہ میں **السلمان منا اھل البیت** ☆ کا تاج عطا کیا گیا۔

صحابہ کرام کی عظمتوں و بزرگی کے بارے میں ہمارا نقطہ نگاہ بالکل واضح اور ناقابل تردید حقائق پر مبنی ہے اور ہمارے عقیدہ پختہ کی تشریح حضرت علامہ اقبال بھی فرما گئے ہیں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ہمارا ایمان ہے کہ بعد انبیاء و رسل اور بعد اہل بیت طاہرین پیغمبر اسلام کے مخلص اطاعت گذار فرمانبردار اور جان نثار صحابہ کرام ایمان و عمل صالح کی منزل میں ہر اعتبار سے قیامت تک کے مسلمانوں سے خواہ وہ بہ اعتبار و فضیلت تقوی و پرہیزگاری کی کسی بھی منزل پر ہوں افضل و ارفع و اعلے ہیں رہتی دنیا تک کوئی بھی مسلمان نبی کریم کے مخلص صحابہ کی برابری نہیں کر سکتا شرط اخلاص اپنی جگہ پر ہے ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کے ایک ارب مسلمان مل کر بھی اپنے اجماع یا شوری کے ذریعے سے متفقہ طور پر ایک صحابی نہیں بنا سکتا۔ صحابی تو دور کی بات ہے تبع تابعین کے پائے کا بھی ایک انسان منتخب و معین نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے ASS کے عقل دشمنوں پر

جو معاذ اللہ نبی کریم کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ ان عقل کے یتیموں سے پوچھو کہ ہماری رائے تو صحابہ کرام کے بارے میں یہ ہے جو ہم سطور بالا میں تحریر کر آئے ہیں۔ یہ نام نہاد انجمن کے ٹھیکیدار گدھے کیا اپنے اس بے ہودہ اور مبنی بر توہین رسالت عقیدے کی رو سے خود توہین صحابہ کے مرتکب نہیں ہو رہے ہیں جنکی نگاہ میں رسول معاذ اللہ ان جیسا ہو تو صحابہ کرام کی حیثیت اور مرتبہ کا تعین کیا ہو گا جو ظاہر ہے اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوصف غلامی رسالت پر فخر کرتے تھے۔

اب غور کریں کہ کافر کون ہے ؟

اس اہم باب کے اختتام سے پہلے چند سطروں کے مطالعے کی زحمت اور گوارا کر لیں کہ مخلص صحابہ کرام کا احترام تو بلاشبہ ہر کلمہ گو پر لازم ہے لیکن شرعی نقطہ نظر اور مسلمات دین کے اعتبار سے صحابہ کرام پر ایمان رکھنا یا ایمان لانا نہ تو واجب نہ سنت نہ فرض ہے نہ سنت تاکیدی ہے نہ تائیدی۔ ایمان باصحابہ کے لزوم کی شہادت کسی معتبر حوالے سے ثابت نہیں۔ جبکہ آدم سے لے کر نبی آخر تک ایمان لانا واجب توحید عدل نبوت امامت منصوص من اللہ قیامت نماز روزہ حج زکواۃ خمس تبرا تولا امر بالمعروف نہی عن المنکر کتب آسمانی پر ایمان۔ صحیفہ پر ایمان۔ قضاء قدر۔ کے فرشتوں پر ایمان۔ جنت۔ دوزخ کوثر سلسبیل پل صراط حشر نشر حساب کتاب فشار قبر۔ سوال جواب۔ حیات بعد موت سزا و جزا مغفرت شفاعت تمسک بالقرآن اہل بیت یہ سب مسلمات دین ہیں جن میں سے کسی ایک کا بھی منکر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا ضروریات دین میں اور واجبات دین میں مسلمانوں کے کسی بھی مکتبہ فکر میں صحابہ اکرام شامل نہیں جبکہ مودت اہل بیت رسول اجر رسالت ہے اور محمد و آل محمد پر درود کے بغیر شریعت کا رکن اعظم نماز نامکمل رہتا ہے۔



# تیرھواں باب

## شیعہ اور عزاداری شہدائے کربلا

ہمارا خوشگوار اور فخریہ فریضہ ہے کہ ہم اپنی اس تصنیف کا اختتام اس عنوان پر کریں جو ہماری شہہ رگ حیات ہے جس پر ہمارے مذہب کا دارومدار ہے ہمارے دین کی اساس ہے اور جس مقدس فریضے کی ادائیگی کے سبب ہم ASS کی نظر میں کافر ہیں اور ہمارا جرم عزاداری سید الشہداء کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ واللہ! خدانخواستہ نصیب ASS اگر ہم اس مقدس اور واجب فریضہ یعنی (عزاداری) مظلوم کربلا سے دست کش ہو جائیں تو سارے یزیدی گماشتے ہمیں سینے سے لگائیں آنکھوں پر بٹھائیں تاج پہنا کر سروں پر سجائیں نہ ہم بدعتی کہلائیں۔ نہ رافضی۔ نہ مرتد۔ نہ کافر بلکہ ہم سے زیادہ مذکورہ دہشت گرد انجمن کی نگاہ میں کوئی قابل احترام ہی نہ ہو گا!

ہم عزاداری مظلوم کربلا کے مقدس فریضے کو احکامات قرآنی اور رسول اکرم کے ارشادات و فرامین کی روشنی میں سب سے بڑی اور عظیم عبادت سمجھ کر ادا کرتے ہیں اور انشاء اللہ ہمارا یہ شیوہ عزاداری صبح محشر تک اسی شان و شوکت۔ عظمت و جلالت اور تقدس و احترام کے ساتھ جاری رہے گا کیونکہ یہ آرزوئے بتول بھی ہے اور حکم رسول بھی۔ انسانیت اور حیوانیت کے درمیان حد فاصل بھی ہے اور حسینیت اور یزیدیت کے مابین واضح فرق بھی ذرا سوچئے تو سہی! ہمارے عزیز محترم محشر لکھنوی نے بہت خوب کہا ہے

کچھ دیر فرض کیجئے یہ مجلسیں نہ ہوں
سارا جہاں حسین کا قاتل دکھائی دے

یہ مجلسیں یہ عزاء یہ ماتم کی دھمک یہ تعزیہ یہ ذوالجناح شب بیداریاں یہ زنجیر زنی یہ شیونی یہ غم و الم کا مظاہرہ یہ سیاہ لباس یہ دس دن تک در و دیوار سے یا حسین یا حسین کی دلخراش اور یزید شکن آوازیں ہی تو قاتل و مقتول اور ظالم و مظلوم کے درمیان حد فاصل ہیں ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ عزاداری مظلوم کربلا کے دشمن اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ہم کسی مکہ مدینے کے حریص تخت و تاج کا غم نہیں منا رہے ہیں بلکہ نواسہ رسول جگر بند علی و بتول اور اسلام و شریعت کے سب سے بڑے نجات دہندہ کی یاد قائم کر رہے ہیں جنکے بہتر (۷۲) چودہ صدیوں پر محیط جنکا شیر خوار دو لاکھ کے لشکر بنی امیہ کا فاتح اعظم اور جس کا ۸۰ برس کا حبیب یزیدی فوج کے جوانوں کے چھکے چھڑا دینے پر آمادہ اور جنکا ہر جری یزیدی اقتدار و تخت و تاج کی لعنت کو اپنے ثبات قدم سے ملیا میٹ کرتا ہوا ہمیں عاشور کے دن حسینیت کی فتح اور فرزند معاویہ کی دائمی شکست اور ابدی ذلت و رسوائی کا سامان بن گیا مسلمانان عالم قیامت تک اسلام کی تاریخ کے صرف اسی باب پر سجدہ تشکر ادا کرتے نظر آئیں گے جس پر کربلا آج بھی تازہ تراشے ہوئے جوہر کی طرح نظر آتی ہے کربلا جس میں ہمیں تلقین صبر۔ یقین۔ اطاعت امام۔ امربالمعروف۔ نہی عن المنکر۔ جذبہ شہادت۔ دنیاوی زندگی سے بیزاری۔ بھوک و پیاس میں اولوالعزمی کے مظاہرے۔ داد شجاعت کے مستم بالشان کارنامے قیادت حسینی میں بہتر ۷۲ دلوں کی مختلف دھڑکنوں کو ایک رفتار سے دھڑکتے ہوئے چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھا نوے برس کے بوڑھے سے لے کر ۶ ماہ کے شیر خوار تک پانچ برس کی معصومہ سے لے کر ۵۵ برس کی شہزادیوں اور نبی زادیوں تک ہمیں وہ عظیم کردار نظر آتے ہیں جہاں ہم تو ہم بڑے بڑے صاحبان فکر انگشت



بدنداں ہو کر یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ

ہر گام میں ادیان سے ٹکراتے ہیں
ہر گام پہ اوہام کو ٹھکراتے ہیں
لیکن کوئی لیتا ہے اگر نام حسین
ہم اہل خرابات بھی جھک جاتے ہیں

یہ کربلا ہی تو ہے جسے ایک دوپہر میں رسول کے معجزنما بیٹے حسین نے معلی بنا دیا اور اس کے سنگریزوں سے زیادہ سخت و کرخت مٹی کو خاک شفاء کا درجہ دے کر سجدہ گاہ بنا دیا۔ یہ کربلا ہی تو ہے جس کے گنج شہیداں میں وہ ۷۲ نفوس قدسیہ ابدی مگر زندہ جاوید نیند سو رہے ہیں جنہوں نے ۷۲ سر دے کر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبوتوں کو بچا لیا۔ شریعت کو دوام۔ قرآن کو عظمت۔ کعبے کو حرمت توحید کو سربلندی۔ نبوت کو وقار۔ امام کو افتخار اور امت کے ماضی۔ حال اور مستقبل کو پائیدار و آبدار بنا دیا ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ اب سے دس پندرہ برس پہلے شائع ہونے والی ایک ملعون کتاب خلافت معاویہ و یزید میں جو اس دور کے سلمان رشدی نے محمود عباسی کے نام سے شائع کی تھی اہل بیت اطہار علیہم السلام خصوصا بارگاہ فرزند رسول میں یزید کے مقابلے میں ناپاک اور مذموم جسارتیں کی گئی تھیں تو اس وقت بھی مدرسہ دیوبند کے مہتمم اور جید و قابل احترام عالم دین قاری محمد طیب مرحوم نے محمود عباسی کی کتاب کی تردید میں شہید کربلا کے عنوان سے ایک مختصر مگر جامع اور مدلل کتابچہ تحریر کیا تھا ور تحریر کرنے کی وجہ یہ بتائی تھی کہ محمود عباسی کی خرافات کے جواب میں کچھ لکھنے کی ضرورت تو نہیں تھی اور نہ ہی کسی مسلمان اور صاحب انصاف عالم کے شایان شان ہے کہ وہ اس کی ہفوات و دریدہ دہنی کا جواب دے مگر چونکہ اس تصنیف کے نتیجے میں ہمارے مذہب اہل سنت و مکتب دیوبند پر حرف آ رہا تھا اور عامہ المسلمین میں یہ

تاثر پیدا ہو رہا تھا کہ خدانخواستہ ہم اہل سنت یا مسلک دیوبند کے بھی یزید پلید کے بارے میں یہی خیالات ہیں ہم نے (بقول ان کے یہ کتاب لکھ کر سنی و دیوبندی کی جانب سے محمود عباسی) کے درمیان حد فاصل قائم کر دی ہے اور اس کی محکم ترین دلیل محمد طیب پرنسپل دارالعلوم دیوبند نے دی کہ حضور اکرم کا یہ ارشاد عظمت حسین کے لئے کافی ہے کہ الحسن و الحسین سید الشباب اھل الجنۃ ☆ حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔ مسلمان تو دور کی بات ہے کسی صاحب دل انسان سے بھی کربلا کی مخالفت کا تصور نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ کربلا یزید کی شکل میں انسانی سروں پر مسلط استعماری قوتوں کے اس عفریت کے خلاف اعلان جنگ ہے جو حقوق بشر کو اپنے خونی جبڑوں میں اسی طرح چبا رہا تھا جس طرح یزید کی دادی ھندہ نے جنگ احد میں عم رسول اکرم کے کلیجے کو چبانے کی ملعون کوشش کی تھی۔ کلیجہ چبانا اور لاشوں کی بے حرمتی کرنا خاندان بنی امیہ کا ورثہ رہا اور انسانیت اسلام قرآن اور شریعت کی بقاء کے لئے کلیجہ بر برچھی کھانا خاندان رسالتمآب کا باوقار طریقہ رہا۔ ھندہ سے یزید تک ظلم و وحشت کی ایک کڑی اور حمزہ سے لے کر علی اکبر تک وحشی نیزوں کی انی پر کلیجہ رکھنا وارثان دین شریعت کی سرشت میں شامل رہا ہے۔ یہ فیصلہ ہمارے معزز پڑھنے والے کریں گے کہ

"کافر کون؟"

ہمیں تو یاد نہیں پڑتا کہ تقسیم ہند سے پہلے مسلمانان برصغیر نے کبھی مراسم عزاداری کی اس شد و مد سے مخالفت کی ہو سارے مسلمان چودہ سو برس سے اپنے رسول کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں عزت و احترام کا خراج پیش کرتے رہے ہیں۔ خراج عقیدت پیش کرنے کے انداز مختلف رہے مگر کربلا اور حسین کی عظمت اور یزیدیت سے نفرت پر ملت مسلمہ کی غالب اکثریت ہمیشہ متفق رہی ہے



دوسری جانب ملت مسلمہ کے شاہ عبدالعزیز دھلوی نے شان رسالت بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ہمارے حضور اکرم کو حسن و حسین کی صورت میں شہادت سری و شہادت جہری کے تاج عطا ہوئے انہوں نے فرمایا کہ حسن کی شہادت دراصل شہادت رسول ہے جو خفیہ طریقہ پر زہر سے ہوئی اور شہادت حسین بھی شہادت رسول ہے جو ظاہر بظاہر ہوئی وہ تو یہاں تک لکھ گئے لیکن یہاں ہم یہ کہنے کی اجازت چاہیں گے کہ جب حسین کی شہادت۔ شہادت رسول ہے تو ان دونوں شہزادوں کے قاتل بالواسطہ یا بلاواسطہ دراصل رسول اللہ کے قاتل ہوئے آخر یہ دونوں شہزادے خود بخود تو شہید نہیں ہو گئے ان عظیم سانحوں کے پیچھے کوئی نہ کوئی ہاتھ تو ہو گا اور یقیناً ہے اور ظاہر ہے کہ رسول کے قاتل تو دنیا و دین کے کسی قانون میں مسلمان تو کیا انسان کہلانے کے بھی قابل نہیں اور بھی مسلم اکابرین کی آراء اس ضمن میں پیش کی جا سکتی ہیں جو کہ مستند بھی ہیں مگر ہم اس موضوع پر اکتفا کرتے ہیں کہ

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے

تقسیم ہند سے پہلے مسلمان تو مسلمان ہیں ان کا تو حسین مشترکہ سرمایہ ہیں کبھی ہندوؤں اور سکھوں۔ عیسائیوں پارسیوں نے بھی عزاداری مظلوم کی مخالفت نہیں کی نہ جلوسوں کے راستے روکے نہ روٹ تبدیل کرنے کے مطالبے کئے ہندو راجے مہاراجے اس وقت سے آج تک عشرہ محرم نہایت عقیدت و احترام سے مناتے چلے آ رہے ہیں اور شاید ہی کوئی مستند حوالہ پیش کیا جا سکے کہ جب بھی کسی غیر مسلم خصوصاً ہندوؤں کی جانب سے جلوس و علم و تعزیہ و ذوالجناح ماتم حسین پر فساد برپا کیا گیا ہو یا انہیں رکوانے کی کوشش کی گئی ہو یہاں تو ASS کے رہنما اپنی مسجدوں کے آگے سے جلوس عزاداری کے گزرنے پر ہر سال مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔ مگر تقسیم ہند سے پہلے ہندوؤں کی یہ شاندار روایت بھی رہی ہیں کہ اگر علم حسین کے راستے میں

ہندوؤں کا مقدس پیپل کا درخت بھی آ گیا تو انہوں نے غازی کا علم نہیں جھکنے دیا بلکہ اپنے مقدس درخت کٹوا دیئے اور ان کے شاعر و مفکر ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ

نبی کے باغ کے سرو سمن سے پیار کرتا ہوں
میں اک گل سے نہیں سارے چمن سے پیار کرتا ہوں
عقیدہ حنل انسانیت میں کب ضروری ہے
میں ہندو ہوں مگر اک بت شکن سے پیار کرتا ہوں

ہندو شاعر و روپ کماری نے حضرت علی کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

نہیں علی سا مہابیر پورے بھارت میں
خدا ملا ہے اسی دیوتا کی سنگت میں

ہندوؤں کی مقدس کتاب مہا بھارت کا یہ اقتباس بھی قابل توجہ ہے کہ کوروں پانڈوں کی جنگ میں کشن جی مہاراج بہ نفس نفیس رتھ میں سوار میدان حرب میں آئے دیکھا کہ طرفداروں کی تعداد کم ہے اور دھرتی راکشٹوں سے بھری پڑی ہے رتھ سے اترے زمین پر سجدے میں گرے اور کشن جی مہاراج پرارتھنا کرنے لگے کہ اے ایشور اگر اہل حق پر ان راکشٹوں کی اکثریت کو غلبہ حاصل ہو گیا تو یاد رکھ دھرتی پر تیرا نام لیوا کوئی نہیں رہے گا تجھے واسطہ ہے اس مہاراج کا جس کے واسطے تو نے سنسار پیدا کیا مراد محمد مصطفے اور اس مہاراج کے پیارے سپوت دائی وچے کے علمبردار کا جسکی پیدائش پوتر آستان (کعبہ) کالے پتھر (حجر اسود) کے نزدیک ہو گی اور اس پوتر دیوی (مراد فاطمہ) کا جسکی آنکھوں میں تیرتے بجتے دو کبوتر (حسن و حسین) نظر آئیں گے ہمیں مکتی و شکتی دے کہ ہم تیرے نام لیوا تیرے دشمنوں پر غالب آویں اتنا کہا دھرتی سے سر اٹھایا اور تین مرتبہ ایلیا مدد۔ ایلیا مدد کا نعرہ لگایا اور کشن مہاراج راکشٹوں کی صفوں پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑے بولو رام کوڑی نے کہا۔



اللہ رے غنی کوڑی کتنا چالاک
گنگا سے جو پھسلا لب کوثر پہونچا

ایک ہندو شاعر نے یزید نامی مسلمان نما کافر پر یوں کہہ کر پوری ملت پر طنز کر دیا

یہ مانا حلقہ اسلام سے ہم دور ہیں مولا
مگر ہم ہندوؤں میں آپ کا قاتل نہیں کوئی

اگر ASS جیسے گدھے حق نمک ابوسفیان ادا کرتے ہوئے یزید کو انکار نبوت و وحی اور قتل فرزند رسول و تشہیر خاندان رسالت کے واضح اور ناقابل تردید جرم میں حقیقتہ طور پر دائرہ اسلام سے خارج کر کے اعلان کر دیتے کہ یزید اور اس کے ملعون خاندان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں تو آج ایک غیر مسلم کو پوری ملت پر یہ طنز کا موقع نہ ملتا مگر ASS کے گدھے یزید شمر و ابن زیاد کو تو کچھ نہیں کہتے نبی و علی کے عظیم باپ دادا اور علی ولی اللہ کے پیرو کاروں پر کفر کے فتوے لگا رہے ہیں یہ قومی ملی اور دینی بے حسی بے حمیتی کے انحطاط کی منزل اسفل السافلین ☆ ہے اس کے بعد گراوٹ کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

## "فلسفہ غم انسانی جبلت میں شامل ہے"

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

انسان خدا کی افضل ترین احسن تقویم پر فائز مخلوق ہے جسے قدرت نے سجایا سنوارا اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا کائنات کی کروڑوں قسم کی مخلوقات کا پروردگار اور خالق اپنی قوت تخلیق پر اتنا بے نیاز ہے کہ اس نے کسی مخلوق کی تخلیق کی قسمیں نہیں کھائیں یہ شرف یہ عظمت یہ وقار یہ امتیاز یہ خصوصیت یہ بلندی رفعت صرف اور

صرف انسان کے حصے میں آئی کہ خداوند عالم نے انسانوں کی تخلیق کی قسمیں کھائیں اور پھر اعلان کیا کہ ہم نے قسمیں یوں ہی نہیں کھائیں بلکہ ہم نے انسان کو احسن تقویم یعنی اعلیٰ ترین پیمانے پر پیدا کیا یعنی وہ علی کل شی قدیر جو قادر مطلق اور مختار مطلق ہے محتاج و مجبور نہیں خلاق قضا و قدر ہے وہ اگر یہ کہے کہ ہم جتنے اعلیٰ ترین پیمانے پر انسان کو پیدا کر سکتے تھے اس بلند معیار اور پیمانے پر ہم نے انسان کو پیدا کیا یہ صرف انسان ہے جس کے لئے مشیت نے خود مقام فخر پر **فتبارک اللہ واحسن الخالقین** ☆ کہا اللہ ہی جانے اللہ نے حضرت انسان کو کیسے کیسے جوہروں سے ترتیب دیا مگر ان سب جوہروں میں نمایاں ترین جوہر ضمیر درد۔ احساس۔ غم۔ تڑپ۔ ظلم سے نفرت مظلوم سے محبت درندگی سے نفرت زندگی بندگی خلق شرافت مظلومیت اور انسان دوستی سے پیار اور اگر کسی انسان میں یہ سب کچھ نہیں تو وہ انسانیت سے گرا ہوا وہ بھیڑیا ہے جو انسانی معاشرے میں درندہ بن کر انسانی لہو چاٹ کر جیتا ہے انسان جب درندگی اور بہیمیت پر اتر آئے تو اول اول قابیل اور آخر آخر یزید بنتا ہے اب جہاں بھی قابیل سے نفرت کا سلسلہ شروع ہو گا وہ یزید تک پہونچے گا یزید کسی شخص کا نام نہیں ایک کردار کا نام ہے اور یہ کردار مختلف ادوار میں کبھی فرعون بن کر موسیٰ کو سانپوں سے ڈسوانے کی ناکام کوشش کرتا ہے کبھی نمرود بن کر جان خلیل کو نذر آتش کر کے محو تماشائے لب بام ہوتا ہے کبھی برادران یوسف بن کر فرزند یعقوب کو اندھے چاہ میں پھینکواتا ہے کبھی اپنے زعم ناقص میں عیسیٰ جیسے انسانیت کے مسیحا کو مصلوب کرتا ہے کبھی سقراط کو زہر کے پیالے پینے پر مجبور کرتا ہے کبھی منصور حلاج کو انا الحق کے نعرے پر تختہ دار پر چڑھاتا ہے کبھی کلمہ الحق کے جرم میں انسانیت کے عظیم محسنوں کی زبانیں گدیوں سے کھنچواتا ہے کبھی ابوجہل و ابولہب و ابوسفیان بن کر راہ مصطفوی میں کانٹے بچھاتا ہے بارش سنگ کرتا ہے کبھی علی جیسے اشجع عرب کے گلے



میں رسی ڈالتا ہے کبھی رسول کی بتول بیٹی کا پہلو زخمی کرتا ہے کبھی فرزند مصطفیٰ کے جنازے کو تیروں سے غربال کرتا ہے یہ انسان نما بھیڑیے اپنی ساری وحشتوں اور بربریت کے ساتھ یزید۔ شمر۔ عمر سعد۔ حصین بن نمیر اور حرملہ جیسے بدنما مکروہ اور تاریخ انسانیت پر کوڑھ جیسے قابل نفرت کردار کی صورت میں ابھرے اور یہ سلسلہ اس ترقی یافتہ دور میں کبھی بادشاہت کے نام پر کبھی فوجی جمہوریت کے نام پر کبھی سپرپاور کے نام پر کبھی اسرائیل کی سرپرستی کے طور پر کبھی فوجی آمریت کی صورت میں غریب و مظلوم اور مفلوک الحال عوام کے ناتواں جسموں پر برسا برس سے رقص ابلیس کرتے چلے آ رہے ہیں اور تا حال یہ مشق ستم جاری ہے دنیا اکیسویں صدی میں داخل ہو گئی مگر انسان مہذب بن کر قاتل بنتا علم کا مدعی بن کر جاہلیت کو آشیرواد دیتا امن کے پرچم کو انسانی خون سے لتھڑا کر انسانیت پر بارود برساتا اور بڑے بڑے ذہن اور بڑے مدبر دماغ کو رسن و دار کی نذر کرتا جا رہا ہے۔ گو یہ ظالم و جابر انسان نما بھیڑیے ہٹلر و مسولینی کی طرح تاریخ کا نفرت زدہ قصہ پارینہ بن چکے ہیں مگر ایک بات طے ہے کہ تاریخ کے اس پرہول اور خون سے لبریز دور سے انسانیت نے کبھی ہار نہیں مانی آمروں غاصبوں اور ان کی باقیات کو ظلم کرنے کی مہلت تو ملی مگر وہ دلوں سے انسانیت کے علمبرداروں کی محبت و عقیدت نہ کھرچ سکے یہی وہ سچائی ہے جس پر آج تک حق قائم ہے اور مشیت مطمئن۔ شیطان کے چیلے۔ وحشت و بربریت کے ریلے میں بہتے رہے مگر رحمان کے بندے اس سارے طغیان و طوفان کا رخ موڑ کر یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔

علی والے ہر اک طوفان کا رخ موڑ کر لوگو
وہاں ساحل بناتے ہیں جہاں ساحل نہیں ہوتے
علی کا نام لے کر چھوڑ دیتے ہیں سفینے کو
ہمارے سامنے خطرات مستقبل نہیں ہوتے

دوستو بس ظلم سے نفرت اور مظلوم سے محبت کا نام انسانیت ہے انسانیت اسلام ہے اسلام دین فطرت ہے جس طرح دین فطرت ہے اسی طرح رونا اور آنسو بہانا ظلم کے خلاف واحد احتجاج کی علامت ہے اور پھر آنسو بھی وہ جو کربلا کے ان پیاسوں کی یاد میں فرات بن کر بہیں جنہیں فرات کے کنارے شیطان کے نمائندوں نے پیاسا ذبح کر دیا تھا اسی لئے تو کسی نے اشک غم حسین کے لئے کہا تھا

موسم ابر میں قطروں کو ترس جائے گا
جو ان اشکوں پہ ہنسے گا وہ جھلس جائے گا

غم شبیر میں بہتے ہوئے آنسو انسان کی عظمت و بزرگی کی علامت ہیں نشانی ہیں ثبوت ہیں اس سینے میں ایک دھڑکتے ہوئے دل کی موجودگی کا واحد ثبوت ہیں وہ بھی کوئی انسان ہے جو غم حسین میں رو نہ سکے وہ بھی کوئی دامن ہے جو ۸۰ برس سے لے کر ۶ ماہ کے بچے کے بے رحمانہ قتل پر اشکوں سے تر نہ ہو سکے اور وہ بھی کوئی حرارت خون ہے جو ان مظلوموں کے قاتلوں کے خلاف آتش فشاں بن کر ابل نہ پڑے غم حسین میں رونا رلانا ماتم سوگ ہر فتوے اور ہر پابندی سے ماوراء ہے اسلئے کہ رونا فطرت ہے اور فطرت پر شریعت کوئی پابندی نہیں لگاتی۔ جیسے پانی پینا فطرت ہے مگر کسی مذہب کی کسی شریعت میں پانی پینا نہ تو گناہ ہے اور نہ ہی بدعت۔ یہ اپنے اپنے نصیبوں کی بات ہے کہ ہم الحمد للہ فرزند مصطفےٰ کی یاد میں ان کی مقدس بالیں پر اشکوں کے نذرانے چڑھاتے ہیں کچھ ایسے بھی بدنصیب لوگ ہیں جو غم حسین میں رونے رلانے کو کفر



سمجھتے ہیں اور جنہیں آسمان و زمین پناہ نہ دیں جو عوام کو آمریت و ظلم کی چکی میں پیستے ہوئے برس ہا برس تک حکومت کر کے واصل جہنم ہو جائیں ان کے سوگ میں ماتم کرتے رہیں غم حسین میں بہنے والے آنسوؤں اور دیگر گناہ گاروں کے لئے اشک ضائع کرنے میں یہی فرق ہے کہ غم حسین کے اشک یزیدیت اور مطلق العنانیت و آمریت کے لئے طوفان نوح بن جاتے ہیں اور ظالموں غاصبوں اور آمروں کے نام نہاد غم میں اشک بہانے والے لوگوں کی مثال اس مگرمچھ کی ہے جو پانی میں رہتے ہوئے یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجھ سے زیادہ اشکبار کوئی نہیں۔ کربلا کے شہیدوں کی یاد میں بہنے والے آنسوؤں نے اب تک سینکڑوں فراتوں کو آئینے دکھائے ہیں حسین ابن علی کی پیاس کے دامن نے ہزاروں سلسبیل تیار کر دیں درجنوں کوثر چھلکا دیئے سبیل حسین کا تصور جسکی ابتداء جناب فضہ نے کی تھی جو ماشاء اللہ کائنات کے گوشے گوشے میں لگائی جاتی ہے اور الحمدللہ مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے افراد سبیل حسینی کے مقدس پانی کو آب حیات سمجھ کر پیتے ہیں ASS کے بدنصیبوں کے ذہن میں نہیں وہ اس مقدس پانی سے محروم ہیں ہونا بھی چاہئے کیونکہ یہ عظیم کبریا کا عدل ہے کہ کربلا میں پانی بند کرنے والوں کی اولادیں سبیل حسینی کو ترستی رہیں عزاداری کا دوسرا عظیم اور قابل تعظیم نشان علم ابوالفضل العباس ہے جو عظمت اسلام کا مرکز نگاہ ہے جسکے سامنے ہمارے دیدہ و دل فرش راہ ہیں کربلا کی فتح کی علامت علم عباس ہے۔ یزیدیت کے سارے پرچم قیامت تک سرنگوں کرنے والا علم ہے جسکے پھریرے کی ہوا سے آج بھی ASS کا پتہ پانی ہو جاتا ہے جسکی سچی قسم کھاتے ہوئے آج بھی ریڑھ کی ہڈی سے خوف کی لہر دوڑ بن کر نکل جاتی ہے یہی وہ علم ہے جو خیبر میں نبی نے ۳۹ دن تک مسلمان جرنیلوں کی مسلسل شکست کے بعد حضرت علی کو فتح خیبر کی بشارت کے ساتھ عطا فرمایا اور چونکہ عطا فرمایا تھا اس لئے یہ علم رسول مقبول کی وراثت میں شجاعت

علوی کے وارث ام البنین کے چاند دعائے فاطمہ زہرا کے چمن اشجع الناس ابوالفضل العباس کے ساونت بازووں کے حصار میں آیا۔ یہ علم بظاہر صفین کے بعد صرف اور صرف دس گھنٹے دست عباس جری میں رہا۔ مگر علمدار کا لفظ عباس ابن علی سے منسوب ہو گیا۔ علم۔ مشک۔ سکینہ۔ دریا۔ فرات۔ پیاس۔ شجاعت۔ پردہ۔ غیرت۔ جلال۔ قوت یہ ساری صفات اپنے نقطہ عروج پر پہونچ کر ایک لفظ بنتا ہے وفاء اور وفاء مجسم ہو کر جب لباس اطاعت امام پہنے تو ایک نام بنتا ہے عباس بقول جوش

اسلام کے وقار کی اونچی چٹان پر
عباس کی وفا کے علم ہیں گڑے ہوئے

عباس اپنی ذات میں خود ایک مکمل کتاب ہے کبھی موقع ملا اور زندگی نے وفا کی تو ایک پوری اور مکمل کتاب شہنشاہ وفا کی نذر کروں گا انشاء اللہ فی الحال تو یہ کافی ہے جو حضرت جوش نے کہا

عباس نامور کے لہو سے دھلا ہوا
اب بھی حسینیت کا علم ہے کھلا ہوا

یا یوں کہہ لیں کہ۔ عباس ہے نام وفا۔ آغاز و انجام وفا۔ منہ موڑ کر دریا سے جو پیتا رہا جام وفا۔ ہوتے رہے بازو قلم۔ اونچا رہے اپنا علم۔ اونچا رہے اپنا علم۔ اونچا رہے اپنا علم

اور ہمارا یہ عہد ہے بقول محسن نقوی کے

اٹل وعدہ ہے تجھ سے اے کفِ عباس کے پرچم
یہ دنیا کیا ہے محشر کو بھی ہم بیدار کر دیں گے
اگر شبیر کے ماتم پہ پابندی ہو جنت میں
تو اس جنت میں بھی جانے سے ہم انکار کر دیں گے



رسول اللہ کے جس علم کو ہزاروں صحابہ و تابعین نے سینکڑوں برس تک سلامی دی ہو ASS کے نکاح اس کو دیکھنے سے کیوں ٹوٹ جاتے ہیں یہ دشمنان صحابہ دہشت گرد انجمن علم کو دیکھ کر نکاح ٹوٹنے کی مضحکہ خیز اصطلاح کو استعمال کرتے ہوئے عظمت صحابہ کو پیش نگاہ نہیں رکھتی اور کافر ہمیں کہتی ہے۔ معاذ اللہ! عزاداری کی تیسری نشانی ذوالجناح یعنی حسین ابن علی کے اس اسپ وفادار کی شبیہہ ہے جس نے یزیدی لشکر نما بھیڑیوں کے منہ پر اپنے کردار کا وہ طمانچہ رسید کیا کہ ASS کے گدھے آج تک اپنا مفلوج اور برص زدہ چہرہ اس اسپ وفادار سے چھپاتے پھر رہے ہیں ہم اپنے جلوس عزا میں اسپ وفادار کی شبیہہ برآمد کر کے اسے عقیدت سے چوم کر اعلیٰ انسانی اقدار اور احسان شناسی کا ثبوت دیتے ہیں کہ انسان تو انسان ہم تو آل محمد کے وفادار جانوروں کی شبیہہ کا بھی احترام کرتے ہیں ہم سے تو کسی وفادار رسول مومن کی شان میں گستاخی کا تصور بھی محال ہے اور ہمارا یہ فعل عین شریعت ہے اگر حجر اسود پتھر ہونے کے باوجود صرف انبیاء ما سبق اور آخر میں رسول مقبول کی نسبت سے چومنے کے قابل ہے تو ذوالجناح کا جو واقعات کربلا کا عینی گواہ بھی ہے اور حیوانوں میں وفاداری و اطاعت مظلوم کربلا کا دوسرا نام بھی ہے احترام کرنا کفر و بدعت کیسے ہو گا؟ عزاداری مظلوم کربلا کی چوتھی نشانی تعزیہ/ضریح و تابوت ہیں یہ یادگاریں ہیں شعائر اللہ ہیں جنکی عظمت کا حکم پروردگار نے قرآن میں دیا ہے۔ تعزیہ تو ہمارے برصغیر میں تقسیم سے پہلے بھی اور اب بھی مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر نہایت تزک و احتشام سے تیار کرتے ہیں اور روز عاشورہ انہیں سڑکوں۔ چوراہوں۔ بازاروں میں برآمد کرتے ہیں یہ اعلان کرنے کے لئے کہ اے ہمارے عظیم پیغمبر کے عظیم بیٹے تو ہی تو تاریخ اسلام میں تنہا وہ مظلوم ہے جسے ASS کے بزرگوں نے نہ غسل دیا نہ کفن۔ نہ تیرا جنازہ اٹھانے دیا نہ دفن کرنے کی اجازت۔ آج ہم گلی گلی قریہ قریہ کوچہ کوچہ

تیری یاد میں تیرے مقدس روضے کی شبیہ اپنے کاندھے پر اٹھا کر رسالت مآب سے سرخرو ہو رہے ہیں اور اعلان کر رہے ہیں کہ ہم مسلمانوں کا یزید اور یزیدی گماشتوں سے کوئی تعلق نہیں یاد رہے کہ پاکستان میں نکلنے والے ہزاروں تعزیوں کے جلوسوں میں ۸۰ فیصد ہمارے برادران اہل سنت کے تعزیئے ہوتے ہیں ہمارا سلام ہو ایسے سچے مسلمانوں پر۔ عزاداری کا روشن ترین اور واضح پہلو سینہ کوبی ماتم اور نوحہ خوانی ہے جو ظلم کے خلاف ابو البشر ثانی جناب نوح سے لے کر گریہ جناب یعقوب تک اور جناب حمزہ کی شہادت سے لیکر امام حسین علیہ السلام کی عظیم قربانی تک سنت انبیاء و مرسلین اور حکم خاتم النبین رہا ہے۔

یزید کی دادی کی آتش انتقام نے جب حضور اکرم کے عم محترم کی لاش کی بے حرمتی کی تو مدینے میں کہرام برپا ہوا اور رسول خدا نے تمام ازواج مطہرات سمیت صحابہ کرام کو حمزہ پر گریہ و زاری کرنے او ماتم کرنے کا حکم دیا یہ پہلا ماتم تھا جو مظلوم شہید جناب حمزہ پر بحکم رسول خدا مدینہ میں برپا ہوا تو امام حسین تو فرزند رسول ہیں اور ان کی مظلومانہ شہادت کا کوئی تقابل جناب حمزہ کی شہادت سے نہیں کیا جا سکتا پتہ نہیں یہ ASS والے احمقوں کی کس جنت میں رہتے ہیں کچھ پڑھے لکھے بھی ہیں یا نہیں انسان بھی ہیں یا نہیں اور پھر ماتم حسین پر ان کا برہم ہونا یوں بھی گھٹیا درجے کی حماقت ہے کہ ماتم حسین میں ہاتھ بھی ہمارے ہوتے ہیں اور سینہ بھی ہمارا۔ اشک بھی ہمارے اور آنکھیں بھی ہماری۔ تکلیف ASS کو کیوں؟ بات کچھ بھی نہیں بس یہ ASS والے اس ماتم کے اس لئے مخالف ہیں کہ یہ ماتم کی بات کہیں تیری جوانی تک نہ پہونچا دے اور بہت سے قاتلوں کے چہروں سے نقاب نہ الٹ جائے۔ یہ ماتم تو ہوتا رہے گا اسکی دھمک تو عصر حاضر کے سارے یزیدی گماشتوں کی اندھیری جائے ولادت کی دیواروں میں دراڑیں ڈالتی رہیں گی اور یزیدیت کی سانسیں اکھڑتی رہیں گی حسینیت



زندہ باد ہوتی رہے گی اور یزیدیت قیامت تک مردہ باد کے نعرے کی زد میں رہے گی۔

دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہرحال ترا نام رہے گا

# چودھواں باب

## ہمارے چہاردہ معصومین علیہم السلام

الحمد للہ! شیعہ اثنا عشری کہتے ہیں اس مقدس۔ ناجی۔ متقی اور صحیح العقیدہ مومن حزب اللہ کو جو مندرجہ ذیل مسلمات دینی اور احکامات قرآنی پر تصدیق بالقلب۔ اقرار باللسان اور انکسار بالارکان کرے جنہیں ہم اس آخری باب میں مختصر عرض کریں گے۔

(۱) ہم خداوند عالم اور رب دو جہاں کو لا الہ الا اللہ اور واحد و لاشریک مانتے ہیں اسکی ذات عین صفات۔ اس کی صفات عین ذات ہے وہ حی ہے قیوم ہے قدیم ہے۔ لم یزل ہے لایزال ہے جبار ہے۔ قہار ہے۔ رحمن ہے۔ رحیم ہے۔ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا مالک روز جزا ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے کا بلاشرکت غیرے خالق و مالک ہے!

(۲) ہمارا دوسرا عقیدہ عدل ہے یعنی خدائے وحدہ لاشریک کو عین عدل ماننا۔ زندگی دے تو بھی اس کا عدل۔ موت دے تو بھی اس کا عدل۔ رزق کی فراوانی دے تو بھی اس کا عدل۔ کسی کو تنگی معاش دے تو بھی اس کا عدل۔ کسی کو تخت و تاج دے وہ بھی عدل (بشرطیکہ وہ اپنے فضل خاص سے عطا کرے) تو بھی عدل۔ چھینا جھپٹی دھونس۔ دھاندلی غنڈہ گردی کے ذریعے حقداروں سے انکا حق چھین کر حکومت حاصل کرنے والوں سے اسکی سبحان ذات بری ہے۔



(۳) تیسرا اور اہم ترین اصول دین۔ جس پر وحدانیت سے لے کر ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ماسبق کی نبوتوں کی عمارت کھڑی ہے قرآن جسکے لب وحی ترجمان کا معجزہ و برہان شریعت جسکے قول و فعل سے مجسم ہوتی ہے اسے ہم رسول آخر وجہ تکوین کائنات۔ علت غائی۔ ممکنات۔ علم اول۔ عشق اول۔ خلق اور خلق اول۔ احمد مجتبی خاتم نزول وحی ناسخ ادیان ماسبق۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں اور مانتے ہیں جو ہمارے نزدیک ہر اعتبار سے فضیلت و عظمت میں

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ہے

مکہ مدینہ کی عظمتیں ہوں یا صحابہ کرام کا احترام سب اس نبی آخر الزماں کی نعلین کی خیرات ہے!

(۴) ہمارا چوتھا عقیدہ اور اہم ترین عقیدہ بعد رسول امامت ہے۔ امامت وہ منصب الہی ہے جو سورہ بقرہ کی روشنی میں جناب ابراہیم علیہ السلام کی دعا قال و من ذریتی ☆ سے شروع ہوا اور خاندان رسول اور اولاد علی و بتول کے پاکیزہ ارحام اور مطہرہ بطون سے منزل بہ منزل لنگر کون و مکاں امام زمین و زماں حجۃ اللہ فی الخلق اجمعین۔ شریک القرآن۔ خلیفہ الرحمان۔ امام الانس و الجان۔ سورہ کوثر کی زندہ تفسیر۔ نور ازل نبوی کی منہ بولتی تصویر۔ جلال نبوت کا پیکر۔ صدف عصمت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مقدس گوہر۔ جلال حیدری کا مظہر فرزند امام حسن عسکری و بلند جناب نرجس خاتون سلسلہ ذھب کا آخری محمد۔ لقب مہدی۔ خطاب بقیۃ اللہ۔ عجل اللہ و فرجہ و سہل اللہ مخرجہ و جعلنا انصارک و اعوانک آمین "اس سلسلہ دعائے ابراہیم کی پہلی کڑی"

# "امام اول" حضرت علی ابن ابو طالب ابن عبد المطلب علیہم السلام"

از روئے قرآن و بہ نص جلی پیغمبر اسلام امام اول ہیں آپ کے فضائل لاانتہا آپ کے محامد لامحدود آپ پر لاکھوں درود و کروڑوں سلام۔ آپ نے عین جوف کعبہ میں ۱۳ رجب المرجب سنہ ۳۰ عام الفیل بطن جناب فاطمہ بنت اسد سے عرش سے فرش کی طرف نزول اجلال فرمایا۔ دیوار کعبہ شق ہوئی جسکا نشان آج تک کعبہ نشان حیدر بنا کر اپنے سینے پر سجائے ہوئے ہے جو دشمنوں کے مٹانے سے نہیں مٹا۔ ہم نے عین کعبہ کے اندر جا کر خود اپنی آنکھوں کو بنت اسد کی آمد کے استقبال میں مسکرانے والی اس دیوار کے شگاف سے گذشتہ برس منور کیا یہ سب ان کا کرم ہے ورنہ ہم کہاں سراپا عصیاں۔ مجسم خطاء اور کہاں دیدار جدار حرم۔ یہ رتبہ بلند ملا جسکو مل گیا۔ شہ رگ اسلام کا مقدس خون علی جس کے لئے کسی شاعر کا اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے

کسے میسر نہ شد ایں سعادت

بہ کعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

مولائے کائنات حضرت علی بعد خاتم النبیین دنیائے انسانیت کی دوسری اہم ترین شخصیت ہیں جنھوں نے انسانوں کو اپنی ولادت۔ حیات۔ شہادت۔ شجاعت اور فضائل و محامد نیز مظہر العجائب و غرائب صفات کے ذریعہ رزم بزم علم و حکمت۔ مجاہدہ و ریاضت و شہادت و نصرت دین و حمایت ختم المرسلین کا وہ سبق دیا جو بشری زندگی کے نشیب و فراز سے پر تاریخ میں تا قیام قیامت باقی رہے گا۔ آپ کی حیات مبارک کا چشم تعصب سے علیحدہ ہو کر عمیق اور گہرا مطالعہ نہ صرف پوری بشریت کے لئے اصلاح کن۔ بیداری پیدا کرنے والا۔ امید افزا اور گراں بہا ہے۔ بلکہ حکومت عدل



اسلامی کی شگفتگی اور سیاست الٰہی کی اولعزمی اور شائستگی کی ایسی زریں اور تابناک مثال ہے جس کے لئے اہل نظر انگشت بدنداں اہل علم و معرفت حیران۔ اہل زبان نطق و لب کی بھیک مانگتے ہوئے فلسفہ داں انسانی فلاحی معاشرے کی گہرائی اور گیرائی کے بحر بیکراں میں غوطہ زن نظر آتے ہیں کہ شاید کوئی در بے بہا ان کے ہاتھ آ جائے اور اہل معرفت نے در علی امام اول باب علم سے حکمت و دانائی کے در نجف پہنچے بھی ہیں جسکا ہلکا ہلکا عکس کہیں کہیں بلاد اسلامیہ میں نظر آتا ہے اور جن ممالک میں یہ عکس نظر آتا ہے وہیں اس خونی بھیڑیوں سے بھری انسانی دنیا میں سکون اور عدالت عمرانی قوس قزح کی طرح سایہ فگن ہے۔ علی عظمتوں طہارتوں اور مطلق احساسات کے گوناگوں انواع کے حامل اور نمونہ کامل ہیں کہ جنکی ولایت کے اعلان کے موقع پر دین مکمل ہوا نعمتیں تمام ہو گئیں باب نبوت اور دروازہ وحی بند ہوا اور پروردگار دین اسلام سے راضی ہوا آپ کی شخصیت عجیب ہے جنکی بارگاہ جلال میں دوست محبت و عقیدت کے گلدستے لئے کھڑے ہیں اور دشمن حیرت کی انگلی منہ میں دبائے ہوئے اب بھی آپ کی یہ ملکوتی صدا شہر کوفہ کی فضاؤں میں گونج رہی ہے کہ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا کوفے والو میری یہ پیوند لگی نعلین میرے نزدیک تم جیسے لوگوں پر حکومت کرنے سے زیادہ عزیز ہیں الا یہ کہ اس حکومت ایسے کے ذریعے کسی حقدار کو اسکا حق دلوا دوں۔ یا کسی امر باطل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں میرا مقصد حکومت یہی ہے!

ہمیں تفصیل میں جانے کا احساس ہے مگر تھوڑی زحمت ہمارے معزز قارئین مزید اٹھا لیں مسلم تو مسلم غیر مسلم دانشمندوں نے بھی علی کی عظمتوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ہم جو بھی حوالے پیش کریں وہ لاکھوں اقوال اور لاکھوں تحریروں سے منتخب یا ایک گلشن سے محض گل چینی کی حیثیت رکھتا ہے جو اس موقعے پر سمندر سے ایک قطرہ

مستعار لینے کے مصداق ہو گا۔

(۱) جبران خلیل جبران۔ (مشہور عیسائی مورخ) میرا عقیدہ ہے کہ حضرت علی نے دنیائے عرب میں روح کلی (یعنی الوہیت) کی ہمسائیگی اختیار کی اور اسی کے ہمراز و دمساز ہو گئے وہ پہلے انسان تھے جنکے لبوں کے آبشاروں سے پہلی مرتبہ ترانہ الوہیت گونجا۔

(۲) شبلی شمیل۔ عرب کا وہ مادہ پرست جو کیونزم اور الحاد کا نظریہ رکھتا ہے اور ماورائے **الطبیعہ** کا منکر تھا۔ وہ بارگاہ علی میں یوں سرنگوں نظر آتا ہے کہ امام علی دنیا کے تمام بزرگوں کے بزرگ اور زمانے کے واحد و یکتا نمونہ تھے کہ دنیائے مشرق و مغرب نے اپنی آنکھوں سے عصر قدیم و جدید میں کوئی ایسی تصویر جو اس یکتا کی مثال و نظیر اور مطابق اصل بھی ہو نہیں دیکھی۔

(۳) جارج جرداق۔ ایک دوسرا عیسائی مفکروں رطب اللسان ہے اس مورخ نے کتب علی کی تحلیل و تشریح میں پانچ جلدوں میں ایک علمی تحقیقی و ادبی شاہکار تحریر کیا۔

تاریخ کے نزدیک تم مانو یا نہ مانو خواہ تم پہچانو یا نہ پہچانو نامور شہید۔ بے مثل شجاع۔ بے مثیل عالم بزرگ حسین کا پدر عالی قدر عدالت انسانی کی گونج دار آواز مشرق و مغرب کی جاوداں شخصیت صرف اور صرف علی ابن ابی طالب ہیں۔ **صوت العدالت انسانیہ** ☆

(۴) میخائل نعیمہ۔ ایک معاصر عرب عیسائی بڑا مورخ فلسفی اور ادیب یوں رقم طراز ہے کہ ایک تاریخ نویس کتنا ہی قابل و ہنرمند ہو علی کی سیرت و شخصیت اور ان کے پر آشوب دور فتن جو منافقین کی وجہ سے مسلسل جاری رہا اس ماحول کی تصویر کشی نہیں کر سکتا کیونکہ عرب کے اس مرد کامل اور عنصر با کمال نے جو خدمات اپنے اور اپنے خدا کے درمیان انجام دیں وہ ایسی ہیں کہ جنہیں چشم فلک و نگاہ گیتی اور نظر



بشریت نے نہ دیکھا نہ سنا پس اس صورت میں کامل شخصیت کے خدوخال کی جو تصویر کشی بھی ہم کریں گے وہ لامحال ایک نامکمل اور دھندلی ہو گی۔ حوالہ۔ علی القومہ العربیہ) ص ۳۰۳

(۵) تھامس کارلائل۔ انگریز مورخ علی کی عظمت و شخصیت کی گرہ کشائی اسطرح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن ہمارے لئے علی ایسے ہیں کہ ہم ان سے عشق کی حد تک محبت کریں کیونکہ وہ ایسے عالیقدر رہنما تھے جن کے سرچشمہ وجود سے اچھائیاں خوبیاں **اولوالعزمی** ☆ خشیتہ اللہ جوش مارا کرتی تھی آپ خشم آلود شیر سے بھی زیادہ دلیر و شجاع تھے جنکا ہمہ لوگوں کے سانس روک کر دینے کے لئے کافی ہوتا تھا مگر اس دلیری و شجاعت میں مہربانی عفو درگزر پاکیزگی کا اعلیٰ ترین امامتی و نبوتی جوہر تھا اور ان کامل انسان کے لئے نرم و نازک احساس جذبات شفقت و مروت سے بھرپور تھا۔

(۶) بارون کارادو Broon Karowud فرانسیسی محقق شیعوں کے پہلے امام اور تاریخ کے عظیم اور بے مثل مجاہد کے متعلق یوں رقمطراز ہے کہ علی وہ شجاع بے نظیر اور دلیر و بے مثال اور نڈر اور بے باک شہسوار میدان جنگ تھے جو نبی کے پہلو بہ پہلو دشمنوں سے جنگ کرتے تھے اور ایسے معجزنما کام سرانجام دیتے تھے جن کو تاریخ میں سنہرے حروف سے تحریر کیا گیا پیغمبر خاتم نے خدا کے بعد اس کی بندوں میں اپنی پوری حیات نبوت میں اگر کسی فرد فرید پر کامل بھروسہ کیا تو وہ صرف علی اور علی تھے کوئی دوسرا نہیں!

(۷) نرسیان Narsisan جو چند سال قبل بغداد میں برطانوی سفارتخانے میں مامور اطلاعات تھا ظاہر ہے عیسائی تھا دنیا کے فاضلوں مفکروں اور سیاست دانوں (یعنی Diplomats) میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہتا ہے کہ اگر یہ عظیم خطیب علی ابن ابی طالب ہمارے زمانے میں موجود ہوتے اور آج بھی مسجد کوفہ میں قدم رکھدیتے

تو تم دیکھتے کہ مسجد کوفہ اتنی طویل و عریض ہونے کے باوجود یورپ کے پوپس (Pope) سمیت مذہبی رہنماؤں سے چھلک جاتی اسلئے کہ یہ سب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی روح کو اس سرچشمہ و حکمت سے سیراب کرتے۔

(۸) سلیمان کتانی۔ مسیحی مورخ جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تحقیق و جستجوئے فضائل علی میں گزار کر ایک انتہائی اہم مضبوط اور جامع کتاب الامام علی تحریر کی یہ کتاب اپنی جامعیت کے علاوہ ادبی معجزوں کا ایک ایسا شاہکار ہے جسے عرب کے فصیحوں فاضل ہنرمندوں دانشوروں اور ادیبوں نے یوں خراج عقیدہ پیش کیا کہ علم و ادب فصاحت و بلاغت میں کماحقہ معرفت اور درک کے بغیر اس کتاب کے بلند معنی اور لطیف گہرائیوں میں نہیں پہونچا جا سکتا عصر حاضر میں اس عظیم کتاب کا ترجمہ فارسی زبان میں شائع ہو چکا ہے اسکا عنوان امام علی پیشوا و پشتیبان ہے یہ محقق اس کتاب میں لکھتا ہے کہ علی وہ نمایاں ترین شخصیت ہیں جو ولایت امراتی کے منصب جلیلہ پہ فائز ہوئے آپ کا وجود ذی جود اسلام و شریعت کی گراں قدر خدمات و تعلیمات کی حد کمال تک پہونچا ہوا ہے کہاں تک لکھیں کہ دامن قرطاس کوتاہ اور فضائل علی لامحدود۔

(۹) سودہ ہمدانی۔ ایک مجاہد اور دلیر خاتون علی کے ایک سخت ترین دشمن کے مقابلے میں امام کے دفاع اور توصیف میں یوں لب کشا ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوت نطق و سماعت کھو بیٹھتا ہے ہم اس لامحدود گلشن رسالت کے چمن صدا بہار کے باب فضیلت کو یوں کہہ کر بند کرتے ہیں کہ

گنجائش توصیف کہاں وصف علی میں
یہ مدح مکمل ہے علی کیا ہے علی ہے



# ام الائمہ معصومہ کونین عمل و مبارزہ حق طلبی و انقلاب کی پہلی طاہرہ

## بی بی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

اسلام کی بزرگوار ترین معصومہ بی بی یعنی دختر پیغمبر اسلام عفت و قناعت و تقوی کی آخری منزل بہ عنوان یک درجہ یعنی زوجہ امام علی ہونے کا شرف رکھتی ہیں اور یہ عنوان مادر حسن و حسین و زینب و کلثوم علیہم السلام دین کے بے باک اور معصوم مجاہد بیٹوں کی پرورش کنندہ اور جامعہ بشری کی رہبری پہ قدرت رکھنے والی ہیں مختصرا یہ بتول بی بی ایک ذی عقل مستور کامل خود اعتماد و دلیر مجاہدہ ہیں۔ اور اپنے جامعہ نسواں میں بھی ایسے تغیرات و تبدیلی کی مبداء و منشا ہیں کہ ایک خردمند و مصلح اور مردوں کی ہم شان عورت کا نمونہ کامل کی فہرست میں جناب از حوا تا آسیہ سرفہرست ہیں آپ کے اس دنیا میں یعنی عالم لطیف سے عالم کثیف میں تشریف آوری کی سالگرہ کے دن بہ اختلاف روایت ۲۰ جمادی الثانی سنہ ۶۱۳ء عورتوں کی شخصیت نے عرب کے بدوں میں فاطمہ زہرا کی شکل اور ان کی عظمتوں کے صدقے میں بلندیاں حاصل کیں عورت کی فضیلت قرآن کا عنوان بنی یہی بتول بی بی عورت کی تعظیم کا سبب اور حقوق نسواں کی نشر و اشاعت کا موجب بنی۔ یہی وہ باعظمت بی بی ہے جس نے اپنے عظیم بابا کو عرب کے تنگ دل تنگ نظر دشمنوں کے طعنوں سے بچایا جو یہ کہتے تھے کہ معاذ اللہ حضور ابتر ہیں آپ کے اولاد نرینہ نہیں ہے سورہ کوثر کی مسلسل تفسیر بن کر آج بھی

نسل پیغمبر کی ضامن ہے اور آپ کے دشمن ابتر ہیں اور قرآن کی آیہ مباہلہ کی روشنی میں حسن و حسین فرزند مصطفےٰ قرار پائے۔

جناب فاطمہ زہرا کی تشریف آوری اس زمانے میں ہوئی جب ASS کے اتحادی لشکر نے ابولہب و ابوجہل اور بالخصوص ابوسفیان کی سربراہی میں نبی کریم اور دین اسلام کے خلاف جارحیت وحشت و بربریت کا طوفان بپا کر رکھا تھا اور آنحضرت اپنی نبوت کی زندگی کے سخت ترین مراحل طے کر رہے تھے آپ نے نبی کی انساں ساز آغوش اور ام المومنین جناب خدیجہ الکبریٰ کی مدبرانہ حصار تربیت میں پرورش پائی اور اسی عصمت کی چھاؤں میں گھرے ہوئے مکتب میں روحانی پاکیزگی جہاں بیٹی اسلام شناسی کے زیور سے آراستہ ہوئیں اور یہی عصمت مآب بیٹی عرب کے وحشی معاشرے کی ذلت و رسوائی میں پڑی ہوئی عورت کی بردباری جرات و بے باکی اور صداقت کا وسیلہ بن گئی یہ بتول بی بی مرتبہ و عظمت میں یکتائے روزگار ہے جسے زبانوحی ترجمان سے ام ابیھا کا تاج افتخار عطا ہوا جو اس سے پہلے یا اس کے بعد آج تک کسی خاتون کو باپ کی طرف سے نصیب نہیں ہوا۔

یاد رہے کہ فاطمہ زہرا کا جو احترام آنحضرت فرماتے تھے وہ سبق تھا قیامت تک ان عرب بدوؤں کی نسلوں کے لئے جو آج بھی عورت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسے اس کے حقوق سے محروم کرتے ہیں اور شریعت کے نعرے لگاتے ہیں اور توہین طبقہ نسواں کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ ان کا یہ فعل قبیح سراسر سنت رسول اللہ کے خلاف ہے ایک مرتبہ پھر سوچیں کہ "کافر کون" مختصر یہ کہ نبی کریم و نجات دہندہ انسانیت کی وفات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مکہ کعبہ سمیت خون کے آنسو رو رہا تھا مگر ان ساری آہوں سسکیوں اور چیخوں پر حاوی جو آواز تھی وہ فاطمہ زہرا کی تھی وہ عبادت الٰہی شوہر کی خدمت اور باپ کے غم میں روتا اپنی زندگی بتاتے



ہوئے تھیں نوے دن سے زیادہ کشتی حیات کو قاطرہ کھے نہ سکیں امت نے سلوک ہی ایسا کیا تھا۔ حق چھنا۔ شوہر کے گلے میں رسی دیکھی دروازے پر آگ دیکھی محسن کی شہادت دیکھی رونے پر پابندی کے مطالبے سنے آخر امت کی جانب سے صبت علی مصائب کا مرثیہ لئے ہوئے یہ بی بی جس کی ماں کی دولت کے صدقے میں عرب مسلمان فقیروں کے فاقے ٹوٹے تھے اور جس کے شوہر کی ذوالفقار کے صدقے میں عرب کی بہو بیٹیوں کو بقول جناب عائشہ پیٹ بھر کر خرمے نصیب ہوئے تھے محروم میراث اپنے بابا کی خدمت میں پہونچ گئیں فاطمہ زہرا سے دشمنی کربلا کے بعد بھی ختم نہ ہوئی مسلمانوں نے قبر بتول کے نشان بھی مٹا دیئے پھر سوچو کافر کون؟

# امام دوئم حسن علیہ السلام صبر و استقلال کے کوہ گراں اور پیغمبر امن و صلح و آشتی اور حقوق بشریت کے نگہدار

آپ سورہ کوثر کی عملی تفسیر بنکر ۱۵ رمضان المبارک کو عالم نور سے مرکز فاطمہ میں جلوہ فگن ہوئے اسی لئے ہم شیعوں میں ۱۵ رمضان امام حسن علیہ السلام کی سالگرہ کا دن ہے قرآن اور امام حسن کا نزول ایک ہی ماہ میں ہوا۔ آپ کا اسم مبارک بحکم خدا رسول اکرم نے حسن تجویز کیا لعاب دہن رسالت پہلی غذا قرار پائی۔ آغوش تربیت فاطمہ اور استراحت کے لئے سینہ رسول جو علوم اولین و آخرین کا گنجینہ تھا قرار پایا۔ علی و بتول کے فرزند ارجمند اور رسول کے سبط اکبر نے نیمہ ماہ رمضان سنہ ۳ھ دنیا میں آنکھ کھولی آپ کی تربیت جس پاکیزہ ماحول میں ہوئی اور آپ کی نشوونما ایسی عصمت بھری چھاوں میں ہوئی کہ خلق خلوص۔ پاک نفسی اور مکارم اخلاق و اوصاف حمیدہ میں صورت و سیرت۔ شکل و شمائل میں مجسم رسول کا عکس کہلائے ایک عالم آپ کے فیوض و برکات اور عظمت کردار سے بہرہ مند ہوا۔ ہم گذشتہ اوراق میں بعد علی حسن مجتبی کی پاکیزہ زندگی اور آپ کی بصیرت افروز اقدامات پر سیر حاصل بحث کر آئے ہیں یہاں تو صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ ہمارے دوسرے امام سبط اکبر۔ معصوم عن الخطاء منتخب روزگاہ عالم علم لدنی۔ وارث ہدایت نبوت۔ پابند صوم و صلواۃ پا پیادہ حج کرنے کے عادی دستر خوان کے سخی۔ میدان شجاعت کے دھنی۔ جنگ صفین کے فاتح۔ فرزند ابو سفیان کے چہرے سے منافقت کی نقاب نوچنے والے۔ خون امت مسلمہ کی حرمت کے امین۔ معاویہ کی شرانگیزیوں کا قلم کی نوک اور بصیرت کی تلوار سے



قلع قمع کرنے والے مسلمانوں کے مسلم الثبوت پانچویں خلیفہ راشد ہیں جنہیں معاویہ کے اشارے پر زہر دے کر منافقین کی شہ پر نانا کے پہلو میں جگہ نہیں ملی آپ پہلے مظلوم و مسموم شہید ہیں جنکے جنازے کا استقبال تیروں سے کیا گیا اور اب مسمار جنت البقیع میں غریب ماں کا غریب بیٹا مسلمانوں کی شقاوت کے نتیجے میں آسودہ خاک ہے۔

پھر کافر کون؟

# امام سوئم۔ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام

ہجری اور قمری مہینوں کے درمیان ماہ شعبان ولادتوں اور بشارتوں کا مہینہ ہے اور دنیائے شیعیت میں ایک خاص پر مسرت پر شکوہ پر جلال اور عظیم و بزرگی کے اعتبار سے یاد کیا جاتا ہے ماہ شعبان جادہ اسلام کے محبوب رہنماوں کی پروقار اور ضمیر ساز میلادوں کی بشارتوں کا مہینہ ہے اسی مہینے کی تیسری تاریخ کو ہمارے تیسرے امام تاریخ اسلام کے حریت نواز شہید اعظم غارت گر یزیدت حضرت ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام زینت آرائے گیتی ہوئے اسی ماہ شعبان کی چوتھی تاریخ کو اسلام کے شجاع و دلیر و فداکار عبدالصالح حضرت باب الحوائج ابوالفضل العباس دعائے علی اور تمنائے بتول کے عین مطابق آغوش جناب فاطمہ کلابیہ (ام البنین) کے بطن اقدس سے قمر بنی ہاشم بنکر طلوع ہوئے اور اسی ماہ مقدس کی پانچویں تاریخ کو ایک روایت کیمطابق عالم شیعیت کے چوتھے امام حضرت علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی وجہ آفرین سالگرہ کا دن قرار پایا۔ امام حسین علیہ السلام معرکہ حق و باطل کے وہ فیصلہ کن موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔ اور ابوالفضل العباس امام حسین کے اس عظیم مبارزہ حق و باطل میں ہمدم ہم رزم ہم محاذ اور وفادار ساتھی اور اسلام کے دلیر ساونت اور شہنشاہ وفا جرنیل بھی ہیں یہ شرف صرف حضرت عباس کو حاصل ہے جو بیک وقت غازی بھی ہیں اور شہید بھی اور سید سجاد امام چہارم کربلا کے مقدس شہیدوں کے مقدس خون کی حرمت کے نگہبان اور شہیدان راہ خدا کی محنتوں کے پاکیزہ شجر کو بار آور کرنے والے اور تکمیل کی حد تک پہنچانے والے اور شہادت و قید و بند کے لائحہ عمل کے متمم بھی ہیں یعقوب کربلا صرف آپ کا لقب ہے!



# امام چہارم حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام

زہے نصیب ہمارا کہ ہمارے چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام ہیں جن کا اسم گرامی علی لقب سجاد۔ زین العابدین۔ عابد۔ زاہد۔ متقی پرہیزگار امام منصوص من اللہ عالم علم لدنی کاشف رموز ربانی حامل اسرار قرآنی وارث مسند نورانی صبرو علم و حکمت کا مرکز آپ نے انتہائی نامساعد اور شکستہ کر دینے والے حالات میں مرضی مولا کے لئے صبرو ضبط کے ہفت آسمان کو مسخر کیا جہاں ایوب علیہ السلام جیسے صابرین نے ادب سے جھک کر امامت کے اس درخشندہ ماہ تاب کو سلام کیا آپ ہی شجرہ سیادت کے مرکز و محور ہیں

۵ شعبان ہمارے اس ایوب کربلا چوتھے امام علی ابن الحسین کی سالگرہ کا دن ہے جو سنہ ۳۸ھ میں شہر مدینہ میں ظہور پذیر ہوئے امام سید الساجدین کی حیات مبارک کا زمانہ بھی دوسرے طاہر طیب اور منصوص من اللہ ائمہ معصومین کی حیات کی طرح ASS کے کینہ پرور اور دشمنان رسالت و اسلام کے بزرگوں کے ہاتھوں سخت ترین اور ہڈیاں چٹخانے والے پر آشوب دور میں گزرا آپ نے اپنے ستاون سالہ دور پر آشوب میں یزید ابن معاویہ۔ عبداللہ بن زبیر۔ مروان ابن الحکم جیسے مردود بارگاہ رسالت اور ولید بن عبدالملک جیسے شاتم قرآن ظالم و جابر و فاسق و فاجر حکمراں دیکھے جن سب کا تعلق کسی نہ کسی حوالے سے ہندہ جگر خوارہ اور ابوسفیان جیسے بدنصیب دشمن اسلام خاندان سے تھا یعنی یہ سب معاویہ و یزید کے جانشین تھے آپ کے کاندھوں پر گھٹیا ترین سیاست وحشی ترین ریاستی تشدد اور مکروہ ترین مطلق العنانیت کے درمیان احیائے دین پناہی و خیر خواہی مسلم بقائے قرآن و شریعت کی رہبری کا حساس ترین بوجھ تھا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقدس فریضے کے تحت

آپ پر بحیثیت وارث فرزند رسول عائد تھا اسی بناء پر آپ بنی امیہ کے سنگین اور طاقت کو گھٹا دینے والے جاسوسوں کے محاصرے میں ہمہ وقت رہے مگر علی کے بیٹے نے احقاق حق اور ابطال باطل کے مقدس فریضے سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹایا خون شہدائے کربلا کی نگہداری۔ مخدرات عصمت و طہارت کی پاسداری کربلا کی بیواؤں اور ان کے پسماندگان یتیم بچوں کی سرپرستی کرتے ہوئے کربلا کے خونی واقعہ کو یاد کر کے مسلسل چالیس برس تک اشک بار رہے اور اسی بے مثال و بے مثل عبادت گذاری اور انھیں اعصاب شکن حالات میں دعاؤں کی صورت میں اپنے معبود سے منزل شکر پر آہ و زاری دعاؤں کے سلیقے کے ذریعے اپنے پروردگار سے مدد اور استعانت طلب کرتے رہے خشیہ اللہ کے نمونے ایک شب ایک ہزار سجدے پا پیادہ حج اہل حرم کو تسلیاں اشاعت دین و مسائل شریعت کی ذمہ داریاں نبھا کر دعاؤں کا ایسا بے نظیر و بے مثال مجموعہ چھوڑ دیا جسے رہتی دنیا تک زبور آل محمد و انجیل اہل بیت کے نام سے یاد کیا جاتا رہے گا جو قرآن و نہج البلاغہ کے بعد کائنات الٰہی میں اپنی نوعیت کی افضل ترین کتاب ہے زہے نصیب ان عبادت گذار مومنین کا جو اس گراں قدر خزانہ علمی سے دعاؤں اور التجاؤں کے سلیقے سیکھ کر اپنی حاجات کی تکمیل کو یقینی بناتے ہیں چوتھے امام کے ہزاروں محیر العقول انقلابی اقدامات میں سے ایک ہی پر نظر عمیق بشرط انصاف ڈال لی جائے تو چوتھے معصوم کی حیات مبارک کے سارے نورانی خدوخال ابھر کر آ جاتے ہیں۔ لباس اسیری میں۔ قید و بند کی مصیبت و زنجیر و طوق و سلاسل کی گرانباری میں کربلا سے کوفہ۔ کوفہ سے شام۔ شام سے پھر کربلا اور کربلا سے مدینہ چودہ سو میل کا سفر وہ بھی علی و بتول کی جائیوں اور رسول اعظم کی وارثان آیات تطہیر بیبیوں کی بے پردگی تازیانوں کی بھرمار پتھروں کی بارش معصوم سکینہ کے زخمی رخساروں اور جلے کرتے کے ساتھ مسجد اموی میں یزید جیسے ملعون کے دربار میں پوری



متانت۔ علم۔ شجاعت۔ صداقت اور خطیب منبر سلونی کے لہجے میں خون حسین کو چمکاتا اور ظلم یزید کا پردہ چاک کرتا اور وہ بھی اس سج دھج کے ساتھ کہ قیامت تک نام یزید داخل دشنام ہو گیا امام سجاد کی بارگاہ قدس میں سجدہ تعظیمی ادا کرنے کے قابل ہے لاکھوں سلام اس ایوب کربلا پر جس کے لئے علامہ سیماب اکبر آبادی نے کہا تھا

سجاد اسیر ظلم ہوئے افسوس کسی نے یہ نہ کہا

یہ پاؤں ستون کعبہ ہیں زنجیر کے پہناتا ہے

سنہ ۹۵ ہجری میں ۳۰ برس تک اپنے مظلومان کربلا کا یہ عزادار امام بنی امیہ کے زہر سے شہید کیا گیا اور جنت البقیع میں محو استراحت ہے۔۔۔۔۔!

# امام پنجم محمد باقر علیہ السلام ۔ الملقب بہ باقر العلوم

## مشکلات علوم کے شگافتہ کرنے والے

دعائے ابراہیمی کا عظیم ثمر اصلاب طاہرہ سے ارحام مطہرہ کی طرف منتقل ہونے والا یہ نور محمدی جو سید الساجدین علیہ السلام کے معدن امامت کا گوہر آبدار بہ روایت ۳ صفر ۵۷ھ میں ظہور پذیر ہوا۔ اگرچہ آپ کی جشن ولادت کی تاریخ صحت و تحقیق کے اعتبار سے یکم رجب المرجب سنہ ۵۷ھ زیادہ شہرت رکھتی ہے آپ کی کنیت حضرت ابو جعفر محمد بن علی ہے آپ نے جب رخسار گیتی کو اپنے خاک قدم کے غازے سے رونق بخشی تو اس وقت دنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ تشنت علمی۔ جدوجہد فکری۔ ذوق و شوق تحصیل کسبی علمی و نظریاتی سے منور ہونا شروع ہوا تھا اور وقتی طور پر مسلمانوں میں ذوق علمی کے اثرات زور پکڑ رہے تھے تاکہ باطل قوتیں اسلام کو جاہلانہ دھمکیوں۔ آفتوں۔ باطل و ناروا تبلیغات سے مرعوب نہ کر سکیں۔ اس دور میں اسلام اپنی روز افزوں اشاعت علمی کے سبب متمدن و مہذب ملکوں کی فکری و سیاسی پناہ گاہ ہوگیا تھا ظاہر ہے علمی ارتقاء و عروج کے ایسے دور میں گوناگوں مسائل علمی ۔ سوالات و احتیاج طلب مسائل اور عوام الناس کے ناپختہ ذہنوں میں ابھرنے والے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے لئے وارث علم نبوت حامل حکمت ابو تراب قرآن ناطق کل شئی احصیناہ فی امام مبین کی مسند پر فائز امام پنجم حضرت ابو جعفر محمد بن علی علیہ السلام کے علاوہ اور کون لائق و فائق و سزاوار تھا جو تخم علوم و معرفت دینی و دنیوی کو شگافتہ کرکے اپنے جد علی ابن ابی طالب علیہ السلام دعوی سلونی پر مہر تصدیق



ثبت کرتا اس لئے آپ کو عالم اسلام میں تمام مسلمہ مکاتب فکر باقرالعلوم کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ سرکار باقرالعلوم علیہ السلام کی علمی اعتبار سے پرانقلاب حیات مبارک یوں بھی ائمہ معصومین علیہم السلام کے مقابلے میں منفرد ہے کہ آپ کے دور میں آل رسول کے مقدس خون پر رکھے ہوئے بنی امیہ کے تخت کے پائے اپنے عبرت ناک انجام کے قریب تھے ہندہ کے ملعون خاندان کے تاج لرز رہے تھے خون مصطفوی رنگ لا رہا تھا پروردگار کا قرآنی وعدہ پورا ہو رہا تھا کہ **و سیعلم الذین ظلمو ا ای منقلب ینقلبون**☆ لیکن بنی امیہ کے خونخوار بھیڑیئے اپنی مذبوحانہ حرکتوں کے ذریعے اپنی سلطنت کی کشتی کے آخری کنارے کو بچانے کے لئے تلوار سمیت ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور اپنے مذبح خانوں میں ہر اس علمی چراغ کو گل کرنا چاہتے تھے جو یہ آواز دیتا کہ

سقراط سمجھتے ہو ہمیں زہر پلا دو
ہم زلف سیاست کی گرہ کھول رہے ہیں

جو بھی یہ نعرہ مستانہ لگاتا۔

خسروں قلم یہاں کاشت نہیں کر سکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی

جو بھی باقرالعلوم کے آستانے پر سر جھکانے کی سعادت حاصل کرتا اسکی شمع حیات گل کردی جاتی یعنی ناکام ہوتی رہی پسرہندہ کے خلیفہ وارثوں کی جانب سے یہ کوشش ہوتی رہی کہ نورانی کی جانب کوئی رو گذر جانے نہ پائے مگر مشیئت تو فیصلہ کرچکی تھی کہ دین اسلام اور نور الہی اپنی حد کمال پر پہونچے اگرچہ ملحدین و کافرین آج کے ASS کی طرح کتنا ہی کیوں نہ چاہیں کہ اپنی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن یہ کام ان کی قوت سے کل بھی باہر تھا اور ان کی باقیات (ASS) کی قوت تحریر و تقریر سے آج بھی باہر ہے

اور آئندہ بھی ان کا چراغ حق کو بجھانے کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہی رہے گا تاوقتیکہ محمد مصطفیٰ کا حقیقی وارث امامت ابراہیمی اور نیابت مصطفوی کا آخری تاجدار یعنی ہمارے بارھویں امام عجل اللہ پردہ غیب سے ظہور نہ فرمائیں انشاء اللہ

کربلا کے واقعے کے وقت پانچویں امام کا سن مبارک ۴ سال کا تھا آپ نے مکمل بصیرت کے ساتھ کربلا کے خونی اور پرہول منظر کا مشاہدہ کیا پھر کربلا سے شام تک اپنی شیردل پھوپھی جناب زینب سلام اللہ علیہا کے یزید شکن خطبات بازاروں۔ درباروں اور تماشائیوں کے ہجوم میں علی کے لہجے میں علی کی ثانی زہرا بنی کی زبان حق ترجمان سے یزیدیت و آزاد کردہ غلاموں کا خاندان کے خلاف ابلتے ہوئے آتش فشاں کو بچشم خود ملاحظہ فرمایا۔ علاوہ ازیں کربلا سے شام تک کے سفر میں امام محمد باقر نے اپنے پدر عالیقدر حضرت سید سجاد کے خطبے اور ارشادات و پابہ زنجیر حالت میں سنے اور اسی وقت سے آپ نے شجاعت و حریت کا درس اور شہادت کا سبق حریت فکر جرات اظہار و اقرار اور قوت انکار کے ساتھ اپنے بزرگوں کے مکتب درس و حکمت سے لیا اور اس پر افتخار پرچم کو بھی علم و دانش کے پرچم کے ساتھ اپنے دوش مبارک پر بلند رکھا اور بنی امیہ و بنی عباس کے اقتدار کی سرکشی کے دوران آپ کو اس کا پورا پورا موقع ملا خاص طور پر روحانی سماحت و شجاعت کے ساتھ تاکہ کمتی علمی فکری انقلاب کے پرچم کو بھی عالم اسلام میں بلند کریں۔

امام کا عملی اور خود مختار دور امامت جو تقریباً ۱۸ سال قائم رہا آپ کے دور نور میں خاندان ابوسفیان کے پانچ بادشاہ بر سر اقتدار رہے (۱) ولید بن عبدالملک (۲) سلیمان بن عبدالملک (۳) عمر بن عبدالعزیز (۴) یزید بن عبدالملک اور (۵) ہشام بن عبدالملک مذکورہ بادشاہوں میں عمر بن عبدالعزیز نسبتاً عدالت خواہ شخص تھا باقی سب ستمگر فاسق و فاجر اور ظلم و وحشت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے والے تھے اور سب



کے سب پانچویں امام کے مقابلے میں برابر سخت گیر رویہ رکھنے والے تھے لیکن جرات و استقلال امام پنجم نے ان تمام تر سخت گیر حالات اور پرفتن دور کے باوجود تشریح و نشر و اشاعت علوم محمد و آل محمد کے لئے ایک عظیم بارگاہ کے قیام کی راہ ہموار کی اور اس دانش کدے سے عظیم اسکالر محمد بن مسلم۔ جابر بن یزید جعفی۔ زرارہ ابن اعین ان کے بھائی حمران کے علاوہ درجنوں دانشمند شاگرد تیار کئے جو آگے چل کر علوم و معرفت اسلام کے چاند ستارے کہلائے اگرچہ ہشام بن عبدالملک کو امام پنجم کی پیغمبرانہ بصیرت اور علوی حکمت نے کوئی گستاخانہ بہانا نہیں دیا تاہم وہ اپنے خبیث خلیط اور گندے خیالات کی وجہ سے بنی امیہ کی روایتی کینہ پروری کے سبب امام کی جانب سے اپنے دل کو صاف نہیں رکھ سکا اور اپنے پیشروں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے زہر دے کر امام پنجم حجۃ اللہ فی خلق اجمعین علیہ السلام کو اپنے راستے سے ہٹا دیا امام پنجم سنہ ۱۱۴ھ میں شدید مسمومیت کے عالم میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور جنت البقیع میں اپنی دادی معظمہ اور پدر بزرگوار کے پہلو میں آرام فرمایا امام محمد باقر نے جامعہ اسلامی میں ایک زبردست سنت علمی کی بنیاد رکھی اور توقع تھی کہ یہ عمارت اپنے عروج و تکامل کے انتہائی بلند مدارج طے کر سکے گی مگر امام کی شہادت سے اس علمی دانش کدے کو زبردست دھچکا لگا لیکن یہ مسلمانوں کی خوش بختی تھی کہ اس شدید علمی سوگ اور فکری پراگندگی کے عالم میں بھی امام پنجم کے فرزند جانشین امام جعفر صادق علیہ السلام نے جو اپنے پدر بزرگوار کی مسند علم اور مکتب دانش کی جگہ منصوص من اللہ کے بدرجہ اتم رونق و فائق تھے بلافصل اپنے پدر بزرگوار کی مسند علم اور مکتب دانش کی جگہ لے لی اور جامعہ اسلامی کا کام اپنے ذمے لیکر اگر پدر نتواند پسر تمام کند کے مصداق یہ مقدس فریضہ انجام دیا اور مسلسل جدوجہد اور ناقابل تھکن مساعی کے ذریعے امام پنجم علیہ السلام کے علمی فکری اور تعلیمی مشن کے شجر طیبہ کو

جسے بنی امیہ کی زہر آلود فضائیں خزاں نذر کرنا چاہتی تھیں شگوار اور پر بہار رکھا۔ اسی صدا بہار کا نام چمنستان علوم رسالت و شریعت کے منتہائے کمال کا نام فقہ اثنا عشری جعفریہ ہے! کہئے کہئے ہمیں برا کہئے!



# امام ششم صادق آل محمدؑ

## حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام دین و شریعت محمدی اور مذہب محمدؐ آل محمدؐ کے رئیس و بانی!

۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۲ھ فرزند امام پنجم باقر العلوم اور منصب امامت الیہ پر فائز الامام الصادق جعفر بن محمد کی پر انوار سالگرہ کا روز عالم افروز ہے آپ کی حیات مبارک کا دور بھی نافرمانی۔ سرکشی اور طغیان ملوکیت سے معمور اموی حکومت کے خاتمے اور عباسی خاندانی کی فاشسٹ حکومت کی ابتداء سے ہوا یعنی ظلم کا ایک انگارے اگلتا سورج جس نے چمنستان محمد و آل محمد کے علاوہ گلشن شریعت کی پتی پتی اور روش روش کو جھلسا کر رکھدیا تھا اپنا خون بھرا چہرہ لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا اور ظلم و عدوان و بغاوت و طغیان کا دوسرا ملعون آتش فشاں تاراجئ شریعت کے ملعون عزائم اور بربادی محمد و اہل بیت محمد کے مکروہ ارادوں کی آگ اگلنے لگا صرف چہرے اور خاندانی نسبتیں بدلیں عداوت۔ شقاوت۔ ظلم و جبر دشمن اسلام و شریعت اور فسق و فجور وہی رہے جو گذشتہ واصلان جہنم ورثے میں چھوڑ گئے تھے۔ مگر دو ظالم اور حریصان تخت حکومت گروہوں کے خونی تصادم نے جوہر زمین و زمان وارث علوم رسالت و حکمت علوی امام جعفر صادق کو وہ مہلت اور مواقع فراہم کردیئے کہ آپ مکتب رسالت کے بزرگ ترین مروج ہدایت بشریت اور اصلاح احوال مسلم کے مقدس فریضے میں مصروف ہوگئے اور پیغام خداوندی اور خلق خدا کے مقابلے میں

اسلام و امت مسلمہ کی حمایت میں اپنے وجدانی و انسانی وظیفہ کی انجام دہی میں منہمک ہوگئے وہ وظیفہ اشاعت علوم اسلامی جسکی پاداش میں امام کو اکثر و بیشتر ظالم حکمرانوں کی تعدی اور ظلم و ستم کے ساتھ وطن بدری اور طرح طرح کے زحمتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

جعفری دانش کدے (یونیورسٹی) کے موسس و بنیاد گزار۔ مدینہ منورہ میں ایک عظیم دانش کدے کی بنیاد تو امام عالیقدر کے والد ماجد امام محمد باقرؑ ہی ڈال گئے تھے مگر اسکی تکمیل اور تشکیل کو ہفت آسمان کی بلندیوں اور رفعتوں سے زیادہ بلند کرنے میں سرکار صادق آل محمد نے مکمل بصیرت امامت کے ساتھ جانفشانی اور عرق ریزی کا مظاہرہ کرکے احیائے دین اسلام کے اسباب پیدا کئے۔ امام صادق کی قائم کردہ یونیورسٹی سے مختلف بلاد اسلامیہ سے تشنگان علم تحصیل علم کے لئے آتے اور اس علمی چشمہ کوثر سے بقدر ظرف سیراب ہو کر جاتے علوم اسلامی کے گوناگوں شعبوں میں مشغول تعلیم و تعلم رہتے صرف فقہ و علوم معارف اسلامی سے متعلق کوفے کی مسجدوں میں چار ہزار سے زیادہ شاگردان امام خطبات و ارشادات معصوم سے استفادہ کرتے پھر ان پر تحقیق و جستجو کرتے تدقیق و بحث و تمحیص کرتے اور ان سب شاگردوں کی تحقیق جستجوئے علم کا سرچشمہ کمال اور منزل افتخار امام صادق کے پدر عالیمقام امام محمد باقر علیہ السلام کے فرمائے ہوئے علمی نکات اور فقہی توجیہات ہوتی تھی آپ ہی علم حدیث و روایت کے مختلف شعبوں کی بنیاد رکھنے والے ہیں جنکی علمی روشنی میں شیعیان حیدر کرار کو اور بالخصوص ان کے جلیل القدر علماء کو معرفت دین و شریعت اور علوم فقہ و اجتہاد میں ادراک کی بے مثل اور پر تمکین روشنی ملی چار ہزار طالبان علم نے ایک ہی وقت میں مختلف علوم و فنون میں سرکار صادق علیہ السلام سے دیگر علوم کے علاوہ خصوصاً۔ کسب علم و دانش اور نقل روایت میں درک حاصل کیا۔



حدیث و معارف اسلامی کے چار سو اصول جو ہماری چار معتبر کتابوں (کافی شیخ ابو جعفر کلینی۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ بابویہ جناب شیخ طوسی رحمتہ اللہ کی تہذیب الاحکام اور الاستبصار) کا واحد سرچشمہ ہیں اور یہ چار سو اصولوں پر مبنی خزانہ امام کے لائق اور با صلاحیت شاگردوں نے براہ راست امام جعفر صادق خزینہ علوم رسالت سے حاصل کیا۔ امام کے تربیتی مرکز میں ابان بن تغلب۔ محمد بن مسلم۔ زرارہ بن امین۔ ابوبصیر۔ حمران بن امین۔ محمد بن علی ابن طاق۔ ہشام بن سالم۔ ہشام بن حکم۔ کمیت بن یزید اسدی اور مفضل بن عمرو وغیرھم کے علاوہ سیکڑوں علم و معرفت سے لبریز افراد شامل ہیں جو آج کی متمدن۔ مہذب۔ ترقی یافتہ اور سائنسی دنیا کو بھی فیض امامت سے نسلاً بعد نسل فیضیاب کر رہے ہیں اس لئے کہ جابر ابن حیان جو علمی و سائنسی و کیمیائی بنیادیں قائم کرگئے آج کی ساری ایٹمک انرجی کی عمارت انہیں ستونوں پر قائم ہے۔ امام کے مذکورہ بالا مقرب ترین شاگردوں ابان بن تغلب نے تیس ہزار سے زیادہ حدیثیں اور محمد بن مسلم نے سولہ ہزار حدیثیں امام صادق سے اور تیس ہزار سے زائد حدیثیں آپ کے پدر بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کیں جیسے فزکس (علم اجسام علم خواص اجسام) طبی اور علم کلام میں جابر بن حیان ثقفی اور ہشام بن حکم جیسے لائق شاگردوں نے مذکورہ علوم سے ایک عالم کو منور اور مستفیض بھی کیا۔ امام صادق کے زمانے میں کفر و الحاد اور زندیقانہ عقائد کی بڑی دھوم تھی اور ان مذموم مگر لایعنی اور بے معنی نام نہاد فلسفہ دانوں اور بے علمی پر مبنی موشگافیوں نے عالم اسلام پر خاصے برے اثرات مرتب کر دیئے تھے۔ سارے عالم اسلام کے علماء ان کے مقابلے میں مہر سکوت لبوں پر لگائے بیٹھے تھے اس کفر و الحاد و زندیقیت کے پرچاروں میں چار افراد پیش پیش تھے مگر ہمارا سلام ہو فرزند مصطفیؐ پر جس کی علم و حکمت کے سرچشمے نے کفر و الحاد و زندیقیت پر تن تنہا سد سکندری قائم

کی اور ان چاروں ملحدین کے گمراہ کن شبہات کے منطقی اور دندان شکن جوابات نے الحاد و کفر کی موشگافیوں کی دھجیاں گردش دوراں کے حوالے کر کے احیائے دین کا از سر نو فریضہ ادا فرمایا امام ہر شخص کے استفسار اور ہر فرد کی بات کو نہایت سنجیدگی متانت اور غور کے ساتھ شرف سماعت عطا کرتے اس کے بعد اپنے واضح مدلل اور پر مغز خطبات پند و نصائح کے ذریعے سامنے والے کو لاجواب فرما دیتے۔ دھریوں کے نظریات کا حامل جو شخص بھی جناب کیخدمت میں حاضر ہوتا اور بحث و مباحثہ کرتا وہ آپکی علمی وجاہت اور منطقی انداز گفتگو سن کر بلا جبر و اکراہ و بہ رضاء و رغبت قلبی اپنی شکست اور حق و حقیقت کی فتحمندی کا اعتراف کرتا اور پھر امام کی دلکش و دل نشین تقریر کا شیفتہ ہو کر جاتا بنی امیہ کی فاسق و فاجر سلطنت کی چولیں جس زمانے میں ہل رہی تھیں اس زمانے میں امام نے موقع غنیمت جان کر آئین شریعت اسلام اور دین محمدی کی توضیحات کو عوام الناس میں از سر نو متعارف کرا کے احیائے دین اور پیروی قرآن و سنت رسول کی بنیاد ڈالی اور بنی امیہ کے دور میں اذہان مسلم پر فسق و فجور اور عقلی فتور کے جو دبیز پردے ڈال کر پیغمبرؐ خاتم کے لائے ہوئے دین حقیقی کو نظروں سے اوجھل کر دیا گیا تھا امام کی بصیرت و تدبیر نے ان دبیز پردوں کو چاک کر کے لوگوں کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ ملت مسلمہ نئے سرے سے حقیقی تعلیمات اسلام سے آشنا ہوئی اسی لئے آپ کو عوام الناس دین محمدی کا موسس اور بنیاد گذار جانتے ہیں آپ کی تعلیمات کو فقہ مالکی۔ حنفی۔ حنبلی و شافعی کی طرح نظریاتی طرز کے مطابق فقہ جعفری کے نام سے جانتے ہیں حالانکہ امام معصوم اولی الامر اولی بالتصرف منصوص من اللہ اور وارث مسند رسالت اور حجت خدا ہوتا ہے جو امر کرتا ہے فتویٰ نہیں دیتا یعنی ہمارے یہاں امام مجتہد نہیں ہوتا اور مجتہد امام نہیں ہو سکتا جبکہ مذکورہ بالا چاروں واجب الاحترام مکاتب فقہ کے امام اصطلاحی معنوں میں امام کہلائے ورنہ حقیقتاً" وہ



کی طرح باب اجتہاد بند نہیں کیا بارھویں امام منصوص من اللہ بقیۃ اللہ عجل اللہ فرجہ کی غیبت کبریٰ میں بحکم مشیت پردہ فرما جانے کے بعد مسائل کے حل کے لئے باب اجتہاد کھلا رکھنے کا حکم موجود ہے کیونکہ اسلام اور اس کی تعلیمات ازلی اور ابدی ہیں زمانے کے تغیرات کے ساتھ پیدا ہونے والے مسائل پر اگر اسلام کی زبان پر قفل رہے تو یہ نہ دین کامل ہو گا اور نہ ہی حجت! یہی وجہ ہے کہ بصیرت امام نے دروازہ اجتہاد کے ارتقائی تصور کو قائم رکھنے کے لئے کھلا رکھا تاکہ بعد میں پیدا ہونے والے ہر نظام حیات اور ہر ازم کا دندان شکن جواب دے کر غلبہ تعلیمات اسلامی کو دنیاوی نظاموں پر قائم رکھا جائے۔

صادق آل محمد کو اپنی زندگی کے آغاز ہی میں عظیم ابتلا اور تغیرات کا سامنا کرنا پڑا جنہوں نے حضرت کو آمادہ کیا کہ طاغوتی طاقتوں کے محلات کو منہدم کر کے عظمت توحید و رسالت کے کعبے کے مقدس ستونوں کو مضبوط کیا جائے منحرفین اسلام اور منکرین دین کا اصل مقصد یہ تھا کہ امامت معصوم کے سلسلے کو مختلف حیلوں بہانوں سے عوام الناس کی نظروں سے اوجھل کر دیا جائے اور معصوم سلسلہ امامت کے ان حقیقی پیروکاروں کو جادہ انقلاب و ارادہ سنت اسلامی سے ہٹا دیا جائے جو ملوکیت و حیات ملوک کے لئے خطرہ بنی ہوئی ہیں۔ مگر امام صادق کے اس مکتبی۔ درسی و علمی داشکدے کی ملوک شکن روشنی نے اس تاریکی کو ملیامیٹ کر دیا جو اسلام دشمن عناصر نے اہل حق کی نظر سے صراط مستقیم کو اوجھل کرنے کے لئے بچھائی تھی۔

ڈاکٹر خالد خفی قاہرہ کی خارجہ زبانوں کے کالج میں عربی ادب کے استاد اپنے اس مقدمہ میں جو کتاب الامام الصادق مواعد اسد حیدر علوم اسلامی کی تحقیق کر رہا ہوں مگر امام صادق علیہ السلام کی علمی شخصیت نے مجھے دین اسلام کے ہر معاملے میں سب سے زیادہ متاثر و متوجہ کیا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ آپ اپنے جد رسول اللہ سے لے کر

اپنے بابا محمد باقر تک علوم اسلامی کے بلا شرکت غیرے بانی و موسس ہیں اور آپ ان عظیم علمی رہنماؤں میں سے ہیں جو دانشمندان شیعہ و سنی کے درمیان علمی اعتبار سے چراغ ہدایت بنے رہیں گے یوں تو سینکڑوں حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں جو عالم اسلام اور دنیائے غیر اسلام نے امام کے تبحر علمی کو ہر دور میں خراج عقیدت پیش کیا ہے لیکن دنیائے اسلام کے عظیم مجتہد نعمان بن ثابت کا جنہیں دنیا امام اعظم کے لقب سے یاد کرتی ہے ایک جملہ ہی کافی ہے کہ میں نے امام صادق سے بڑھ کر کسی کو علوم اسلامی اور خصوص فقہ پر عالم دوراں نہیں پایا آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر دو برس امام صادق کی خدمت میں نہ گزارتا تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔

ابن ابی العوجا مشہور و مستند فلسفہ گو امام صادق کے بارے میں یوں رطب اللسان ہے کہ اگر روئے زمین پر کوئی روحانی و نورانی شخصیت شکل بشر میں ہیدا ہوئی تو وہ امام صادق کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

حسن بن شی مشہور اسلامی متکلم کہتا ہے کہ میں نے اسی مسجد کوفہ میں ۹۰۰ سے زیادہ فقہا اور استادوں کو یک زبان کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے یہ روایت اور یہ علم امام صادق سے لیا (مجالس سیدا مین ج ۵ ص ۲۰۵)

مولف کتاب قاموس الاعلام مستشرق سامی اپنی کتاب دائرہ المعارف کے ص ۴۳ پر رقمطراز ہیں کہ امام صادق شیعوں کے بارہ اماموں میں سے ایک ہیں جنگی والدہ ماجدہ جناب ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر ہیں آپ سنہ ۸۲ھ میں مدینہ منورہ میں موصوفہ کے بطن اقدس سے مثل آفتاب عالمتاب ہیدا ہوئے آپ امام باقر کے فرزند اکبر تھے علم و فضل میں یکتا تھے آپ کی جلسہ درس میں براہ راست امام ابو حنیفہ نے زانوئے ادب طے کیا۔

ابو مسلم خراسانی پہلے پہل نے حکومت آپ ہی کو پیش کرنا چاہی تھی جسے امام نے



قبول نہیں فرمایا۔

آپ کے فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں ۲۵ شوال سنہ ۱۳۸ھ میں ۶۵ برس کی عمر شریف میں بادشاہ ملعون کے ہاتھوں زہر دغا سے شہید کئے گئے۔ عباسی خلیفہ منصور دوانقی ملعون آپ کا قاتل تھا خدا اس پر ابدی و دائمی لعنت کرے جسکی مذموم و ملعونہ حرکت کی وجہ سے فقہ و شریعت مصطفیٰ کا حقیقی چراغ گل ہو گیا اور اسلام جو ملت واحدہ اور مسلم امہ کا پیغمبر امین بن کر آیا تھا LAWRANCE OF ARABIA کے جال میں پھنس کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔۔۔۔ انا للہ و انا الیہ راجعون خدا مسلمانوں کو از سر نو بادشاہت سے نفرت اور اسلام سے حقیقی محبت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

# امام ہفتم! سرکار باب الحوائج حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام

## علم و عمل کے کوہ گراں۔۔۔۔۔!

برج امامت کے ساتویں تاجدار اور سلسلہ نور نبوت کے ساتویں در بے بہا خانوادہ امام صادق کے خاندان علمی کے عظیم منارہ نور جنکا اسم گرامی موسیٰ بن جعفر لقب کاظم۔ باب الحوائج۔ اسیر بغداد غصہ کو ضبط کرنے والے اموی حکومت کی لرزتی ہوئی دیواروں کے دور میں عالم نور سے عالم بشریت میں رونق افروز ہوئے وہ مقام جہاں آنحضرت نے عرصہ حیات میں قدم رکھا وہ نبی کی والدہ گرامی جناب آمنہ خاتون کی آرام گاہ ہے جو "ابوا" کے نام سے مشہور ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سفر حج سے واپسی پر اسی مقام پر امام ہفتم کی ولادت ہوئی آپ کی والدہ گرامی کا اسم گرامی حمیدہ خاتون اندلسی تھا جو فضیلت تقویٰ و عصمت طہارت و شائستگی میں بے نظیر تھیں اس نومولود کے لئے بہ الہام الہی بمطابق پیش گوئی نبی کریم جو نام تجویز ہوا وہ موسیٰ تھا۔ اس نام کی خصوصیت یہ ہے کہ خاندان رسالتمآب میں موسیٰ نام سے منسوب کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ اکثر مورخین کے نزدیک امام کی تاریخ ولادت ۷ صفر سنہ ۱۲۸ھ ہے۔ آپ کی تربیت اپنے معصوم والد بزرگوار کی زیر نگرانی ہوئی اور بیس سال تک اپنے پدر عالی قدر کے سایہ عاطفت میں رہے اور آپ کے علمی دانشکدے کے فیوض و برکات سے مسلمان دنیا کا ایک بڑا حصہ بہرمند ہو رہا تھا آپ جانشین امامت جعفریہ کے طور پر علمی تکامل کے مرحلے طے کرتے رہے آپ میں اپنے معصوم آباء و اجداد علیہم السلام کے تمام جواہر بدرجہ اتم موجود تھے مگر آپ کی تلاوت قرآن مجید خانوادہ رسالت میں



بہت دلنشین دل پذیر اور پر تاثیر مانی گئی آپ نے اپنے لباس ظاہری کے نتیجے میں موٹے کھدر کا معمولی لباس زیب تن فرماتے جبکہ آپ کے جسم اقدس کا اوپری لباس عمدہ نفیس اور قیمتی ہوتا تھا اور آپ اپنے فرزندوں کو بھی خوش پوشاکی کی ہدایت فرمایا کرتے تھے اس خوش پوشاکی کے ثبوت میں اس آیہ مبارکہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ کہو اے رسول کسی شخص اور کسی دستور نے لوگوں پر خوشنما لباس اور عمدہ و لذیذ مگر طیب غذائیں لوگوں پر حرام کر رکھی ہیں۔ سرکار باب الحوائج علیہ السلام کی زندگی کا بیشتر حصہ عباسی ظالم حکمرانوں کی قید و بند میں گذارا مگر قید خانوں میں بھی آپ کی عبادت کا خضوع و خشوع تضرع و زاری اور طولانی سجدوں نے عباسی سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں ابتلاء و مصائب کے اعصاب شکن ماحول ارادہ و عزم کے اس کوہ گراں کو جادہ مستقیم اور ارادہ انقلاب مصطفیٰ کی راہ سے ایک انچ نہیں ہٹا سکتے ظلم سلطنت صبر فرزند رسول کی سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا مگر سرکار اسیر بغداد آج بھی تاریخ اسلام کے افق پر آفتاب ہدایت اور ماہتاب معرفت بنکر کبھی غروب نہ ہونے کی قسم کھائے ہوئے چمک رہے ہیں کچھ تو دشمنوں کی تاریخی بددیانتی اور کچھ ہمارے کم علم ذاکرین کی سستی نے امام ہفتم کو صرف ظلم و جور شقاوت کے مقابلے میں صبر و استقامت کا کوہ گراں ثابت کرنے پر ہی اکتفا کیا حالانکہ امام ہفتم ظلم و عدوان و فسق و فجور کے خلاف مبارزہ کرنے والے ایک دلیر نڈر اور ارادہ محکم و عزم راسخ رکھنے والے بت شکن مرد شجاع اور وارث شجاعت حیدری تھے ہمارے اس باب کے ہیرو رہنما دوسری صدی ہجری میں علم و معرفت کے قائد اعظم اور اسلام کی علمی و فکری بیداری کی شمع کو لو دینے والوں کے قافلے کے سردار تھے جنہوں نے امام صادق کے بعد اسی درسگاہ اسلامی کو جو برسوں پہلے مدینے میں قائم ہو چکی تھی علمی و فکری ہدایت و ارشاد و رہبری کو اپنی جامع علمی شخصیت کے حصار میں لیا اور اپنے پدر بزرگوار کی

طرح اللہ کی طرف سے عطا کردہ اپنے Mendate (مینڈیٹ) کی تکمیل میں مصروف ہو گئے علماء محدثین و مفسرین کی ایک کثیر جماعت نے آپکے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ایک وسیع اور بے حد مشہور علمی دانشگاہ کو جسمیں اطراف عالم سے آئے ہوئے سینکڑوں علوم کے ہزاروں طلاب علوم موجود ہوں بطریق احسن چلانا قائم رکھنا اور ہر مضمون کے طالب علم کو علم لدنی کی وراثتی آبشاروں سے سیراب کرنا کسی بشر کی بات نہیں یہ خیرالبشر۔ سید البشر۔ اور شہر علم و باب علم کے وارث ہی کا حصہ ہے ہمارے امام ہفتم علیہ السلام اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی طرح ان عظیم ترین پیشواوں میں سے تھے جنکو ظالم عباسی بادشاہ ہارون رشید کی غلیظ اور بے ڈھنگی سیاست کے مقابلے میں لفظ "نہ" کہنے اور اس دو حرفی لفظ "نہ" کے نتیجے میں مسلسل چودہ برس تک جسمیں انتہائی مختصر دور آزادی نصیب ہوا بصرہ۔ کوفہ اور بغداد کے تنگ و تاریک قید خانوں میں رسم سید سجاد نبھانا پڑی اور آخر زندان کوفہ میں عباسی قاتل بادشاہ کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمانا پڑا لیکن ثابت قدمی اولوالعزی استقامت و پابندی رزمندگی کا جو مظاہرہ امام بن امام نے فریب کاری کے مقابلے میں کیا وہ قیامت تک انسانی شہ رگ میں بیداری ضمیر کی علامت بن کر دوڑتا رہے گا ۲۵ رجب اس رجل ابن رجل کی تاریخ شہادت ہے جس نے اپنے زمانے کی جابر و فاسق حکومت کے سامنے نہیں کہا اور اس بلند منزل پر فائز ہو گئے جو خاندان رسالت کا ورثہ تھی۔



# امام علی بن موسیٰ الرضاء علیہ السلام توحید کے سب سے بڑے مبلغ اور رضائے حق کے سب سے عظیم پیکر!

امام علی رضاء بن موسیٰ ابن جعفر ۱۱ ذی قعدہ اسلام کے آٹھویں برحق معصوم امام کی سالگرہ کا دن ہے اور ہمارے چودہ معصومین علیہم السلام میں امام ہشتم اس اعتبار سے منفرد و ممتاز ہیں کہ ان کے وجود ذی جود نے سرزمین عرب سے نکل کر ایران کی دھرتی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا اسے اپنی آخری آرام گاہ قرار دیا۔ امام رضاء علیہ السلام سنہ ۱۴۸ھ میں اپنے جد بزرگوار امام جعفر صادق کی رحلت کے ٹھیک ۱۹ دن بعد زینت آرائے گیتی ہوئے اور دنیائے علم و معرفت اور گیتی فضیلت و تقویٰ کو اپنی قدم مبارک سے افتخار بخشا آپ کی زندگی اور امامت کا زمانہ فقط بیس سال ہے جسے علوم و افکار و عقائد کے ٹکراو ان کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے اور یونان و اسکندریہ کی تصنیفات و معارف کے عربی زبان میں ترجمے کا دور کہا جاتا ہے طرح طرح کے نظریات اسلامی ماحول کو آلودہ کر رہے تھے اس علمی کج بحثی کے دور میں طالبان علم متلاشیان حق کے لئے واحد آستانہ سرکار رضا علیہ السلام کا تھا جو انھیں صراط مستقیم پر مستقیم رکھتا تھا مختلف مذاہب کے علماء سے آپ کے علمی مباحثے تاریخ کا اہم ترین باب ہیں امام کے دور میں عیسائیوں۔ راہبوں۔ یہودیوں۔ دہریوں۔ زندیقیوں اور بے دینوں کے ساتھ علمی مجادلے اور بحث و تمحیص کے واقعات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر صاحب انصاف شخص امام کے تبحر علمی اور مقام ہدایت و منصب امامت الیہ کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

نیشا پور ایک قابل توجہ علمی جہت کا حامل تھا امام رضا طوس جاتے ہوئے ایک روز جب اس مقام سے گذرے تو یہاں کے ہزاروں علما نے بعد استقبال عقیدت آپ سے درخواست کی کہ حضرت اپنے جد بزرگوار کی کوئی حدیث اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائیں حضرت نے رخ روشن سے نقاب اٹھائی چہرہ پر نور دیکھا تو ہر طبقہ فکر کے علماء پر سکوت طاری ہو گیا اس موقعے پر حضور نے وہ حدیث جو حدیث ذھب کے نام سے مشہور ہے بیان فرمائی جس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد توحیدی جہاں بینی پر رکھی گئی ہے کلمہ توحید ایک مستحکم الہی قلعہ ہے جو اس قلعہ میں داخل ہو گا وہ نجات پائیگا امام نے یہ حدیث فرما کر کچھ دیر توقف فرمایا پھر تھوڑی دیر بعد ہودج سے رخ انوار نکال کریوں گوہر فشاں ہونے لگے و لکن بشر وطھا و شر وطھا و انا شر وطھا لیکن ایک شرط اور کچھ شرائط کے ساتھ اور میں (یعنی اقرار امامت منصوص من اللہ از امام اول تا امام آخر عجل اللہ) بھی ان شرائط میں سے ایک ہوں اسکے اقرار کے بغیر خالی اقرار توحید وجہ نجات نہیں بن سکتا۔ امام رضا بہت سادہ طرز زندگی اختیار فرماتے تھے آپ شاد ہوتے تھے اس عالم میں کہ اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر کھانا تناول فرمائیں۔ ولی عہدی کے دور میں بعض مفسدین و حاسدین نے بادشاہ کی طرف سے آپ کو جسارت تاکید کرانا چاہی کہ اپنے بلند مرتبہ کے پیش نگاہ غلاموں اور خدمتگاروں کے ہمراہ کھانا تناول نہ فرمائیں مگر انسان ساز اور تمیز بندہ و آقا کو تقوے کی کسوٹی پر پرکھنے والے امام برحق نے اسے حقارت سے مسترد کر دیا۔

امام رضا علیہ السلام کی ہزاروں حدیثوں اور درہائے کلمات طیبہ میں مشہور حدیث وہی حدیث ذھب ہے جسکا تذکرہ ہم گذشتہ اوراق میں کر آئے ہیں صرف اسکی وجہ عرض کر دیں کہ اس حدیث کو حدیث ذھب کیوں کہا جاتا ہے اس لئے کہ ۲۷ ہزار موجود علماء محدثین نے براہ راست زبان امامت سے سنکر اس حدیث کو موقعے پر قلم



بند کیا اور اس کا نام سلسلہ ذہب رکھنے کا سبب یہ ہے کہ حدیث امام کے اباء و اجداد طاہرین سے گزرتی ہوئی جبرئیل امین تک پہونچی ہے اور جبرئیل نے زبان قدرت سے ایسے سنا جیسے حضرت نے بیان فرمایا۔ اپنی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں ایک روز آپ نے نماز ظہر بجا لانے کے بعد اپنے خادم خاص یاسر کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تمام خادموں اور غلاموں نے کھانا کھا لیا غلام نے کہا سرکار ایسے عالم میں آپ کی طبیعت ناساز ہے کس نمک خوار کا جی چاہے گا کھانے کو۔ آپ کے غلام پرور دل نے گوارا نہیں کیا کہ غلام آپ کی محبت میں بھوکے رہیں آپ نے انتہائی ناطاقتی کے باوجود دستر خوان بچھانے کا حکم دیا اور اپنے بستر کے کنارے پر بیٹھ کر غلاموں اور خدمتگاروں کے ساتھ کھانا کھایا تاکہ وہ شکم سیر ہو جائیں اسے کہتے ہیں امامت ایسے اور وراثت شرافت خون ابو طالب علیہ السلام۔ اس حلیم الطبع اور سلیم الخصلت امام السلطان العرب و العجم شاہ خراسان امام ابن امام ابن امام الاخر ابن رسول کو مامون رشید نے ۱۷ صفر سنہ ۲۰۳ھ میں زہر سے شہید کیا۔ وقت شہادت آپ کا سن مبارک ۵۳ برس تین ماہ اور انیس روز تھا مقام شہادت ارض طوس قرار پائی چالاک اور عیار قاتل گریبان چاک کر کے جنازہ امام پر حاضر ہوا اور گریہ کے آنسو بہانے لگا مگر مصنوعی آنسو خشک ہو گیا تو قاتل کے دامن میں جذب ہو جاتے ہیں یا زمین میں مل جاتے ہیں مگر خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائیگا مامون بہت شیون و زاری کا ڈرامہ رچاتا رہا لیکن بقول کے

قاتل نے کس صفائی سے دھوئی ہے آستین<br>
اسکو خبر نہیں کہ لہو بولتا بھی ہے

اور پھر لہو بھی وہ جو خون رسول و علی و بتول کے مقدس آمیزے سے تیار ہوا ہو یہ خون تو اگرچہ ۶ ماہ کے اصغر کا بھی ہو تو آسمان و زمین اس خون کی پاکیزگی اور تقدس کی

تاب نہیں لا سکتے سلاطین بنی امیہ و عباسیہ کے قاتل بادشاہوں کے مکروہ و ملعون وکلائے صفائی کہاں تک خاندان رسالت کے گیارہ معصوم اماموں اور ایک معصومہ جگر گوشہ رسالت کے مقدس خون کی حرمت کو ضائع کرنے اور قاتلوں کو دریدہ دہنی اور خطائے اجتہادی کی ملعون اصطلاح میں چھپائیں گے اور آخر ان کا آخری وارث قاتلوں سے اپنے اب و جد کا حساب لے ہی لے گا۔



# نویں امام محمد تقی الجواد علیہ السلام

## ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

## کی ”عملی تفسیر“

عبادت الہی۔ اطاعت پروردگار اور رحمتوں و برکتوں کا مقدس۔ معطر اور عمیم ایمان و ایقان سے چھلکتا ہوا ماہ مبارک رجب سنہ ۹۵ ھ قمری اقتدار و افکار کی دسویں پر بہار منزل پر تھا کہ سید الامام تقی جمعہ المبارک کی مسعود ترین ساعت میں شہنشاہ عرب و العجم سلطان خراسان کی عصمت سرا میں خاندان رسالتماب کے نویں آفتاب ہدایت و رشد نے اپنے ذی وقار وجود کی کرنیں بکھیریں۔ اب برج امامت کے نویں درخشاں ستارے اور آسمان ہدایت و طہارت کے گیارویں تاجدار ہیں آپ وارث مسند امام رضا علیہ السلام قرار پائے معصوم امام نے معصوم وارث و جانشین اور فرزند بزرگ کا نام نامی اپنے جد اعلیٰ اور دیگر اجداد کیطرح محمد رکھا اس کے بعد اپنے غیر معمولی زہد و تقوی خضوع و خشوع الہی خشیہ اللہ کی بنا پر تقی و جواد کے لقب سے ملقب ہوئے۔ آپ کی عصمت ماب اور بافضیلت مادر گرامی کا اسم مقدس سیکہ خاتون یا خیزران تھا جو مصری خاتون تھیں امام تقی جواد فضیلت و تقوی کے لحاظ سے اس منتہائے کمال پر تھے کہ آپ کے معصوم اجداد نے اکثر اپنے دوستوں میں سے ایک کو یہ وصیت بھی کی تھی اگر تم ہمارے تقی جواد معصوم بیٹے کا زمانہ پاؤ تو اسے ہمارا سلام کہہ دینا۔ سرکار تقی جواد ابھی اپنی پاکیزہ حیات مبارک کی پانچویں عصمت ماب بہار میں تھے کہ آپ کے پدر بزرگوار امام رضا مدینہ سے عازم سفر ایران ہوئے سنہ ۲۰۳ھ میں شہنشاہ

خراسان نے عباسی ملعون بادشاہ کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا تو ظاہر ہے کہ ہمارے ممدوح امام تقی علیہ السلام پر بار امامت اور ہدایت امت کی عظیم ذمہ داریاں صرف سات برس کے سن شریف میں آ گئیں۔ ہمارے نزدیک یہ امر مشیت الٰہی و مرضی پروردگار سے بعید نہیں ہے کہ ایک سات برس کا طفل معصوم ہدایت خلق کے منصب پر کیسے فائز ہو سکتا ہے اس لئے کہ اگر خدا حضرت یحییٰ اور جناب عیسیٰ کو عالم طفلی میں پیغمبرانہ مناصب عطا فرما سکتا ہے تو امام کا ساتویں برس میں حجۃ اللہ و امام خلق کے منصب پر فائز ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ اس لئے شیعان حیدر کرار کے نزدیک آپکی امامت حیات مبارک کا آغاز یکم ربیع الاول سنہ ۲۰۳ھ سے ہوا اور اکثر مورخین کے نزدیک سترہ برس تک آپ علوم و معرفت شریعت محمدی کی نشر و اشاعت میں اپنے آباو اجداد کی طرح مصروف رہے۔ عرب ثقافت اور مزاج میں یہ بات رچی بسی ہوئی تھی کہ مولود کے اصل نام کے علاوہ سن شعور تک پہنچنے کے بعد جس جس وصف حسنہ کا ظہور سیرت مولود سے ہوتا رہتا تھا اور سیرت کا وہ جوہر جوں جوں نکھرتا جاتا تھا نام کے ساتھ القاب میں اضافہ ہوتا جاتا تھا یوں ہمارے ہر معصوم امام کے اسمائے گرامی کے علاوہ سینکڑوں القابات ان کے صفات ظاہری و باطنی کی اعتبار سے مشہور ہوتے رہے اور ہر بہترین صفت اعلیٰ ترین لقب کا موجب ٹھہری لیکن سرکار تقی جواد کے چار لقب خاص طور پر اور بجا طور پر مشہور اور زباں زد خاص و عام ہوئے

(۱) جواد:۔ یہ ایسا کلمہ ہے جو لفظ جود سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں بخشنے والا۔ بخشش کرنے والا اور فی سبیل اللہ ایثار کرنے والا۔ صاحب کشف الغمہ لکھتے ہیں کہ امام جواد بخشش کرنے والوں کے سردار سخاوت و کرامت کے مصداق ہیں اور اس صفت میں آپ افضل زمانہ تھے۔

(۲) تقی:۔ یہ لفظ تقویٰ سے لیا گیا ہے۔ جو اپنے معنی کے لحاظ سے گمدار امر مشیت



الٰہی پرہیزگار اور راہ اصلاح و صراط ہدایت کے منارہ نور کے ہیں۔

(۳) مرتضیٰ:۔ یوں تو ہمارے چودہ کے چودہ معصوم مصطفیٰ۔ مرتضیٰ۔ مجتبیٰ تھے کیونکہ ان سے کے معنی اللہ کا منتخب کردہ۔ چنا ہوا۔ باعظمت۔ یکتائے روزگار۔ یگانہ زمانہ مگر علی مرتضیٰ کے بعد یہ لقب الجناب کو بھی زیب دیتا ہے کیونکہ آپ اپنی زمانے میں اپنے پاکیزہ معصوم اب و جد کیطرح علم۔ حلم۔ جود۔ سخا۔ عبادت و ریاضت۔ عصمت۔ طہارت اور امامت میں منتخب روزگار تھے اور کسی بھی صفت میں آپ کا کوئی مثل و مثیل نہ تھا۔

(۴) قانع:۔ یہ کلمہ قناعت توکل اور استغناء پر دلالت کرتا ہے اور چونکہ آپ مرضی الٰہی اور مشیت پروردگار پر ہر لمحہ توکل اور کامل بھروسہ رکھنے والے تھے انتہائی شدید مصائب و آلام کے عالم میں بھی جو عباسی ملاعین بادشاہوں کی طاغوتی طاقتوں کی جانب سے اعلائے کلمہ الحق کی پاداش میں آپ کو برداشت کرنے پڑے آپ نے بڑے حوصلے جرات اور اپنی اب و جد کی مکمل سیرت پر عمل پیرا ہو کر ان ظالم بادشاہوں کی خباثت و ظلم و عدوان کا مقابلہ کیا مصائب پر صابر نہیں شاکر رہا کرتے تھے اس لئے کہ صبر مصیبت پر ہوتا ہے اور شکر نعمت پر آپ مصائب پر شکر پروردگار کیا کرتے تھے کہ اس نے آپ کو ایسے امتحان کے لئے منتخب بھی کیا اور ثابت قدم بھی رکھا۔ علامہ سبط ابن جوزی کتاب التذکرہ میں رقم طراز ہیں کہ امام تقی علیہ السلام نے سنہ ۱۹۵ میں عرصہ حیات میں قدم رکھا سات برس کی عمر شریف میں امامت کے منصب پر عملی طور پر اپنے بابا امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے فوراً بعد فائز ہوئے سنہ ۲۲۰ھ میں عباسی بادشاہ کے ہاتھوں صرف ۲۵ برس کے سن مبارک میں عالم جاودانی کی طرف مراجعت فرمائی آپ کی شہادت بغداد میں ہوئی جو عباسی ملعون سلطنت کا پایہ تخت تھا اور اپنے معصوم جد بزرگوار امام موسیٰ بن جعفر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

علامہ ابن صباغ مالکی حضرت کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ سنہ ۱۹۵ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپ حسب و نسب کے اعتبار سے کائنات الٰہی میں عظیم ترین اور مقدس ترین خانوادہ عصمت و طہارت سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ آپ فرزند علی ابن موسیٰ کاظم ابن جعفر ابن محمد باقر ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام ہیں۔ آپ کی مدینہ بدری اور بغداد لائے جانے کا سبب عباسی ملعون بادشاہ معتصم تھا آپ اپنی اہلیہ ام الفضل بنت مامون کے ہمراہ بغداد تشریف لائے وہ محرم سنہ ۲۲۰ھ کی ۲۸ تاریخ تھی جب وارد بغداد ہوئے اور اسی سال ماہ ذی قعدہ کے آخر میں آپ کو معتصم بادشاہ عباسی نے زہر دیکر شہید کرایا یاد رہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے ظالم بادشاہ گیارہ معصوم وارثوں کے قاتل ہیں جو تاریخ اسلام کی پیشانی پر ایسا بدنما داغ ہیں جنہیں تاویل کے کسی پردے میں چھپایا نہیں جا سکتا۔ یاد رہے کہ امام جواد علیہ السلام وہ معصوم مسموم شہید ہیں جنھوں نے عین عالم شباب یعنی صرف پچیس برس کی عمر پائی مگر یہ پچیس برس احیائے علوم اسلامی اور نشر و اشاعت شریعت مصطفوی کی دائمی پاسداری اور امت مسلمہ کے عقائد و اعمال کی درستگی کا سنگ میل ثابت ہوئے۔



## دسویں حجت الٰہی

## "امام علی نقی علیہ السلام"

چمنستان ولایت و بوستان امامت کے دسویں صدا بہار گل عصمت و طہارت اور سلسلہ ذہب شجرہ طیبہ کے بارہویں نہال ہدایت نویں امام کے پہلے فرزند و جانشین امام علی الملقب بہ نقی علیہ السلام شہر مدینہ کے مقام صریا میں سنہ ۲۱۲ھ میں ظہور فرماتے ہیں۔ آپ کے پدر معصوم نے اپنے جد علی کے نام پر نومولود کا نام علی رکھا اور کنیت بھی ابو الحسن ابو تراب اور ابو الحسن ثانی امام رضا علیہ السلام کی مناسبت سے ابوالحسن ہی قائم ہوئی۔ ابن الرضا آپ کا اور آپ کے بعد آنیوالے آئمہ معصومین کا پسندیدہ اور درخشاں لقب تھا جو آپ کے درجنوں اعلیٰ ترین القابات میں آپ کے نزدیک محبوب تر تھا آپ کے دیگر القاب ہادی۔ ناصح۔ عالم۔ فقیہ۔ متین۔ امین۔ عسکری۔ دلیل۔ حجت۔ برہان فتاح۔ متوکل و مرتضیٰ تھے۔ شیعان علی آپ کو آپ کے مشہور ترین لقب ہادی کے نام سے کثرت سے یاد کرتے ہیں آپ نے اپنے پدر عالی قدر کے سایہ عاطفت و آغوش تربیت میں ۷ برس بسر کیے اور ان کی شہادت کے بعد آپ احیائے دین اسلام کے آفتاب بن کر مطلع انسانیت پر ہویدا ہوئے اور عالم اسلام کے علمی۔ عقائدی اور فقہی مشکلات کو اپنی خاندانی علمی بصیرت سے حل فرمایا کرتے تھے آپ کا زمانہ حیات و امامت بھی آپ کے معصوم بزرگوں کی طرح سیاسی و علمی اعتبار سے ابھاو تشویش اور اضطراب کا زمانہ تھا۔ آپ کے زمانے میں خاندان مصطفوی سے عباسی خلفاء کی دشمنیاں اور ایذا رسانیاں اپنے عروج پر تھیں صرف خاندان رسالت پر ہی ریاستی تشدد نہیں تھا بلکہ شیعان علی اور دوست داران اہل بیت پر بھی عباسی

سلاطین کے مظالم اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ کیونکہ خاندان رسالتمآب کے افراد اور آپ کے طرف دار ظلم و اضطراب اور ظلم و عدوان و سرکشی سے زیربار زندگی پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ اس زمانہ میں عباسی سلاطین کی سرتوڑ اور مکروہ ترین کوشش تھی کہ خاندان علی کو ظلم و ستم کی چکی میں پیس کر انہیں جادہ حق سے ہٹا دیں یا ان کے حالات سے بلند حوصلوں کو شکست دیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ امام علی نقی کے دور مبارک میں ملعون ترین بادشاہ متوکل جو دشمنی خاندان رسالت میں پوری عباسی سلطنت کے خلفاء کو پیچھے چھوڑ گیا، اپنے دونوں بیٹوں کے معلم ابن سکیت کی زبان صرف اس جرم میں کھچوا دیتا ہے کہ وہ دوست دار اہل بیت تھا ایک ابن سکیت کیا پورے دور خلفاء عباسیہ میں ہزاروں ایسی پاکیزہ اور حق گو زبانیں گدیوں سے کھینچ لی گئیں جن پر علی مرتضیٰ کا نام عزت و حرمت کے ساتھ آیا خیرالدین زرکلی صاحب کتاب الاعلام لکھتے ہیں کہ ملعون متوکل عباسی خلیفہ کا دربار ایسے چغلخوروں اور دین فروشوں سے بھرا پڑا تھا جو ہمہ وقت تقرب شاہی اور حرص خلعت فاخرہ میں امام عالی مقام پر بہتان طرازی کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ اس ظالم بادشاہ نے Investigation ایجنسیوں کے ذریعے امام کو مدینے سے سامرہ بلوایا اور آپ کو House Arrest کرکے اپنے جاسوس مقرر کر دیئے۔ کہ وہ تحقیق کریں اور کچھ عرصہ بعد اس مکان کی تلاشی لیں جس میں امام نظربندی کی اذیت ناک زندگی گذار رہے ہیں حکم حاکم کی تعمیل ضمیر فروش غمخواروں کے ذریعے ہوئی مگر قدرت خدا سے متوکل کے جاسوسوں کو اس وقت سخت مایوسی ہوئی جب بیت الشرف سے امامت سے کوئی بھی ایسی دستاویز یا ثبوت مہیا نہیں ہوا جو متوکل کے چغل خور درباری ملاؤں کے جھوٹ کو سچ میں بدل سکتا بقول ابن کثیر البدایہ و النہایہ امام علی نقی نے بیس برس سامرہ میں قیام فرمایا امام عالی مقام کی شہادت بھی سنہ 245ھ میں واقع ہوئی جبکہ آپ



کا سن شریف 42 برس تھا۔ اور سبب شہادت وہ زہر تھا جو عباسی ملعون خلیفہ "المعتز" کے حکم سے دیا گیا۔ آپ کی شہادت پر شہر سامرہ ماتم کدہ بن گیا اور عوام نے ریاستی غیظ و غضب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس سال کا نام سیرت پیغمبر اسلام علیہ السلام پر عمل کرتے ہوئے عام الحزن یعنی غم کا سال رکھ دیا۔ یاد رہے کہ محسن رسالت پدر عالیقدر کل ایمان حضرت ابوطالب علیہ السلام اور محسنہ اسلام رسالت ام المومنین ام الائمہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کی رحلت پر سرکار دوعالم نے پورے سال غم منایا اور تمام صحابہ کرام سے ان دونوں ہستیوں کا غم منوایا اور ان کے سال وفات کو عام الحزن قرار دیا جو متفق علیہ ہے یہ پہلی اسلامی عزاداری تھی جو شریعت آخر کے تاجدار کے حکم سے حضرت ابو طالب اور جناب خدیجہ الکبریٰ کے سانحہ ارتحال پر منائی گئی۔ بہرحال امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے خاندانی دستور اور مرضی الٰہی کے مطابق شہادت سے ذرا قبل نور عصمت امامت ۔ شمشیر حیدری اور امانات پیغمبری اپنے معصوم نور چشم گیارویں امام حضرت حسن عسکری کے سپرد کیں اور بحکم خدا و بہ نص رسول الجناب کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

# گیارہویں امام حسن عسکری علیہ السلام

## حامل نور بقیۃ اللہ عجل اللہ فرجہ

یہ ہمارے وہ عالیقدر امام معصوم ہیں جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات اور گھٹن کے ماحول میں خود سر بے دین سرکش اور قرآن و سنت رسول کے باغی حکمرانوں کے سامنے بڑی جرات و استقلال کے ساتھ "نہیں" کہا اور ظالم حکمرانوں کے عقوبت خانے ان کے مظالم اور ان کے اعصاب شکن اقدامات فرزند مصطفیٰ کے حوصلوں اور جرات اعلان امربالمعروف و نہی عن المنکر کو شکست نہ دے سکے آٹھویں ربیع الاول یا 8 یا 10 ربیع الثانی شیعان عالم کے گیارویں معصوم امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام کے ظہور کا دن ہے۔ امام علیہ السلام تاریخ اسلام کے سخت ترین دور زباں بندی و سخت گیری کی حالت میں وحشت و تاریکی کے دور میں زندگی بسر کر رہے تھے۔
بنی عباس کی حکومت کا زمانہ تاریخ اسلام کے وحشی ترین اور ظلم و بربیت سے لبریز ادوار میں سے ایک تھا۔ اگرچہ سیاسی اعتبار سے جو سراسر حیلہ سازی و عیاری مکاری کی سیاست تھی بعض عباسی خلفاء اہل علم و دانش کی بظاہر پشت پناہی اور قدر شناسی کا ڈرامہ بھی رچاتے تھے لیکن حکومت اور امور سلطنت کی انجام دہی کے اعتبار سے ان کی سلطنت کی بنیادیں ظلم و ناانصافی خون مومنین کی ارزانی اور خصوصا خاندان رسالت ماب سے دشمنی و عداوت پر تھی۔ باثر عباسی افراد میں بعض تو ایسے تھے جو انتہائی بے رحمانہ مذبوحانہ اور بے رحمانہ قتل مومنین و صالحین کے نتیجے میں جن کا ارتکاب انہوں نے سوریہ فلسطین اور عراق میں کیا مرکب خلافت پر سوار ہو سکے۔ اور پھر مزید



شدت کے ساتھ مسلمانوں کی بے گناہ گردنوں سے مقتل سجاتے رہے۔
اموی حکمرانوں اور عباسی خلفاء ظلم و بربریت کے مظاہرے میں ایک تھے ان دونوں ملعون حکمراں خاندانوں میں صرف طریقہ کار کا فرق تھا بنی امیہ حکمرانی کی خاطر نبوت و وحی کا بھی انکار کر دیتے تھے اور قرآن کو بھی جلا دیتے تھے مگر شاطر اور چالاک عباسی خلفاء اپنی حکومت کی بقاء کے لئے ظلم و سفاکی کے بے دریغ مظاہرے کے ساتھ ساتھ علم و دانش دوستی کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے رہتے تھے درباروں میں زر خرید علماء سو اکٹھا رکھتے علمی بحثیں بھی کرتے کبھی کبھی دنیا تاریخ اور بالخصوص دوستداران اہل بیت رسول کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے خاندان رسالتماب کو منصب عہدوں حتیٰ بیٹیوں اور دیعہدوں کی پیش کش کرتے رہتے تھے تاکہ باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی۔ ان کی ظلم و وحشت پر قائم سلطنت بھی قائم رہے اور بکے ہوئے علماء سو کے ذریعے سے ان کی دینی وجاہت بھی قائم رہے۔ تاکہ عوام الناس ان کے گھناؤنے مکروہ اور فسق و فجور سے آلودہ چہرے بھی نہ دیکھ سکیں کوئی شورش نہ ہو سکے کوئی بغاوت سر نہ اٹھائے۔
امام حسن عسکری علیہ السلام اپنی ۲۸ سالہ عمر مبارک کے مختصر ترین عرصے میں بھی متعدد بار عباسی خلیفہ معتمد کے قید خانے میں ڈالے گئے۔ امام علیہ السلام کی مختصر حیات مبارک میں چھ عباسی خلفاء گذرے اور ان سب خلفاء کا دور داخلی اعتبار سے اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے روز بروز اور یکے بعد دیگرے زیادہ بھیانک ہوتا گیا۔ جن کی مختصر تفصیل کچھ یوں ہے۔
(۱) متوکل ملعون جو غارت گیر کربلا بھی تھا یعنی کردار و شقاوت میں یزید ثانی تھا۔(۲)معتز۔ (۳) مستعین ۔ (۴) مہدی اور معتمد۔ آخری الذکر کی حکومت ۲۳ سال عباسی خلافت میں سب سے طویل تھی۔ اور مورخین مسعودی وغیرہ معتمد کے دور ظلم

و وحشت کو اسلام اور مسلمانوں کی بد بختی کا سیاہ ترین دور کہتے ہیں اس کے مذبوحانہ اور وحشیانہ و سفاکانہ دور حکومت میں دوستداران آل رسول اور عامۃ المسلمین کے بے گناہ مقتولین کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق 5 لاکھ افراد سے زیادہ تھی۔ امام حسن عسکری اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد امامت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے باوجود تقریباً چھ برس خانہ نشین رہے۔ اس دباؤ اور سخت گیری کا سبب یہ تھا کہ اہل بیت علیہ السلام کے دوستوں اور بہی خواہوں کی کثرت و طاقت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ وہ حکومت وقت کے لئے ہمہ وقت خطرہ بن چکے تھے۔ خانہ نشینی امام حسن عسکری علیہ السلام کا دوسرا سبب سرکار رسالتمآب علیہ السلام کی وہ خبر عظیم تھی جو امام حسن عسکری کے ذریعے حجت دوران بقیۃ اللہ کی صورت میں ظہور پذیر ہونے والی تھی اس لئے ہمارے گیارھویں امام دوسرے ائمہ معصومین کے مقابلے میں حکومت وقت کی سخت ترین نگہداشت میں ہے۔ کیونکہ حکومت وقت اپنے زعم ناقص میں یہ تہیہ کر چکی تھی کسی طرح مخبر صادق نبی آخر علیہ السلام کی بشارت کو معاذ اللہ جھٹلائیں اور دوسری طرف شیعوں کی داستان امامت و ولایت کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام علیل ہوئے تو معتمد نے ایک طرف تو طبیب کو آپ کی تیمار داری کے لئے روانہ کیا اور دوسری طرف آپ کے بیت الشرف کے چاروں طرف مرد و زن جاسوس مقرر کر دیئے کہ وہ اس عظیم بشارت نبوی سے باخبر رہیں امام کے بیت الشرف کی تلاشی بھی لی گئی مگر بے سود ASS کے ان حقیقی بزرگوں کو شاید یہ علم نہیں تھا کہ ان کی یہ مذبوحانہ کوششیں نور خدا کے ظہور کو نہیں روک سکتیں چمگادڑوں کے الٹے لٹک جانے کا مطلب یہ تو نہیں کہ سورج طلوع ہی نہیں ہوا خدا نے تو اپنا وعدہ پورا کرنا تھا چاہے مشرکوں کو کیسا ہی گراں کیوں نہ گذرے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام غاصب حکومت کی پیروی نہ کرنے اور اعلائے کلمہ الحق



کے جرم میں کئی مرتبہ عباسی خلیفہ معتمد کی قید میں مقید ہوئے اور اس ملعون بادشاہ کے بدخصلت و بد نسل جلادوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور آخر کار اسی ملعون معتمد کی مسمومیت کے نتیجے میں ۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ کو شہادت پائی۔ مگر علم و فضیلت کا سلسلہ امامت اپنے مبارزہ و جہاد کی میراث اپنی یادگار کے طور پر اپنے وارث لنگر کون و مکان امام زمین و زماں کے حوالے کر گئے۔ صاحب ارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام کو معتمد نے یکم ربیع الاول کو زہر دیا جس کے سبب آپ علیل ہوئے ۸ دن اسی کیفیت میں گذرے۔ آٹھویں دن آپ نے رحلت فرمائی اور شہر سامرا میں اسی مقام پر جہاں آپ کے پدر بزرگوار امام ہادی علیہ السلام مدفون ہوئے تھے آپ دفن ہوئے شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک صرف ۲۸ برس تھی اور آپ کے واحد فرزند اور وارث حضرت قائم المنتظر علیہ السلام ہیں آپ کے علاوہ امام حسن عسکری کے کوئی فرزند نہیں تھے ہمیں روایات کی اختلاف میں نہیں جانا مسلمات دیکھنا ہے ہمارا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ امام کی نماز جنازہ امام ہی پڑھا سکتا ہے غیر امام نہیں اس لئے ہم ابن بابویہ کی روایت پر یقین رکھتے ہیں کہ امام حسن عسکری کا جنازہ سرکار ولی العصر عجل اللہ فرجہ ہی نے پڑھایا باقی روایات ناقابل اعتبار ہیں۔

# (بارہویں امام)

# حضرت امام مہدی بقیہ اللہ عجل اللہ تعالی فرجک

عالم تشیع کے عقائد راسخ ایمان بالتوحید ایقان بالرسالت عرفان بالقرآن اور دیگر مسلمات دین اور واجبات مذہب کا "مدار" وارومدار ایمان و معرفت حضرت حجت علیہ السلام پر ہے ہمارا ہر عقیدہ و ہر عمل بغیر معرفت و ایمان پر حجت الہی بے سود و بے نتیجہ ہے ایمان بالحجت آخر کا نتیجہ اپنے سیح خد و خال اور راسخ بنیادوں پر صرف مذہب حقہ اثناء عشریہ میں الحمدللہ گذشتہ چودہ صدیوں سے قائم و دائم ہے بادشاہوں کے مظالم ملوکیت کے طغیان انقلابات زمانہ کے تغیرات مورخین کی بددیانتی اور اہل دانش و بینش کی دانستہ سرکشی یا ان کا تجاہل عارفانہ اس نباء العظیم بقیۃ اللہ عجل اللہ کی اساس کو شکست و ریخت سے دو چار نہ کر سکے اور یہ عقیدہ امام آخر الزماں علیہ السلام بنیان المرصوص کی طرح طوفان مخالف کی تند و تیز لہروں کے سامنے ناقابل شکست چلا آ رہا ہے ہم سرکار ولی عصر کا مختصر تاریخی تعارف کرانے کے بعد قدرے مفصلاً" کچھ قرآنی۔ عقلی اور منطقی دلائل نذر قارئین کریں گے تاکہ ہمارے معزز پڑھنے والے غیب امام مہدی پر بھی عین الیقین کی منزل پر آ جائیں جیسے کہ ماشاءاللہ پہلے سے ہی ہیں ماہ شعبان دنیائے اسلام کی تاریخ میں بشارت و سعادت اور معجزہ رشد و ہدایت کا مہینہ رہا ہے جو ولادت حسینی کے انقلاب آفرین آفتاب حق کو طلوع شمس امامت آخر کی نورانی شعاعوں سے بلا فصل کر دیتا ہے اس مہینے کے پندرھویں شب عالم بشریت کے مصلح عدالت الیہ کے پھیلانے والے اور اسلام کی واحدنیت پرست



حکومت کو وسعت دینے والے حقوق بشر کے سب سے بڑی علمبردار مستکبرین پر مستضعفین کی حکومت اور معتدین پر محرومین کی انتہائی کامیابی کا مژدہ سنانے والے کی ولادت با سعادت کی بشارت دینے والی ہے۔ باطل پر حق کی مکمل فتح و ظفر کا نظریہ قرآنی اصل و حقیقت جس نے اپنی متعدد آیتوں کے ذیل میں پورے یقین کے ساتھ ایمان کی فتح مبین۔ صالحین کا قطعی غلبہ اور ظالمین کے مٹ جانے کی بشارت دی اور اسلامی روایات میں اس مقدس خیال و نظریئے کے متحقق ہونے کی امید کو "انتظار فرج" کے نام سے یاد کیا گیا ویسا ہی جی پر انتظار جیسا انبیاء ماسبق نے آیہ میثاق کی روشنی میں صادق و مصدق نبی آخر الزماں کی تشریف آوری کا فرمایا۔ ویسا ہی انتظار جیسا ایک بے لوث اور پر اشتیاق میزبان اپنے محبوب عالیقدر و باوقار اور مرکز نگاہ مہمان کی تشریف آوری کا کرتا ہے۔ ویسا ہی انتظار جیسا پیغمبر اسلام نے چالیس برس تک مولود کعبہ کی تشریف آوری کا کیا ویسا ہی انتظار جیسے تمام مسلمانوں کو روز قیامت اور جزا و سزا کے دن کا ہے یہ انتظار نہ تو دیوانگی ہے اور نہ ہی خلاف عقل و شعور اور نہ ہی فکر قرآن اور قول رسول سے متصادم امر ہے۔

یہ انتظار پاکیزہ بھی ہے اور لطیف بھی سنت الہی بھی ہے سیرت انبیاء بھی۔ شعائر معصومین بھی ہے اور شعور اولیاء بھی۔ پاکیزگی نفس کی علامت بھی ہے اور ثبات قدم کی اساس بھی۔ اور یومنون بالغیب کی روشنی میں مومنین و متقین کے لئے بشارت تقوی اور علامت ہدایت بھی! اسی اعتبار سے سرکار زمانہ اسی صدا بہار شجرہ طیبہ کا ثمر ہدایت ہیں جس کی جڑیں زمین کی پاتال میں اور جس کی شاخیں آسمانوں اور جو ہر موسم اور ہر ماحول میں وجود خزاں کا مضحکہ اڑاتا رہے گا آپ کی حیات کا تسلسل اور مبارک زندگی کی طوالت کا عقیدہ کسی دیوانے کا خواب نہیں بلکہ سورہ کوثر کی تفسیر اور شجرہ طیبہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلافصل کڑی اور زنجیر ہے انسانوں کا

طویل عمر ہونا اور مدت دراز تک گلشن ہستی میں رہنا ہر دور اور ہر زمانے میں مسلّم رہا ہے فی الحال ہم انبیاء کرام اولیاء اللہ متقین و صالحین کی طوالت حیات پر گفتگو نہیں کر رہے ہیں بلکہ عام انسانوں سمیت دیگر مخلوقات خداوندی کو خالق حیات نے اپنی مرضی و منشا کے مطابق جب تک چاہا اور جتنا چاہا زیور حیات سے آراستہ رکھا۔ قوم اجنہ کا وجود قرآن سے ثابت ہے اور ان پر انسانوں ہی کی طرح عبادت فرض ہے ظاہر ہے کہ یہ بھی ہماری ہی طرح شرعی طور پر مکلف ہیں اور ان میں صالح اور غیر صالح طبقات موجود ہیں لیکن آج تک کوئی شخص قوم جن کے سن و سال کی طوالت و اختصار کا تعین نہیں کر سکا اور نہ ہی اسے کبھی کج بحثی کا موضوع بنایا گیا۔

ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ توحید پرستوں نے تمام فکری صلاحیتوں علمی قلابازیوں اور ذہنی بوقلمونیوں کے ڈانڈے منفی سوچ اور معترض فکر کے سہارے آباء و اجداد نبی و علی کے ایمان سے لے کر وجود حجت الٰہی سے ملا دیئے کبھی آپ نے سوچا ایسا کیوں ہے۔

بنی اسرائیل کے ہزاروں انبیاء کا آخری جانشین جناب عیسیٰ کی صورت میں چرخ چہارم پر حیات ہے تو محمد مصطفےٰ کا کلمہ پڑھنے والا کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ خضر علیہ السلام بھٹکے ہوئے مسافروں کو ہزاروں برس سے راستہ دکھاتے چلے آ رہے ہیں لیکن کوئی معترض نہیں۔ جناب ادریس آج بھی حیات ہیں لیکن کوئی جرات لب کشائی نہیں کرتا فرشتوں کی طولانی زندگی پر کسی کی پیشانی پر بل نہیں پڑتا اور انتہائے تنگ نظری یہ ہے کہ "ابلیس ملعون" اللہ جانے کب سے زندہ ہے اور وقت معلوم تک زندہ رہے گا مگر کسی انتہا پسند گروہ کو نہ اس کی حیات پر اعتراض ہے اور نہ ہی اس کے اختیارات پر۔ ابلیس نظروں سے غائب رہ کر عین کیفیت حیات میں ہزاروں برسوں سے ملین Million افراد بشر کو صراط مستقیم سے اغواء کرتا چلا آ رہا ہے ایک ہی وقت



میں ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر کرہ ارض پر بسنے والے ہزاروں لاکھوں کروڑوں افراد کو گمراہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے مجال ہے جو کوئی ابلیس کے اختیار گمراہی پر شک کرے جو بھی شک ہو گا جو بھی دلیل مانگی جائیگی جو بھی سند طلب کریں گے جو بھی اعتراض فرمائیں گے جو بھی تیر تنقید چھوڑیں گے تو وہ صرف اور صرف اپنے رسول آخر کے فرزند آخر کے وجود پر۔ اختیار پر۔ اقتدار پر۔ طول عمر پر۔ وجود پر۔ نور پر۔ ظہور پر۔ بھائی! جس نبی آخر الزماں کے لبوں کے مترنم قصیدوں کا نام توحید ہے اور جس لسان الٰہی لہجہ کی باطل شکن گھن گرج کا نام قرآن ہے اور جس عالم لدنی کے مقدس لبوں سے پھوٹنے والے جھرنوں کا نام وحی الٰہی ہے جس کے حرکت و سکون پر دین و شریعت کے ستون قائم ہیں جس کے لبوں کی جنبش پر ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبوتوں کے نورانی محلات اور یاقوتی قصور مع عقیدہائے جنت و نار و ملک و حور قائم ہیں جس کی تعلیم و متعلم کے نتیجے میں قائم ہونے والی مستحکم بلندشان عمارت قائم ہونے میں زیادہ ترغیب ہی غیب کی جڑیں ہیں اس کے ہر غیب و شہود پر ایمان رکھ کر صرف ایک غیب اور ایک ظہور کو ہدف تنقید بنانا نہ تو ایمان شرافت ہے اور نہ ہی سے اخلاص و عمل کا مظاہرہ!

عالم تشیع میں چونکہ توحید کے بعد سب سے بڑا عقیدہ عدل ہے اس لئے ہم اس عدل خداوندی کے قائل ہیں کہ اگر اس نے گمراہی اور بدی کی قوتوں کو مدت معلوم تک مہلت عطا فرمائی تو خیر کی قوت اور ہدایت کے مرکز و محور کو تاقیامت باقی رکھنا بھی اس کی شان عدل کے عین مطابق ہے ورنہ روز قیامت فلسفہ سزا و جزا بے معنی ہو کر رہ جائیگا ہمارا خدا تو اتنا رحمن و رحیم ہے کہ جس کے فضل نے اس روئے گیتی کی پہلی فرد بشر کو بھی محروم ہدایت نہیں رکھا ایسا نہیں کہ انسانیت پہلے برس تک گمراہیوں کے قعر ذلت میں پڑی رہی ہو اور بعد میں منجانب اللہ کسی معصوم ہادی کا اہتمام کیا

گیا ہو اگر ایسا ہوتا تو یہ مطابق عدل نہ ہوتا چونکہ جتنے عرصہ بعد بھی وہ بشریت کی ہدایت کے لئے معصوم ہادی کا اہتمام کرتا اس وقفے کی گمراہی کا سارا بہتان یہ خود غرض انسان بذریعہ شیطان دامن سبحان پر ڈال دیتا اس لئے اس نے اس دھرتی کے پہلے انسان کو بھی ہدایت منصوص من اللہ سے نوازا۔ بشر سے پہلے ابو البشر پیدا کیا اس کو معلم الملکوت بنایا اپنے ہاتھوں سے سجایا سنوارا اور امتحان علم درمیان فرشتگان و آدم کے عادلانہ اختتام پر اس پہلے ہادی کے فرق پر تاج مسجود ملائکہ سج گیا یہ تو امل حقیقت ہے کہ لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا اور جب یوں ہے تو ہمیں بڑے اعتماد سے کہنے دیجئے کہ اگر عدل الہی کے پیش نگاہ اس کائنات کا پہلا انسان بھی محتاج ہدایت ہے تو اس روئے زمین کا آخری انسان بھی کوئی مافوق البشر انسان نہیں ہے کہ جسے کسی ہادی کی ضرورت نہیں ہے اور اگر پہلا انسان جو ہدایت بشری کے لئے زمین پر تشریف لایا وہ خلیفہ اللہ فی الارض عالم علم لدنی چشم مشیت کا مصطفیٰ مسجود ملائکہ اور معصوم عن الخطاء ہے تو عین سنت الہی اس کائنات کا آخری ہادی بھی ان ہی صفات ملکوتی اور اوصاف عصمت و طہارت کا حامل ہو گا۔ کیونکہ بے نیازی پروردگار اور ابلیس ملعون کیجانب سے سرکشی اور طغیان پر مبنی بشریت کو گمراہ کرنے کا چیلنج قبول کر چکی ہے لہٰذا ذات واجب پر واجب ہے کہ وہ تکبر ابلیسیت کے مقابلے میں تدبر امام مطلق قائم حجت کی صورت میں تا قیام قیامت باقی رکھے کیونکہ باب نبوت و رسالت اور دروازہ وحی تو اعلان ولایت مولائے کائنات کے موقع پر ہر اعتبار اور ہر رخ سے ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے کوئی مانے یا نہ مانے مگر یہ سب سے بڑی حقیقت ہے ہم شیعوں کا عقیدہ امامت دلیل ختم نبوت اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اولین اقرار کے فورا بعد ہمارا بلا فصل علی ولی اللہ کہنا اور پھر نسل علی سے اس سلسلہ امامت و ولایت مطلقہ کو سرکار ولی عصر تک دیانتداری سے قائم رکھنا حقیقتاً" نبی خاتم پر ہمارا



ناقابل تغیرو تبدل یقین ہے رہا ہادی کا نظروں سے اوجھل ہونا اور اس پر اعتراض کرنا تو ہدایت کی ساری عظیم نشانیاں غائب ہی ہیں۔ اور الحمد للہ سارے مسلمان ان سب غیوب پر ایمان رکھتے ہیں سب سے بڑا غیب تو خود خداوند عظیم ہے جو حاضر و ناظر ہونے کے باوجود بھی غائب ہے فرشتے جنت۔ دوزخ۔ کوثر۔ تسنیم۔ سلسبیل۔ لوح محفوظ۔ شجر طوبیٰ۔ قیامت روز جزا اللہ کی مشیت اٹھارہ ہزار عالموں اور ان عالموں میں بسنے والی مخلوقات قوم جن جسم میں روح۔ دماغ میں عقل۔ پھول میں خوشبو۔ جحت میں جسم عامتہ الناس کی نظروں میں حروف مقطعات قرآن کے معنی و مفاہیم وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب غائب ہیں پھر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ان کے اسمائے گرامی انکی جائے ولادت و وفات تاریخ عدم و وجود زمانہ غیب و شہود خواب اصحاب کہف۔ انتظار عیسیٰ۔ وجود خضر از روئے آیہ۔ میثاق انبیاء کا وعدہ نصرف رسول آخر یہ سب غائب ہیں کیا فرماتے ہیں علماء کرام۔ کیا ان سب مسلمات دین اور واجبات ایمان کا انکار کر دیا جائے؟ صرف اس بودے اور مجہول اعتراض کو تقویت دینے کے لئے کہ جو نظروں سے غائب ہیں وہ ہادی نہیں ہو سکتا ASS کی عقل دشمن قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح جلوہ الہی دیکھنے کی ضد نہ کرے۔ اس کائنات الہی میں سینکڑوں اشیاء ایسی ہیں جو عیاں بھی ہیں نہاں بھی ہیں یعنی جنہیں دیکھا نہیں جا سکتا بلکہ محسوس کیا جاتا ہے اگر دلوں پر بالکل ہی تالے نہیں پڑ گئے۔ اور اگر حواس خمسہ کسی کے پاس ASS کی طرح گروی نہیں رکھ دیئے گئے تو اس موقعے پر حضرت نسیم امروہوی سے سنیں وہ کہتے ہیں

اے منکروں نسیم عیاں بھی نہاں بھی ہے ---!
ہر پھول کی شمیم --- عیاں بھی نہاں بھی ہے
جحت کی ایک جسم عیاں بھی نہاں بھی ہے
خود خالق کریم عیاں بھی نہاں بھی ہے

کہتے ہو آج قائم آل عبا نہیں
کیا اعتبار کل کو جو کہہ دو خدا نہیں

ہمارے آخری امام کا وجود یوں بھی ضروری ہے کہ وہ اس نبی معظم کے بلا شرکت غیرے آخری وارث ہیں جو عالمین کے لئے رحمت بن کر آئے تھے یہ کیسا عدل ہے اور کیسا عقیدہ کہ عالمین تو باقی اور رحمت کا ٹکڑا ندارد۔ انکار امام زمانہ فی الحقیقت و **ما ارسلنک الا رحمتہ للعلمین** ☆ کی آیت کا کھلا انکار ہے ۔ اہلسنّت کے ایک باوقار اور خوش عقیدہ عالم دین اور حافظ قرآن علامہ حافظ عارف اکبر آبادی نے کیا خوب شعر نذر امام عصر کیا ہے

ہٹ جائیں گر امام زماں درمیان سے
لاکھوں بلائیں ٹوٹ پڑیں آسمان سے !

یہ رحمت ختمی مرتبت ہی کا تو ٹکڑا ہے جو بقیہ اللہ کی صورت میں امت مسلمہ کی تمام نافرمانیوں اور گمراہیوں کے باوجود عذاب الٰہی کو روکے ہوئے ہے ورنہ اس سے قبل کی امتوں پر عذاب آنے میں نہ تو اتنی تاخیر ہوئی اور نہ ہی مشیت کی طرف سے اتنی ڈھیل دی گئی وہ تو یہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم قرآن میں اپنے حبیب سے وعدہ کر چکا ہے کہ میرے حبیب جب تک تو اس امت میں موجود ہے ہم اسے اپنے عذاب سے دو چار نہیں کرینگے ظاہر ہے اس آیت کے مصداق سرکار ولی عصر کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے امام حسن عسکری کا یہ لال جناب نرجس کا چاند خون علی و بتول کے تقدس و حرمت کا امین۔ صادق و امین رسول کا وارث لنگر کون و مکاں بن کر نظام کھینچ چلا رہا ہے ہم گذشتہ اوراق میں لکھ آئے ہیں کہ بنی عباس کے سفاک بادشاہ اور ظالم خلیفہ معتمد نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر لیا کہ کسی طرح سلسلہ نیابت مصطفوی کے آخری آفتاب کے طلوع ہونے کو روک سکیں مگر وہ اسی طرح ناکام و نامراد رہا جس طرح اسکے



آباؤ و اجداد سرکار زمانہ کے معصوم بزرگوں کو بہ تیغ اور بذر زہر جگر خراش کرنے کے باوجود انسانی قلوب پر ثبت ہوئے ان کی عظمتوں کے نقش نہ مٹا سکے۔ یہ بدر کامل طلوع ہو کر رہا کچھ عرصے کبھی کبھی کسی خوش بخت اہل نظر کو بحکم پدر عالیقدر حضرت امام حسن عسکری زیارت سے مشرف فرماتے رہے پھر غیبت صغریٰ کا مختصر زمانہ شروع ہوا۔ سرکار زمانہ سنہ ۲۵۵ھ سے سنہ ۲۶۰ھ تک براہ راست اپنے پدر بزرگوار کے زیر تربیت رہے اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد جب بار امامت تا قیامت آپ کے دوش پر آیا تو حضرت نے بہ امر الٰہی غیبت فرمائی اور اس غیبت صغریٰ کے زمانے میں صرف آپ کے نائبین خاص ہی امور شریعت کی انجام دہی اور مسائل دینی کے حل کے لئے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکتے تھے اور حضرت کسی دوسرے شخص کے لئے ظاہر نہیں ہوتے تھے یاد رہے کہ گیارھویں امام سوائے ایک فرزند کے اور کوئی دوسرا فرزند نہیں رکھتے تھے۔ پدر عالیقدر کی رحلت کے وقت آپ پانچ برس کے تھے اور خداوند عالم نے آپ کے معصوم اجداد کی طرح آپ کو تخلیقی طور پر ہی معدن علم و حکمت قرار دیدیا تھا آپ حضرت یحیٰی پیغمبر کی طرح عہد طفلی میں درجہ امامت پر فائز ہوئے اور حضرت عیسیٰ کی طرح جنہوں نے گہوارے کے اندر مقام نبوت حاصل کر لیا تھا آپ نے گہوارہ آغوش جناب نرجس خاتون ہی میں امامت الٰہیہ کے تمام مراحل کی سیر کامل فرمائی تھی اور یوں بھی مسلم مکاتب فکر کے درمیان سرکار ولی العصر کی تشریف آوری اور ظہور پر کوئی اختلاف نہیں ہے ہم شیعوں اور دیگر مکاتب ملت مسلمہ میں عقیدہ وجود مہدی پر صرف اتنا اختلاف ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور سنہ ۲۵۵ھ میں صلب امام حسن عسکری و بطن جناب نرجس خاتون سے ظہور فرما کر اب پردہ غیبت میں بہ امر مشیت ہدایت خلق فرما رہے ہیں اور جب امر الٰہی ہو گا اللہ کا یہ آخری اولی الامر اور مصطفیٰ کا آخری جانشین پردہ غیبت الٹ کر

ظہور فرمائیگا اور پھر اس کے لوائے حمد کے نیچے عیسیٰ و خضر و ادریس جیسے انبیاء سے
لیکر مومنین صالحین اور خوش نصیب افراد امت جمع ہو کر اس ظلم و عدوان و فسق و
فجور سے لبریز معاشرے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے انشاء اللہ۔ جبکہ
مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مہدی ابھی پیدا نہیں ہوئے بلکہ خاندان رسالت سے آپ
قرب قیامت میں پیدا ہوں گے اور پھر حقیقی حکومت ایسے قائم ہو گی تو پیدائش و
ظہور کا اختلاف ہے ہدایت و امامت پر ASS کے انتہا پسند اور عقل دشمنوں کے علاوہ
سب متفق ہیں ہم اس باب کو اس نکتے پر ختم کرتے ہیں کہ اے وارث زمین و زمان
تنگ کون و مکاں جلد از جلد تشریف لائیے کہ زمانہ اپنے امام کے انتظار میں ہے عجل
اللہ فرجہ و تعالیٰ۔

# اختتامیہ

ہمیں بھی اپنی بے بضاعتی کم مائیگی علم اور حروف و کلمات و الفاظ کی نشست و
رخاست میں ناتجربہ کاری یعنی قلمی غربت کا پورا پورا احساس ہے۔ اور ہم اس امر سے
بھی پوری طرح آگاہ ہیں کہ ہماری یہ تحریری گذارشات جو ہم کتاب کی صورت میں
پیش کر رہے ہیں ہم سے کہیں زیادہ صاحبان علم و فکر کی نظر سے گذریں گی ان میں
بہت سے یقیناً" ایسے بحر بیکراں ہوں گے جن کے سامنے ہم ایسے طالب علم اگر
... وں کی حیثیت بھی اختیار کرلیں تو ہماری محنت وصول ہے۔ ہم علمائے حق کی
... ن برداری کو اپنا تاج افتخار سمجھتے ہیں اور ان کے چمنستان علم کے خوشہ ... وں کی
... میں کہیں سب سے آخر میں بھی صرف اذن طلب علم مل جائے تو یہ ملال زیست
... پائے۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ہماری یہ کج مج تحریر سلاطین اقلیم نطق و لب
... ریاروں تک بھی رسائی حاصل کرے گی جن کے سامنے کسی تحریر کو پیش کرنا
... کو چراغ دکھانا یا پھولوں پر عطر ملنے کے مترادف ہے

... ادب اپنے معزز کرم فرماؤں کی خدمت میں صرف اتنا عرض کریں گے وہ ہمیں
... تاہیوں اور لغزشوں سے ضرور آگاہ فرمائیں گے تاکہ آئندہ ہم اپنی اصلاح بھی
اور غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ بھی کرلیں جو ہم ایسے طالب علموں سے یقینی
... نے پوری کتاب میں مقدور بھر اس امر کی پر خلوص کوشش کی ہے کہ اصول
... ین پر سمجھوتہ کئے بغیر جو ہمارے مذہب کا ہمیشہ سے طرہ امتیاز رہا ہے تحریر و
... ں مثبت انداز اختیار رکھیں اور کسی کی دل آزاری نہ ہو تاہم ہو سکتا ہے
... کہیں استدلال یا کسی تاریخی تجزیے کی صداقت نے آواز میں گھن گرج

پیدا کر دی ہو میٹھی اور دھیمی سماعت پر گراں گذرے تو ہم ایسے نفیس مزاج رکھنے والوں سے بھی بصد خلوص معذرت خواہ ہیں۔ بخدا اگر ہمیں ASS کی پاکستان دشمن اور اسلامی دشمن تحریروں اور تقریروں سے امت مسلمہ کے شیرازہ کے بکھر جانے کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہ معذرت نامہ آئینہ بنا کر کبھی پیش نہ کرتے مگر اذہان ملت اور بالخصوص اپنی نوجوان نسل کے معصوم ذہنوں کو ASS کے CELL DISINFORMATION کی گمراہیوں سے بچانے کے لئے ہم اتمام حجت کے طور پر چند صفحات سپرد قلم و قرطاس کر گئے رہا کفر و اسلام کا معاملہ تو اللہ و بندہ یعنی عبد و معبود کے درمیان ہے کیونکہ وہ دلوں کے بھید اور نیتوں اور ذہنیتوں کا سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ ہم محمد و آل محمد علیہم السلام جیسے اعلیٰ ظرف اور اولوالعزم رہنماؤں کے پیرو کار ہیں جنہوں نے ہمیں شرافت۔ متانت۔ سنجیدگی اور دلیل و برہان کے ساتھ احقاق حق و ابطال باطل کا درس دیا ہے۔ ہم کسی کو کافر نہیں کہتے اور نہ ہی کسی سے اپنے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ چاہتے ہیں ہم ایسے جنس میں کلمہ پڑھنے والے شیعہ نہیں بلکہ اصلاب طاہرہ سے ارحام مطہرہ کی طرف منتقل ہونے والے معصومین علیہم السلام کے پیرو کار اور ان کے عظیم اور لائق درود و سلام آباو اجداد از حضرت ابراہیم علیہ السلام تا جناب ہاشم و عبدالمطلب و جناب عبداللہ و جناب ابو طالب علیہم السلام پر ایمان رکھنے والے ہیں اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہم نے آج سے چودہ سو برس پہلے قرآن و پیغمبر اسلام کے ارشاد کے مطابق جن کا اقرار کیا تھا الحمد للہ آج بھی اس کا اقرار کرتے ہیں اور قیامت تک انہیں بزرگوں کے آستانہ علم کی جاروب کشی پر فخر کرتے رہیں گے اور قرآن و رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں جن مشرکین۔ کافرین۔ منافقین۔ ظالمین۔ منکرین و دشمنان خاندان رسول آخر کا انکار کیا تھا الحمد للہ آج بھی ان کا انکار کرتے ہیں اور قیامت

تک ان کا انکار کرتے رہیں گے انشاء اللہ خدا ہمیں اس اصول پر ثابت قدم رکھے امین۔ ASS والے ہمیں کافر کافر شیعہ کافر کہیں بھی تو ہم نہ تو مشتعل ہوں گے نہ پریشان کیونکہ ہماری عزت پیغمبر رسول اور علی المرتضیٰ کے باپ دادا سے زیادہ نہیں یہ انہیں دشمنان اسلام اور جناب حمزہ کا کلیجہ چبانے والوں کی نسلیں ہیں جنہوں نے اپنے رسول اور علی المرتضیٰ کے باپ دادا کو نہیں بخشا تو ہمیں کہاں معاف کریں گے ہم پلٹ کر ASS کے مفسدوں کو کافر نہیں کہیں گے کیونکہ یہ ہمارے معصوم اور مسند خلق نبوت کے وارث آئمہ علیہم السلام کی تعلیمات کے منافی ہے البتہ چونکہ ہم الحمد للہ غلامان پنجتن پاک علیہم السلام ہیں جو نصاریٰ نجران سے صداقت محمدی اور عقیدہ توحید پر آیہ مباہلہ کی روشنی میں مقابلے پر گئے تھے تو یہ ہمارا قرآنی حق ہے کہ ہم صرف یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دیں کہ اے رب دو جہاں اے پروردگار محمد و آل محمد اے نور کو ظلمت اور ظلمت کو نور سے علیحدہ کرنے والے عظیم کبریا تجھے اپنی رحمت عدل اور سب سے بڑھ کر اپنے محبوب محمد مصطفیٰ کا واسطہ (ہم نہیں جانتے کہ کافر کون ہے اور مسلمان کون) ہم تو تجھے اتنے عظیم واسطے دے کر صرف تیرے حضور بصد یقین و عاجزی یہ دعا کرتے ہیں کہ جیسا جناب ابو طالب (معاذ اللہ) کافر تھا ویسا کافر ہمیں بنا دے اور جیسا ابو سفیان مسلمان تھا ویسا مسلمان ASS کے مفسدوں کو بنا دے۔ جہاں عبدالمطلب۔ عبداللہ۔ ابو طالب اور ان کا بیٹا اور ان کا پوتا جائے وہاں قیامت کے بعد ہمیں بھیج دے اور جہاں حرب۔ ابو سفیان اس کا بیٹا اور اس کا بیٹا جائے وہاں انہیں بھیج دے۔ یہی ہماری التجا ہے اور یہی ہمارا یقین۔

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یا صاحب الزّماں ادرکنیؑ

یا عباسؑ

Knowledge for All

SABIL-E-SAKINA

DvD Version

# لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

## اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com


SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com


NOT FOR COMMERCIAL